بسم اللہ الرحمن الرحیم

مریض ومعذور کی نماز

وطہارت کے احکام

مصنف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران

راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مریض ومعذور کی نماز

وطہارت کے احکام

مریض ومعذور کی نماز کے متعلق شرعی اصول وقواعد اوران کی روشنی میں
مریض ومعذور کی نماز، امامت اور جماعت کی مختلف صورتوں
اورکرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا مفصَّل ومدلَّل حکم
اورمعذور ومریض کے وضوء، غسل اور پاکی وناپاکی سے متعلق اہم مسائل

مصنف
مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران چاہ سلطان راولپنڈی

Idara Ghufran
www.idaraghufran.org

(جملہ حقوق بحق ادارہ غفران محفوظ ہیں)

نام کتاب: مریض ومعذور کی نماز وطہارت کے احکام

مصنف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل: جمادی الاخریٰ ۱۴۳۶ھ، اپریل 2015ء

صفحات: ۳۲۰

ملنے کے پتے

Idara Ghufran

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین
۱۲	**تمہید** (از مؤلف)
۱۷	﴿مقدمہ﴾ **نماز کی فرضیت اور نماز کی مختلف حالتیں**
۳۱	﴿باب نمبر۱﴾ **مرض وعذر کی بنا پر نماز میں تخفیف وسہولت کا اصول**
۳۳	﴿فصل نمبر۱﴾ **قیام کی فرضیت اور اس سے معذوری کے احکام**
۳۸	فرض اور غیر فرض نمازوں میں قیام کا حکم
۴۱	قیام کی حقیقت
۴۲	نماز میں کتنی مقدار قیام کرنا ضروری ہے؟
۴۴	سہارا لے کر قیام کرنے کا حکم
۴۶	نماز میں قیام معاف ہونے کی صورتیں
۵۱	قیام پر قادر اور سجدہ اور قعدہ پر غیر قادر کا حکم
۵۲	کرسی پر بیٹھنے سے قیام کا فریضہ ادا نہیں ہوتا

Idara Ghufran

﴿فصل نمبر۲﴾ رکوع کی فرضیت اوراس سے معذوری کے احکام	۵۳
رکوع کی حقیقت اوراس کا ادنیٰ درجہ	۵۵
رکوع سے معذور شخص کا حکم	۵۷
رکوع سے معذور کو قیام وسجدہ کا حکم	۵۸
قیام سے معذور کو بیٹھ کر رکوع کرنے کا حکم	۶۱
کرسی پر بیٹھ کر رکوع کرنے سے رکوع کا فریضہ ادانہیں ہوتا	//
﴿فصل نمبر۳﴾ سجدہ کی فرضیت اوراس سے معذوری کے احکام	۶۲
سجدہ میں پیشانی ٹیکنے اورناک لگانے کا درجہ	۶۴
سجدہ میں ہاتھ، پاؤں اور گھٹنے ٹیکنے کا درجہ	۶۹
پیروں سے اونچی جگہ پرسجدہ کرنے کا حکم	۷۵
سجدہ سے معذور کے لئے کوئی چیز رکھ کرسجدہ کرنے کا حکم	۷۷
کرسی پر بیٹھے بیٹھے حقیقی سجدہ ادانہیں ہوتا	۹۵
معذور شخص کو اشارہ سے سجدہ کرنے کا حکم	۹۹
سجدہ سے معذور شخص کس طرح نماز پڑھے؟	۱۰۲
معذور کو سجدہ کے اشارہ میں رکوع سے زیادہ جھکنے کا حکم	۱۰۴
معذور شخص کو سجدہ سے اٹھ کر جلسۂ استراحت کا حکم	۱۰۵
سجدہ یا قعدہ سے فارغ ہوکر سہارا لے کرکھڑا ہونا	۱۰۷

Idara Ghufran

﴿فصل نمبر۴﴾ قعدہ کی فرضیت اور اس سے معذوری کے احکام	۱۰۸
نماز میں قعدہ یا جلوس کی حقیقت	//
نماز میں قعدہ کی مسنون ہیئت	۱۱۰
عذر کی وجہ سے تورُّک یا تربُّع کرنے کا حکم	۱۱۲
کرسی پر بیٹھنا غیر مسنون قعدہ ہے	۱۱۷
﴿فصل نمبر۵﴾ لیٹ کر اور اشارہ سے نماز پڑھنے کا حکم	۱۲۱
مرض یا عذر میں لیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم	//
بلا عذر لیٹ کر نفل وسنت نماز پڑھنے کا حکم	۱۲۳
سر یا آنکھوں وغیرہ کے اشارہ سے نماز پڑھنے کا حکم	۱۲۴
﴿باب نمبر۲﴾ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم	۱۲۸
کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا خلافِ سنت ومکروہ ہے	//
کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی جائز وناجائز صورتیں	۱۳۴
(۱)......قیام پر قادر کو نماز میں کرسی پر بیٹھنے کا حکم	//
(۲)......سجدہ پر قادر کو نماز میں کرسی پر بیٹھ کر سجدہ کرنے کا حکم	۱۳۵
(۳)......قیام، رکوع اور سجدہ پر قادر اور قعدہ سے عاجز کو کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم	۱۳۶

Idara Ghufran

(۴)......سجدہ سے عاجز اور رکوع وقیام پر قادر کو کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم	۱۳۷
(۵)......رکوع سے عاجز اور قیام وسجدہ پر قادر کو کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم	۱۴۱
(٦)......کرسی پر بیٹھنے والے کے قعدہ کا حکم	۱۴۲
﴿باب نمبر۳﴾ مرض وعذر سے متعلق نماز کے چند متفرق مسائل	۱۴۴
مجنون اور بے ہوش پر نماز کی فرضیت کا حکم	//
نماز کے آخری وقت میں مکلّف نہ رہنے پر حکم	۱۴۸
دارُالحرب میں اسلام لانے والے پر نماز کا حکم	۱۴۹
استقبالِ قبلہ کی فرضیت اور اس سے معذوری کا حکم	۱۵۰
تکبیر کے لئے ہاتھ اٹھانے سے عاجز کا حکم	۱۵۳
نماز کے بعض حصہ میں قادر اور بعض حصہ میں عاجز کا حکم	۱۵۴
جس کو لباس میسر نہ ہو، اس کی نماز کا حکم	۱۵٦
جس کو پاک وحلال لباس میسر نہ ہو، اس کی نماز کا حکم	۱۵۸
کسی رکن کی ادائیگی سے حدث لاحق ہوتا ہو، تو کیا حکم ہے؟	۱۵۹
مریض کے نماز میں رونے اور کراہنے کا حکم	۱٦۰
مریض کے نماز میں کھانسنے کا حکم	۱٦۱
نماز میں سو جانے پر وضو ٹوٹنے کا حکم	۱٦۲
جس کو قرائت نہ آتی ہو، اس کی نماز کا حکم	۱٦۳
جس کو مسنون دعائے قنوت یاد نہ ہو، اس کا حکم	۱٦۴

Idara Ghufran

بیماری میں صحت کے زمانہ کی نمازیں قضاء کرنے کا حکم	۱۶۵
نماز شروع کر کے توڑنے کا حکم	۱۶۶
نماز شروع کر کے توڑ دینے پر قضاء کا حکم	۱۶۷
نماز یا اس کی رکعتوں میں بار بار بھول ہونے کا حکم	۱۶۸
نمازِ وتر کا وقت اور اس کی قضاء کا حکم	۱۷۲
سنتِ مؤکدہ رکعتوں کی تعداد	۱۷۴
بیماری یا عذر میں سنتِ مؤکدہ کو ترک کرنے کا حکم	۱۷۶
ترک شدہ سنتوں کی قضاء کا حکم	۱۷۷
نمازی کے سامنے سے گزرنے کا حکم	۱۷۹
﴿باب نمبر ۴﴾ مریض ومعذور کی امامت وجماعت سے متعلق احکام	۱۸۳
ارکان کی ادائیگی، باجماعت نماز سے اہم ہے	〃
مریض ومعذور کے لئے باجماعت نماز اور نمازِ جمعہ کا حکم	۱۸۴
تیمارداری میں مشغول کو باجماعت نماز اور جمعہ کا حکم	۱۸۸
جس سے دوسرے کو ایذاء پہنچے، اس کو جماعت میں شمولیت کا حکم	۱۸۹
مجنون وبے ہوش کی امامت کا حکم	۱۹۰
ارکان کی ادائیگی سے معذور کی امامت کا حکم	〃
تیمّم کرنے والے کی امامت کا حکم	۱۹۲
زخم، پٹی یا خفین پر مسح کرنے والے کی امامت کا حکم	۱۹۳

خروجِ ریح وغیرہ کے مریض کی امامت کا حکم	۱۹۳
برہنہ شخص کی امامت کا حکم	۱۹۴
اُمّی کی امامت کا حکم	۱۹۵
گونگے کی امامت کا حکم	۱۹۶
اندھے اور بہرے کی امامت کا حکم	//
لنگڑے کی امامت کا حکم	۱۹۷
فاسق کی امامت کا حکم	//
حنفی وشافعی وغیرہ کے ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز کا حکم	۱۹۹

﴿باب نمبر ۵﴾

مریض ومعذور کے اوقاتِ نماز سے متعلق احکام

۲۰۲

عذر کی وجہ سے ایک مثل کے بعد عصر کی نماز پڑھنے کا حکم	//
عذر کی وجہ سے عصر کی نماز تاخیر سے پڑھنے کا حکم	۲۰۳
عذر کی وجہ سے مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھنے کا حکم	۲۰۴
عذر کی وجہ سے عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنے کا حکم	۲۰۶
عذر میں طلوع یا غروب کے وقت فجر یا عصر پڑھنے کا حکم	۲۰۷
مرض یا عذر کی وجہ سے جمع بین الصلا تین کا حکم	۲۱۲
غیر معتدل علاقوں میں نماز کے اوقات کا حکم	۲۲۲
فوت شدہ شخص کی قضاء نمازوں کا فدیہ	۲۳۰

Idaraghufran

﴿باب نمبر ٦﴾ **سفر میں اور سواری پر نماز کے چند احکام**	۲۳۲
چلتی سواری پر سنن ونوافل کو اشارہ سے پڑھنے کی اجازت	//
چلتی سواری پر فرض نماز پڑھنے کا حکم	۲۳۹
سفر کی نماز میں قصر کا حکم	۲۴۱
مدتِ مسافت کی مقدار	۲۴۴
مدتِ اقامت کتنے دن ہے؟	۲۴۵
جہاں قصر واتمام میں اشتباہ ہو، وہاں نماز کس طرح پڑھی جائے؟	۲۴۷
سفر میں جمع بین الصلاتین کا حکم	۲۴۸
سفر میں سنن ونوافل کا حکم	۲۵۴
سفر کی نماز، حضر میں اور حضر کی نماز، سفر میں قضاء کرنے کا حکم	۲۵٦
﴿باب نمبر ۷﴾ **مریض ومعذور سے متعلق طہارت ونجاست کے احکام**	۲۵۹
وضو یا غسل کی جگہ تیمّم کب جائز ہے؟	//
بدن کے زخمی ہونے کی وجہ سے غسل یا وضو کی جگہ تیمّم کا حکم	۲٦۰
ہاتھ کٹے ہوئے یا زخمی ہونے کی وجہ سے تیمّم کا حکم	۲٦۳
سردی کی وجہ سے تیمّم کا حکم	۲٦۴
قید وحبس وغیرہ کی وجہ سے تیمّم کا حکم	۲٦۵
اگر پانی صرف اپنی ضرورت کے بقدر ہو تو تیمّم کا حکم؟	//

Idara Ghufran

تیمّم پاک مٹی سے کرنے کا حکم	۲۶۶
مٹی کی جنس والی چیزوں سے تیمّم کا حکم	//
تیمّم کا طریقہ	۲۶۸
زخم یا پٹی، پلستر وغیرہ پر مسح کا حکم	۲۶۹
ناخن پالش وغیرہ پر وضو اور غسل کا حکم	۲۷۰
رنگ ساز وغیرہ کے جسم پر رنگ کی وجہ سے وضو اور غسل کا حکم	۲۷۲
مصنوعی دانت لگانے کے بعد غسل کا حکم	۲۷۴
وِگ (wig) کے اوپر سے مسح اور غسل کا حکم	۲۷۵
موزے اتارنے سے ضرر لاحق ہو، تو وضو کا حکم	۲۷۶
جو عضو کاٹ دیا گیا ہو، اس کے دھونے کا حکم	۲۷۷
زائد پیدا شدہ عضو کو دھونے کا حکم	//
خون اور زخم کا مواد نکلنے سے وضو ٹوٹنے کا حکم	۲۷۸
قے ہونے سے وضو ٹوٹنے کا حکم	۲۸۰
ناپاک کپڑے وغیرہ کو پاک کرنے کا طریقہ	۲۸۱
نجاست کو پانی کے علاوہ کسی اور چیز سے پاک کرنے کا حکم	۲۸۳
بدن یا لباس پر لگی ہوئی ناپاکی کے ساتھ نماز پڑھنا	۲۸۵
مریض کو ڈھیلے یا ٹشو پیپر سے استنجاء پر اکتفاء کرنے کا حکم	۲۸۶
مریض کو ناپاک کپڑے تبدیل کرنا مشکل ہو، تو کیا حکم ہے؟	۲۸۸
جسم پر ناپاکی لگی ہوئی حالت میں تلاوت وذکر کا حکم	۲۸۹
ریح خارج ہوتے رہنے والے مریض کا حکم	//
وضو ہونے نہ ہونے میں شک کا حکم	۲۹۲

	وضوٹوٹنے میں شک پیدا ہونے کا حکم	۲۹۳
	ناپاک جگہ میں محبوس کو نماز کا حکم	۲۹۴
	جس کو وضو اور تیمّم کی قدرت نہ ہو، اس کی نماز کا حکم	۲۹۵
	پانی کے پاک ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں	۲۹۷
	ماءِ کثیر اور اس کی ناپاکی کا حکم	۳۰۱
	ناپاک پانی کو چالو یا زیادہ کر کے پاک کرنے کا طریقہ	۳۰۴
	راستہ کے پانی و کیچڑ کے پاک و ناپاک ہونے کا حکم	۳۰۹
	رطوبتِ فرج کی پاکی وناپاکی کا حکم	۳۱۳
	مذی، ودی اور منی کی پاکی یا ناپاکی کا حکم	۳۱۴
	استعمالی کپڑے کے پاک وناپاک ہونے کا حکم	۳۱۶
	دھوبی کے دُھلے ہوئے کپڑوں کی پاکی وناپاکی کا حکم	۳۱۷

Idara Ghufran

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

بندہ محمد رضوان نے کچھ عرصہ قبل کرسی پر نماز پڑھنے کے شرعی حکم سے متعلق ایک کتابچہ تحریر کیا تھا، جس کی متعدد مرتبہ اشاعت ہوئی، لیکن اب کی مرتبہ جب اس کی اشاعت کی ضرورت پیش آئی، تو بعض حضرات کی خواہش پر مریض ومعذور کی نماز سے متعلق متعدد احکام کا اضافہ کیا گیا، اور فقہ حنفی کے علاوہ فقہ شافعی، مالکی اور فقہ حنبلی کے موقف کو بھی بہت سی جگہ ذکر کیا گیا، کیونکہ بعض معقول اعذار کی صورت میں ان اقوال پر بھی عمل کر لینے کی گنجائش ہے۔

مگراس اضافہ کے بعد محسوس ہوا کہ کرسی پر نماز سے متعلق یہ کتابچہ طویل ہو جائے گا، اور اصل موضوع پر مریض ومعذور کی نماز کے احکام غالب آ جائیں گے، اس لئے بالآخر یہ طے کیا گیا کہ کرسی پر نماز کے شرعی حکم سے متعلق مختصر کتابچہ تو الگ سے شائع کرنا مناسب ہے، تاکہ صرف کرسی پر نماز کا شرعی حکم ملاحظہ کرنے والے حضرات کے لئے بڑی کتاب ناگزیر نہ ہو، اور مریض ومعذور کی نماز کے احکام سے متعلق یہ کتاب الگ اور مستقل شائع کرنا مناسب ہے، تاکہ مختلف قسم کے مریض ومعذور حضرات نیز اہلِ علم حضرات کو نماز سے متعلق تفصیلی احکام اور حوالہ جات ملاحظہ کرنے کے لئے مراجعت کرنے میں سہولت رہے۔

اس لئے ''کرسی پر نماز کا شرعی حکم'' کے نام سے ایک رسالہ الگ سے تیار کر کے شائع کیا جا چکا ہے، جس میں کچھ اصلاحات اور جدید فتاویٰ بھی شامل کئے گئے ہیں۔

اور ''مریض ومعذور کی نماز کے احکام'' کے نام سے یہ کتاب الگ سے شائع کی جارہی ہے۔

اس موقع پر اہلِ علم حضرات کے لئے بطورِ خاص یہ بات ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ دینِ اسلام آخری مذہب ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت آخری شریعت ہے، جس کا زمانہ بھی پہلی امتوں کے مقابلہ میں وسیع ہے، اور دنیا کے تمام خطوں کے اعتبار سے بھی اس کا

دائرہ وسیع ہے۔

پہلے زمانوں میں جب لوگوں کی معاشرت اور تمدنی زندگی میں تغیر آ جاتا تھا، تو نئی شریعت یا نئے نبی کو مبعوث کیا جاتا تھا، اور ایک وقت میں بھی مختلف علاقوں کی ایک دوسرے سے مختلف تمدنی ومعاشرتی زندگی کا لحاظ کرکے الگ الگ نبیوں کو مبعوث فرمایا جاتا تھا۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا، اور آپ پر نازل کی ہوئی شریعت کو سب کے لئے عام فرمایا۔ [1]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شریعت اور نبوت کا خاتمہ ہوگیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عطاء کردہ شریعت کے احکام میں اس قدر لچک اور وسعت رکھ دی کہ اس کے احکام قیامت تک آنے والے ہر دور میں، خواہ وہ کتنا پرفتن اور انتہائی قربِ قیامت، یہاں تک کہ حضرت مہدی علیہ الرحمہ اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے ظہور اور دجال کے خروج کا دور کیوں نہ ہو، تمام تغیر پذیر حالات میں، سب متمدن خطوں کے لئے شریعتِ مطہرہ کے یہی احکام قابلِ عمل رہیں گے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو قانون زمانہ اور علاقہ کے اعتبار سے عام ہوتا ہے، اس میں زیادہ

---

[1] قل يا أيها الناس إني رسول الله إليكم جميعا (سورة الاعراف، رقم الآية ۱۵۸)
وما أرسلناک إلا كافة للناس بشيرا ونذيرا ولكن أكثر الناس لا يعلمون(سورة سبأ، رقم الآية ۲۸)
تبارک الذی نزل الفرقان على عبده ليكون للعالمين نذيرا (سورة الفرقان رقم الأية ۱)
عن جابر بن عبد الله، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :أعطيت خمسا لم يعطهن أحد قبلي :بعثت إلى الأحمر والأسود، وكان النبي إنما يبعث إلى قومه خاصة، وبعثت إلى الناس عامة،وأحلت لي الغنائم، ولم تحل لأحد قبلي، ونصرت بالرعب من مسيرة شهر، وجعلت لي الأرض طهورا ومسجدا، فأيما رجل أدركته الصلاة، فليصل حيث أدركته (مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۲۶۴)
قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح على شرط الشيخين(حاشية مسند احمد)
عن أبي هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال :والذي نفس محمد بيده، لا يسمع بي أحد من هذه الأمة يهودي، ولا نصراني، ثم يموت ولم يؤمن بالذي أرسلت به، إلا كان من أصحاب النار(مسلم، رقم الحديث ۱۵۳ "۲۴۰"باب وجوب إيمان أهل الكتاب برسالة الإسلام)

Idara Ghufran

وسعت و لچک رکھی جایا کرتی ہے۔

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت تو اختتام پذیر ہوگئی لیکن ایک طرف تو شریعت کے بہت سے فروعی احکام میں لچک رکھ دی گئی، اوران کو مجتہَد فیہ بنادیا گیا، اوردوسری طرف مختلف فقہائے کرام کی شکلوں میں مختلف زمانوں اور علاقوں کے اعتبار سے لچک کی ضرورت کا ان کے باہمی اختلاف کی صورت میں انتظام کردیا گیا، اوراسی کے ساتھ ہر صدی میں مجددین کے مبعوث فرمانے کا بھی انتظام کردیا گیا۔ [1]

لہٰذا شریعتِ مطہرہ کی اس وسعت و لچک کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی زمانہ یا علاقہ کے لوگوں کے لئے فقہائے کرام میں سے کسی ایک فقیہ کے مطابق فروعی مسئلہ پر عمل کرنے میں دشواری پیدا ہوجائے، تو دوسرے فقہائے کرام کے قول سے اس دشواری کا حل نکالا جائے، خاص طور پر جب کسی ایک مجتہد کے قول پر عمل پیرا ہونے کے نتیجہ میں دین کے کسی حکم کا ترک کرنا لازم آتا ہو، تو دوسرے فقہائے کرام کے قول کے مطابق اس حکم کو بجالانے کا راستہ بتایا جائے، اسی صورت میں اختلافِ فقہاء کو رحمت قرار دیا جاسکتا ہے، ورنہ تو اس اختلاف کو رحمت کے بجائے زحمت سے تعبیر کیا جائے گا۔

اور آج کل بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک یہ خیال کیا جاتا ہے کہ معاملات اور بالخصوص تجارتی امور میں مجتہَد فیہ مسائل کے اندر تو لوگوں کی ضرورت اور مجبوری کے وقت دوسرے فقہائے کرام کے قول پر فتوے وعمل کی گنجائش ہوتی ہے، لیکن عبادات کے سلسلہ میں اس طرح کی گنجائش نہیں ہوا کرتی۔

---

[1] عن أبى هريرة -فيما أعلم -عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال" :إن الله عز وجل يبعث لهذه الأمة على رأس كل مئة سنة من يجدد لها دينها "(سنن ابى داوٗد، رقم الحديث ۴۲۹۱)

قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح(حاشية ابى داوٗد)

المراد بمن يجدد ليس شخصا واحدا، بل المراد به جماعة يجدد كل أحد فى بلد فى فن أو فنون من العلوم الشرعية ما تيسر له من الأمور التقريرية أو التحريرية(مرقاة المفاتيح،ج ۱ ص ۳۲۲، كتاب العلم)

مگر اس سلسلہ میں بندہ کی رائے یہ ہے کہ عبادات کے سلسلہ میں بھی فروعی ومجتہَد فیہ مسائل میں ضرورت اور مجبوری کے وقت دوسرے فقہاء کے قول پر بدرجۂ اولیٰ گنجائش ہونی چاہئے، کیونکہ عبادات کا دائرہ، معاملات وتجارت سے بھی زیادہ وسیع ہے، بالخصوص ایسی عبادات کہ جن سے ہمہ وقت اور تجارت وغیرہ سے زیادہ ہر مسلمان کو سابقہ پڑتا ہو، مثلاً نماز اور اس کے لئے طہارت کے مسائل کہ ان سے ہر مسلمان کو دن ورات میں کم از کم پانچ مرتبہ سابقہ پیش آتا ہے، تجارت کرنے والوں کو بھی اور ملازمت کرنے والوں کو بھی اور زراعت کرنے والوں کو بھی اور مقیم حضرات کو بھی اور مسافروں کو بھی اور مریضوں کو بھی اور دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والوں کو بھی۔

کیونکہ نماز فرضِ عین ہے، برخلاف تجارت اور دیگر معاملات کے، اسی وجہ سے نماز ادا کرنے اور اس کے لئے طہارت حاصل کرنے والے شہر میں بھی ہوسکتے ہیں اور گاؤں اور جنگل میں بھی اور سفر میں بھی، اور حضر میں بھی اور گھروں میں اور بازاروں میں بھی، اور مسجدوں میں بھی اور ہسپتالوں میں بھی، اور اسلامی ملکوں میں بھی اور غیر مسلم ممالک میں بھی، پھر ایک علاقہ اور جگہ کی تمدنی زندگی دوسری جگہ اور دوسرے علاقہ سے مختلف ہوسکتی ہے، اور یہ بات ممکن ہے کہ ایک شخص یا ایک علاقہ کے لوگوں کو مخصوص ماحول یا ان کی مخصوص معاشرت وتمدنی زندگی ومزاج کے باعث فقہائے کرام میں سے کسی ایک کے قول پر عمل ممکن ہو اور اس کے مقابلہ میں دوسرے شخص اور دوسرے علاقہ کے لوگوں کی تمدنی زندگی اور ماحول ومزاج مختلف ہونے کے باعث اس پر عمل ناممکن یا مشکل ہو، تو عبادات اور نماز جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کی خاطر اگر دوسرے امام یا فقیہ کے قول پر عمل کرنے سے اس فریضہ سے سبکدوش ہوا جاسکتا ہو، تو اس کی گنجائش نہ دینا اور اس کی خاطر نماز جیسے فریضہ کی ادائیگی سے محروم کرادینا اور ہر حال میں ایک قول پر مُصِر اور ڈٹے رہنا اور اور مشکلات کا حل نہ نکالنا اعتدال پسندی پر مبنی نہیں ہے۔

اور اس کے برعکس گنجائش دینے سے امید ہے کہ بہت سے مریض ومعذور یا کم ہمت لوگ جو

Idara Ghufran

عبادت اور نماز ادا نہیں کرتے، وہ بھی اہتمام شروع کر دیں گے۔

مگر ایک عرصہ سے علمی دنیا میں مجتہَد فیہ فقہی مسائل کو فقہائے کرام کے وسیع تر اقوال کے تناظر میں ملاحظہ نہ کرنے سے آج بہت سے مجتہَد فیہ مسائل اجنبی ہو گئے ہیں، اور ان کو باطلین کا موقف یا نظریہ خیال کیا جانے لگا ہے۔

پس موجودہ زمانہ، جو کہ مختلف جہات سے انقلاب کا زمانہ ہے، اور اس زمانہ میں بڑی تیزی کے ساتھ لوگوں کی معاشرتی وتمدنی زندگی اور مزاج میں تبدیلی رونما ہو رہی ہے، اور شریعتِ مطہرہ کے پیروکار دنیا جہان میں بکھرے ہوئے اور پھیلے ہوئے ہیں، اور بہت بڑی تعداد میں غیر مسلم ممالک میں بھی ہیں، جہاں کا ماحول اسلامی ملکوں سے یکسر مختلف ہے، ان حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اہلِ علم حضرات فقہائے کرام کے وسیع تر اقوال کے تناظر میں فقہی مسائل کو ذکر فرمائیں اور مشکلات کا حل نکالیں، لیکن ہمارے یہاں تا حال معتد بہ حد تک ان کی طرف سے یہ کام سامنے نہیں آ سکا، جس کی وجہ سے بہت بڑا طبقہ بددل اور دین سے دور ہوا، اور اس کے برعکس غیر مستند بلکہ تجدد پسند لوگوں نے اس کام کی باگ ڈور سنبھال لی، جس کے متعدد نقصانات ظاہر ہوئے۔

اس لئے موجودہ دور کی نزاکتوں اور حالات کا احساس کرنا اور خاص طور پر نماز جو کہ ہر حالت میں فرض ہے، اس کی ادائیگی کے لئے گنجائش کی صورتیں نکالنا اہلِ علم حضرات کی علمی وتحقیقی ترجیحات میں شامل ہونا چاہئے۔ بندہ نے اس کتاب کو مذکورہ احساس سامنے رکھ کر ہی مرتب کیا ہے، اور اسی احساس کے ساتھ اس کو ملاحظہ کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ راہِ حق واعتدال پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرما کر امت کے لئے نافع بنائے۔ آمین۔

فقط۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان

۲۲/ ربیع الآخر/ ۱۴۳۶ھ 12/ فروری/ 2015ء، بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿مقدمہ﴾

نماز کی فرضیت اور نماز کی مختلف حالتیں

دن رات کی پانچ نمازوں کا اسلام میں کیا درجہ ہے؟ یہ بات کسی مسلمان سے مخفی نہیں۔
نماز، اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں داخل ہے۔
چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَھَادَۃِ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکَاۃِ والْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ (بخاری) ۱؎

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر رکھی گئی ہے، ایک تو اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا، تیسرے زکاۃ دینا، چوتھے حج کرنا، پانچویں رمضان کا روزہ رکھنا (بخاری)

ایمان کے بعد نماز، اسلام کا سب سے پہلا اور عظیم رکن، اور فرضِ عین عمل ہے، جس کا منکر کافر اور اس کا تارک سخت گناہ گار ہے، اور اسی وجہ سے نماز کو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر یا لیٹ کر، جس طرح بھی ہو، حسبِ قدرت ادا کرنے کا حکم ہے۔ ۲؎

۱؎ رقم الحديث ٨، كتاب الايمان، باب قول النبى صلى الله عليه وسلم: بنى الإسلام على خمس.

۲؎ الركن الثانى: إقام الصلاة.
الصلاة لغة بمعنى الدعاء، وقد أضاف الشرع إلى الدعاء ما شاء من أقوال وأفعال وسمى مجموع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلَاةِ (مسلم) [۱]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ بے شک آدمی کے اور شرک وکفر کے درمیان نماز کو چھوڑنا ہی حائل ہے (مسلم)

مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو کفر وشرک سے روکنے والی اہم چیز نماز ہے، اور جب وہ نماز نہیں پڑھتا تو اس کے اور کفر وشرک کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں رہتی، اور اس کے کفر وشرک میں مبتلا ہونے کے خطرات بہت بڑھ جاتے ہیں، کیونکہ نماز چھوڑ دینے سے انسان کا ایمان بہت ناقص اور کمزور ہو جاتا ہے۔ [۲]

اور اگر نعوذ باللہ کوئی شخص نماز چھوڑنے کو گناہ ہی نہ سمجھے، یا وہ نماز کی فرضیت ولزوم ہی کا منکر ہو، تو اس کے کافر ہونے میں شبہ نہیں، کیونکہ نماز کی فرضیت کا عقیدہ سے انکار کرنا کفر ہے۔ [۳]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذلك الصلاة، أو هي منقولة من الصلة التي تربط بين شيئين، فهي بذلك صلة بين العبد وربه، وفرضت ليلة الإسراء بمكة قبل الهجرة بسنة.

ووجوب الصلوات الخمس من المعلوم من الدين بالضرورة بالكتاب والسنة والإجماع.

فمن جحدها كلها أو بعضها فهو كافر مرتد .أما من أقر بوجوبها وامتنع من أدائها، فقيل :فاسق يقتل حدا إن تمادى على الامتناع، وقيل:من تركها متعمدا أو مفرطا فهو كافر يقتل كفرا (الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج۴ص ۲۶۹، مادة "اسلام")

[۱] رقم الحديث ۸۲، كتاب الايمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة.

[۲] ومعنى بينه وبين الشرك ترك الصلاة أن الذى يمنع من كفره كونه لم يترك الصلاة فإذا تركها لم يبق بينه وبين الشرك حائل بل دخل فيه ثم إن الشرك والكفر قد يطلقان بمعنى واحد وهو الكفر بالله تعالى وقد يفرق بينهما فيخص الشرك بعبدة الأوثان وغيرها من المخلوقات مع اعترافهم بالله تعالى ككفار قريش فيكون الكفر أعم من الشرك والله أعلم (شرح النووى على مسلم، ج۲ص ۷۰، كتاب الايمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة)

[۳] وأما تارك الصلاة فإن كان منكرا لوجوبها فهو كافر بإجماع المسلمين خارج من ملة الإسلام إلا أن يكون قريب عهد بالإسلام ولم يخالط المسلمين مدة يبلغه فيها وجوب الصلاة عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ آخِرُ كَلامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلصَّلَاةَ اَلصَّلَاةَ، اِتَّقُوْا اللّٰهَ فِيْمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (مسند احمد، رقم الحديث ۵۸۵) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام یہ تھا کہ نماز، نماز (کا اہتمام کرنا) اللہ سے ڈرنا، اپنے غلاموں کے بارے میں (مسند احمد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت میں بھی نماز کی بار بار وصیت کرنے سے نماز کی اہمیت معلوم ہوئی کہ ایک مسلمان کو کبھی نماز ترک نہیں کرنی چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ذَكَرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُوْرًا وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَّهُ نُوْرٌ وَّلَا بُرْهَانٌ وَلَا نَجَاةٌ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَأُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ (مسند احمد) [۲]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ جس نے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وإن كان تركه تكاسلا مع اعتقاده وجوبها كما هو حال كثير من الناس فقد اختلف العلماء فيه فذهب مالك والشافعي رحمهما الله والجماهير من السلف والخلف إلى أنه لا يكفر بل يفسق ويستتاب فإن تاب وإلا قتلناه حدا كالزاني المحصن ولكنه يقتل بالسيف .

وذهب جماعة من السلف إلى أنه يكفر وهو مروى عن على بن أبى طالب كرم الله وجهه وهو إحدى الروايتين عن أحمد بن حنبل رحمه الله وبه قال عبد الله بن المبارك وإسحاق بن راهويه وهو وجه لبعض أصحاب الشافعي رضوان الله عليه وذهب أبو حنيفة وجماعة من أهل الكوفة والمزنى صاحب الشافعي رحمهما الله أنه لا يكفر ولا يقتل بل يعزر ويحبس حتى يصلى (شرح النووى على مسلم، ج۲ ص ۷۰، كتاب الايمان، باب بيان إطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة)

[۱] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن (حاشية مسند احمد)

[۲] رقم الحديث ۶۵۷۶، صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۱۴۶۷ .
قال شعيب الارنوؤط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد و ابن حبان)

www.idaraghufran.org

نماز کی حفاظت کی، تو وہ اس کے لئے نور ہوگی، اور واضح دلیل ہوگی (جو اس کی طرف سے عذاب کا دفاع کرے گی) اور قیامت کے دن (عذاب سے) نجات کا ذریعہ ہوگی، اور جس نے نماز کی حفاظت نہ کی، تو اس کے لئے (قبر وحشر میں) نہ تو نور وروشنی ہوگی، اور نہ (اس کی طرف سے عذاب سے دفاع کی) واضح دلیل ہوگی اور نہ قیامت کے دن (عذاب سے) نجات کا ذریعہ ہوگی، اور ایسا شخص قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان، اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا (مسند احمد)

اس حدیث سے نماز کی اہمیت اور ضرورت کا پتہ چلا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَلَاتُهُ، فَإِنْ وُجِدَتْ تَامَّةً كُتِبَتْ تَامَّةً، وَإِنْ كَانَ انْتُقِصَ مِنْهَا شَيْءٌ. قَالَ: اُنْظُرُوا هَلْ تَجِدُوْنَ لَهُ مِنْ تَطَوُّعٍ يُكَمَّلُ لَهُ مَا ضَيَّعَ مِنْ فَرِيْضَةٍ مِنْ تَطَوُّعِهٖ، ثُمَّ سَائِرُ الْأَعْمَالِ تَجْرِيْ عَلٰى حَسَبِ ذٰلِكَ (نسائی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن (اعمال میں) سب سے پہلے بندہ کی نماز کا حساب کیا جائے گا، اگر نماز مکمل ہوئی تو اُس کو مکمل اجر دیا جائے گا، اور اگر اُس کی نماز میں کسی چیز کی کمی ہوئی، تو اللہ عزوجل (اپنے فرشتوں سے) فرمائے گا کہ تم اس کی تطوّع (یعنی سنت ونفل نمازوں) کو دیکھو، تاکہ اُس کی فرض نماز میں جو کمی رہ گئی، اُس کو تطوّع (یعنی سنت ونفل نماز) سے مکمل کیا جائے، پھر تمام اعمال کا اسی طرح حساب کیا جائے گا (کہ پہلے اُس کے فرض عمل کو دیکھا

---

[1] رقم الحديث ۴۶۶، كتاب الصلاة، باب المحاسبة على الصلاة، واللفظ لهٗ؛ ابوداؤد، رقم الحديث ۸۶۴.

قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح بطرقه وشواهده (حاشية سنن ابى ادود)

Idara Ghufran

جائے گا، پھر اُس میں کمی کوتاہی ہونے کی صورت میں اُس قسم کے نفلی درجے کے اعمال سے اُس کمی کوتاہی کو پورا کیا جائے گا) (نسائی؛ ابوداؤد)

اور سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلَاتُهُ، فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ، فَإِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَتِهِ شَيْءٌ، قَالَ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ: اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِيْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَيُكَمَّلَ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ، ثُمَّ يَكُوْنُ سَائِرُ عَمَلِهِ عَلٰى ذٰلِكَ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن بندہ کے اعمال میں سب سے پہلے اُس کی نماز کا حساب کیا جائے گا، اگر نماز درست ہوئی تو وہ کامیاب ہوگا، اور نجات پائے گا، اور اگر وہ خراب ہوئی، تو وہ ناکام ہوگا، اور نقصان اُٹھائے گا، پھر اگر اُس کی فرض نماز میں کوئی کوتاہی ہوئی، تو رب عزوجل فرمائے گا کہ تم یہ دیکھو کہ میرے بندہ کی کوئی تطوّع (یعنی سنت ونفل نماز) بھی ہے، تاکہ اُس کے ذریعے سے اُس کے فرض کی کوتاہی کو پورا کیا جائے، پھر تمام اعمال کا اسی طرح سے حساب کیا جائے گا (ترمذی)

حضرت یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ کی سند سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحدیث ۴۱۳، ابواب الصلاة، باب ما جاء أن أول ما يحاسب به العبد يوم القيامة الصلاة.
قال الترمذی: وفی الباب عن تميم الداری، :حديث أبی هريرة حديث حسن غريب من هذا الوجه وقد روی هذا الحديث من غير هذا الوجه، عن أبی هريرة، وقد روی بعض أصحاب الحسن، عن الحسن، عن قبيصة بن حريث، غير هذا الحديث والمشهور هو قبيصة بن حريث، وروی عن أنس بن حكيم، عن أبی هريرة، عن النبی صلی الله عليه وسلم نحو هذا.

Idara Ghufran

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ صَلَاتُهُ، فَإِنْ كَانَ أَتَمَّهَا كُتِبَتْ لَهُ تَامَّةً، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَتَمَّهَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : اُنْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ لِعَبْدِيْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَتُكْمِلُوْا بِهَا فَرِيْضَتَهُ ؟ ثُمَّ الزَّكَاةُ كَذٰلِكَ، ثُمَّ تُؤْخَذُ الْأَعْمَالُ عَلٰى حَسْبِ ذٰلِكَ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت کے دن) سب سے پہلے بندہ کی نماز کا حساب کیا جائے گا، پھر اگر اُس کی نماز مکمل ہوئی تو اُس کو پورا پورا اجر وثواب عطا کیا جائے گا، اور اگر اُس کی نماز مکمل نہ ہوئی، تو اللہ عزوجل فرمائے گا کہ تم میرے بندہ کی تطوُّع (یعنی سنت ونفل نماز) کو دیکھو کہ کیا وہ موجود ہے، یا نہیں، تاکہ تم اُس کے فرض کی (کمی کو سنت ونفل نماز سے) پورا کرو، پھر زکاۃ کا اسی طریقہ سے حساب کیا جائے گا (کہ پہلے زکاۃ کے فریضہ کو دیکھا جائے گا، اور اس میں کمی کوتاہی ہونے کی صورت میں نفلی صدقات سے اُس کی تلافی کی جائے گی) پھر دوسرے اعمال (مثلاً روزہ وغیرہ) کا اسی طرح حساب کیا جائے گا (کہ مثلاً فرض روزوں میں کمی کوتاہی ہونے کی صورت میں اُس کے سنت ونفل روزوں سے اُس کی تلافی کی جائے گی) (مسند احمد)

ان احادیث سے نماز کی اہمیت معلوم ہوئی کہ قیامت کے دن اس کا سب سے پہلے حساب ہوگا، اور ساتھ ہی سنت ونفل نمازوں کی اہمیت بھی معلوم ہوئی کہ قیامت کے دن فرض نمازوں میں کوئی کمی وکوتاہی پائے جانے کی صورت میں سنت ونفل نمازیں اس کمی وکوتاہی کی تلافی کا ذریعہ بنیں گی۔

---

[1] رقم الحدیث، ۱۶۶۱۴، حدیث رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ورقم الحدیث ۲۰۶۹۲.

قال شعیب الارنؤوط: إسنادہ صحیح، رجالہ ثقات رجال الصحیح (حاشیۃ مسند احمد)

Idara Ghufran

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُوْلُ: مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ: رُكُوْعِهِنَّ، وَسُجُوْدِهِنَّ، وَوُضُوْئِهِنَّ، وَمَوَاقِيْتِهِنَّ، وَعَلِمَ أَنَّهُنَّ حَقٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ، دَخَلَ الْجَنَّةَ، أَوْ قَالَ: وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۸۳۴۵) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ جس نے پانچ نمازوں کی حفاظت کی، ان کے رکوع کی بھی، اوران کے سجدوں کی بھی، اوران کی وضو کی بھی، اوران کے اوقات کی بھی (یعنی ان تمام چیزوں کی رعایت کے ساتھ پانچ نمازوں کا اہتمام کیا) اوراس بات کا یقین بھی رکھا کہ یہ نمازیں اللہ کی طرف سے حق اور فرض ہیں، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، یا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) یہ فرمایا کہ اس کے لئے جنت واجب ہوجائے گی (مسند احمد)

اورایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، عَلٰى وُضُوْئِهَا، وَمَوَاقِيْتِهَا، وَرُكُوْعِهَا، وَسُجُوْدِهَا، يَرَاهَا حَقًّا لِلّٰهِ عَلَيْهِ، حُرِّمَ عَلَى النَّارِ (مسند احمد، رقم الحدیث ۱۸۳۴۶) [2]

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پانچ نمازوں کی حفاظت کی ان کے وضو کی بھی، اوران کے اوقات کی بھی اوران کے رکوع کی بھی اوران کے سجدوں کی بھی، (یعنی ان تمام چیزوں کی رعایت کے ساتھ پانچ نمازوں کا اہتمام کیا) اوراُن کو اپنے اوپر اللہ کا حق سمجھا، تو اُس کو جہنم پر حرام کردیا جائے گا (مسند احمد)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح بشواهده (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: صحيح، وهذا إسناد ضعيف لانقطاعه كسابقه (حاشية مسند احمد)

Idara Ghufran

اس حدیث میں فضیلت بیان کرتے ہوئے پانچ نمازوں کے اوقات، وضو اور رکوع وسجدہ وغیرہ کی رعایت وحفاظت کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے نماز کی اہمیت کے ساتھ وضو اور نماز کے اوقات کی رعایت اور نماز کے ارکان کی بھی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

نماز کی فرضیت واہمیت کا اندازہ، اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب تک کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو، تو کھڑے ہو کر پڑھنے کا حکم ہے، اور جب کھڑے ہو کر پڑھنے کی قدرت نہ ہو، تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھے بیٹھے رکوع کرے، پیشانی اور ناک وغیرہ زمین پر ٹِکا کر دونوں سجدے کرے، اگر رکوع وسجدہ کرنے کی بھی قدرت نہ ہو تو رکوع وسجدہ اشارہ سے کرے اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی بھی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے، اور سجدہ ورکوع اور قیام وغیرہ جس کی بھی قدرت نہ ہو، وہ اشارہ سے ادا کرے۔

پھر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ نماز مختلف اذکار وہیئات اور کیفیات کے مجموعہ سے مرکب ہے، جن میں بعض چیزیں فرض، بعض واجب، بعض سنت اور بعض مستحب ہیں۔

اور اس کے بعد نماز کی ہیئتوں (یعنی نشست وبرخاست کی حالتوں) پر غور کیا جائے، تو ان میں چار واضح ہیئتیں یا حالتیں ایسی ہیں، جو نماز کے ارکان وفرائض بھی کہلاتی ہیں۔

اِن میں سے ایک ہیئت یا حالت قیام کی ہے، جو کہ فرض نمازوں میں فرض ہے۔

دوسری ہیئت یا حالت رکوع کی ہے کہ ہر رکعت میں ایک رکوع فرض ہے۔

تیسری ہیئت یا حالت سجدہ کی ہے کہ ہر رکعت میں دو سجدے فرض ہیں۔

اور چوتھی ہیئت یا حالت قعدہ کی ہے کہ قعدۂ اخیرہ فرض ہے۔

اور یہ چاروں ہیئتیں یا حالتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ [1]

---

[1] القيام اسم لمعنيين متفقين فى محلين مختلفين، وهما الانتصابان فى النصف الأعلى والنصف الأسفل، فلو تبدل الانتصاب فى النصف الأعلى بما يضاده وهو الانحناء سمى ركوعا لوجود الانحناء ؛ لأنه فى اللغة عبارة عن الانحناء من غير اعتبار النصف الأسفل؛ لأن ذلك وقع وفاقا، فأما هو فى اللغة فاسم لشىء واحد فحسب وهو الانحناء ، ولو تبدل الانتصاب فى النصف الأسفل بما

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اوران سب ہیئتوں وحالتوں کی ادائیگی سے دل میں ایک تاثیر پیدا ہوتی ہے، جوان ہیئات اورحالتوں کوصحیح طریقہ پرادا کرنے کی صورت میں ہی حاصل ہوتی ہے۔ [1]

دوسری طرف مریض اور معذور حضرات کواللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے احکام میں بڑی سہولتیں عطا فرمائی ہیں، لیکن کس مرض یاعذر کی بنیاد پر شریعت کے کون سے حکم میں کس حد تک کیا رخصت وسہولت حاصل ہوتی ہے؟ ان مسائل کو محدثین وفقہائے کرام رحمہم اللہ نے کتاب وسنت کی روشنی میں منضبط وجمع فرما دیا ہے، لہٰذا ذرا سی کوئی تکلیف ومشقت محسوس ہونے پر خود ہی اپنے آپ کو مریض ومعذور خیال کرلینا درست نہیں، بلکہ یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اس عذر کو شریعت معتبر بھی مانتی ہے یا نہیں، اور اگر یہ عذر شرعاً معتبر ہے تو اس کی بنیاد پر شرعی اُصولوں کے مطابق کیا رخصت وسہولت حاصل ہوتی ہے؟ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ یضاده وهو انضمام الرجلين وإلصاق الألية بالأرض يسمى قعودا، فكان القعود اسما لمعنيين مختلفين في محلين مختلفين، وهما الانتصاب في النصف الأعلى والانضمام والاستقرار على الأرض في النصف الأسفل، فكان القعود مضادا للقيام في أحد معنييه، وكذا الركوع، والركوع مع القعود يضاد كل واحد منهما للآخر بمعنى واحد وهو صفة النصف الأعلى، واسم المعنيين يفوت بالكلية بوجود مضاد أحد معنييه كالبلوغ واليتم، فيفوت القيام بوجود القعود أو الركوع بالكلية، ولهذا لو قال قائل :ما قمت بل قعدت، وما أدركت القيام بل أدركت الركوع - لم يعد مناقضا في كلامه.

وأما الحكم فلأن ما صار القيام لأجله طاعة يفوت عند الجلوس بالكلية؛ لأن القيام إنما صار طاعة لانتصاب نصفه الأعلى، بل لانتصاب رجليه، لما يلحق رجليه من المشقة، وهو بالكلية يفوت عند الجلوس، فثبت حقيقة وحكما أن القيام يفوت عند الجلوس فصار الجلوس بدلا عنه، والبدل عند العجز عن الأصل أو تعذر تحصيله يقوم مقام الأصل (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۴۲، ۱۴۳، كتاب الصلاة، فصل شرائط اركان الصلاة)

[1] الأعمال بالجوارح ليست مرادة إلا لتأثيرها في القلب ليميل إلى الخير وينفر عن الشر فليس المقصود من وضع الجبهة على الأرض وضع الجبهة، بل خضوع القلب؛ لأن القلب يتأثر بأعمال الجوارح (المدخل لابن الحاج، ج ۱ ص ۱۲، فصل في التحريض على الافعال كلها ان تكون بنية حاضرة)

[2] حيث تكون المشقة الواقعة بالمكلف في التكليف خارجة عن معتاد المشقات في الأعمال العادية، حتى يحصل بها فساد ديني أو دنيوي، فمقصود الشارع فيها الرفع على الجملة وعلى ذلك دلت الأدلة المتقدمة، ولذلك شرعت فيها الرخص مطلقا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تاہم جہاں شرعی اصولوں کے مطابق مریض ومعذور کو سہولت ورخصت کی گنجائش ہو، وہاں گنجائش نہ دینا بھی بے جا سختی وتشدد میں داخل ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِهٖ فِيْ بَعْضِ أَمْرِهٖ، قَالَ: بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا، وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ میں سے کسی کو اپنے کسی کام کے لئے بھیجتے تھے، تو یہ فرماتے تھے کہ تم (اپنے آپ اور دوسروں کو) خوشخبری سناؤ، اور تنفر نہ کرو، اور یُسر وسہولت پیدا کرو، اور عُسر وتنگی پیدا نہ کرو (مسلم)

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ هَدْيًا قَاصِدًا، فَإِنَّهٗ مَنْ يُشَادَّ هٰذَا الدِّيْنَ يَغْلِبْهُ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۰۵۳) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے اوپر سیدھے (اور غیر مشقت والے) راستے اور میانہ روی (واعتدال) کو اختیار کرو، کیونکہ جو شخص دین کے معاملے میں سختی (وغلو) کرتا ہے، اس پر دین غلبہ حاصل کرلیتا ہے (اور وہ خود دین سے مغلوب ہوجاتا ہے) (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وأما إذا لم تكن خارجة عن المعتاد، وإنما وقعت على نحو ما تقع المشقة فى مثلها من الأعمال العادية، فالشارع وإن لم يقصد وقوعها، فليس بقاصد لرفعها أيضا (الموافقات لابى اسحاق الشاطبى، ص ۲۶۸، ۲۶۹، النوع الثالث :فى بيان قصد الشارع فى وضع الشريعة للتكليف بمقتضاها، المسئلة الحادية عشرة: المشقة العادية)

[1] رقم الحديث ۱۷۳۲ "۶" كتاب الجهاد والسير، باب فى الأمر بالتيسير، وترك التنفير.

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

www.idaraghufran.org

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ: لَتَعْلَمُ يَهُوْدُ أَنَّ فِيْ دِيْنِنَا فُسْحَةً، إِنِّيْ أُرْسِلْتُ بِحَنِيْفِيَّةٍ سَمْحَةٍ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۸۵۵) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ یہودیوں کو جان لینا چاہیے کہ ہمارے دین میں بڑی گنجائش ہے، مجھے درست اور سہل (دین) کے ساتھ بھیجا گیا ہے (مسند احمد)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْأَدْيَانِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ؟ قَالَ: اَلْحَنِيْفِيَّةُ السَّمْحَةُ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۰۷) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ تمام دینوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب دین کون سا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درست (وسیدھا) اور سہل (مسند احمد)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتٰى رُخَصُهٗ، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتٰى مَعْصِيَتُهٗ (مسند أحمد، رقم الحديث ۵۸۶۶) [۳]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی عطا کی ہوئی رخصتوں پر عمل کیا جائے، جیسا کہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ گناہ کا ارتکاب کیا جائے (مسند احمد)

---

[۱] قال شعيب الارنؤوط: حديث قوى، وهذا سند حسن (حاشية مسند احمد)

[۲] فى حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

[۳] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

Idara Ghufran

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ أَنْ تُؤْتٰی رُخَصُہٗ کَمَا یُحِبُّ أَنْ تُؤْتٰی عَزَائِمُہٗ (صحیح ابن حبان) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصتوں (آسانیوں، گنجائشوں) پر عمل کیا جائے، جیسا کہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی عزیمتوں پر عمل کیا جائے (ابنِ حبان)

اس طرح کی حدیث حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [2]

رخصت کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کی طرف سے جو سہولت دی گئی ہے، اس پر عمل کیا جائے، جیسا کہ مریض ومعذور کا با جماعت نماز کو ترک کر دینا۔

اور عزیمت کا مطلب یہ ہے کہ سہولت کے مقابلہ میں شریعت کے بتلائے ہوئے اعلیٰ درجہ پر عمل کرنا اور سہولت کو ترک کر دینا، جیسا کہ مریض ومعذور کا مشقت برداشت کر کے با جماعت نماز ادا کرنا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

مَا خُیِّرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ أَمْرَیْنِ إِلَّا أَخَذَ أَیْسَرَھُمَا، مَا لَمْ یَکُنْ إِثْمًا، فَإِنْ کَانَ إِثْمًا کَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ

(بخاری، رقم الحدیث ۳۵۶۰، کتاب المناقب، باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا، تو آپ نے ان میں سے سہل وآسان ترین چیز کو اختیار فرمایا، جب تک کہ وہ

---

[1] رقم الحدیث ۳۵۶۸، کتاب الصوم، باب صوم مسافر.
قال شعیب الارنؤوط: إسناده قوی (حاشیة ابنِ حبان)

[2] عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "إن اللہ یحب أن تؤتی رخصه کما یحب أن تؤتی عزائمه" (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۳۵۴)
قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح (حاشیة ابنِ حبان)

Idara Ghufran

گناہ والی چیز نہ ہو، پس اگر وہ گناہ والی چیز ہوتی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے لوگوں میں سب سے زیادہ دوری اختیار کرنے والے تھے (بخاری)

اس طرح کی اور بھی کئی احادیث آئی ہیں، لہٰذا جب کوئی عذر و مرض ہو، اور شریعت کی طرف سے سہولت حاصل ہو، تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

اسی طرح اگر فقہاء میں سے ایک قول کے مطابق شرعی حکم کا ترک کرنا لازم آتا ہو، اور دوسرے قول کے مطابق شرعی حکم پورا ہوجاتا ہو، تب بھی شریعت کے حکم کو ترک کرنے کے بجائے دوسرے قول کے مطابق شریعت کے حکم پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ [1]

---

[1] فقہائے کرام نے عوام کی سستی کی وجہ سے ترکِ عمل لازم آنے پر بھی دوسرے فقہاء کے قول پر عمل بجالانے کو اولیٰ قرار دیا ہے، پھر جس عمل کا ترک سستی کے بجائے مجبوری وعذر کی وجہ سے لازم آئے گا، اس کے بجالانے کا حکم کیونکر نہ ہوگا، اور سستی کی علت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کچھ لوگوں کے ایمان کی حالت اور دین میں سستی ولاپرواہی کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہو، تب بھی مجتہد فیہ مسائل میں ان کو گنجائش دے کر دوسرے فقہاء کے قول کے مطابق عمل پیرا ہونے کی تلقین کرنا مناسب ہے، جیسا کہ آج کل اکثر عوام کی حالت ہے۔

واستشهد له بما فی التجنیس عن الحلوانی أن کسالی العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لا یمنعون لأنهم إذا منعوا ترکوها أصلا، وأداؤها مع تجویز أهل الحدیث لها أولی من ترکها أصلا(رد المحتار، ج۲،ص ۱۷۱،باب العیدین)

وفی القنیة کسالی العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لا ینکر علیهم؛ لأنهم لو منعوا یترکونها أصلا ظاهرا ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحدیث والأداء الجائز عند البعض أولی من الترک أصلا(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۱،ص ۲۶۴، کتاب الجنائز)

وهذا کله إنما هو بحسب حال الإنسان، وأما العوام فلا یمنعون من تکبیر قبلها قال أبو جعفر لا ینبغی أن یمنع العامة من ذلک لقلة رغبتهم فی الخیرات اهـ.

وکذا فی التنفل قبلها قال فی التجنیس سئل شمس الأئمة الحلوانی أن کسالی العوام یصلون الفجر عند طلوع الشمس أفنزجرهم عن ذلک قال لا؛ لأنهم إذا منعوا عن ذلک ترکوها أصلا وأداؤها مع تجویز أهل الحدیث لها أولی من ترکها أصلا اهـ.(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۲،ص ۱۷۳،باب العیدین)

ولا ننهی کسالی العوام عن صلاة الفجر وقت الطلوع لأنهم قد یترکونها بالمرة والصحة علی قول مجتهد أولی من الترک (مراقی الفلاح شرح متن نور الإیضاح، ج۱،ص ۷۶، کتاب الصلاة)

اور ایسی صورت میں شریعت کے حکم کو بالکلیہ ترک کر دینا مناسب طریقہ نہیں۔ [1]

لہٰذا مذکورہ حالات میں شریعت کے حکم کو ترک نہیں کرنا چاہئے اور اگر رخصت کے مطابق عمل کر کے اس عمل کو بجالایا جاسکتا ہو، تو رخصت پر عمل پیرا ہو کر ہی اس عمل کو ادا کرنا چاہئے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

---

[1] ومما ينشأ من الجهل والتعصب تفويت فرض من فروض الله تعالى مع إمكان اقامته على رأى مجتهد جليل بل رأى جمع من المجتهدين وذلك أن جهلة المتعصبين يمتنعون ويمنعون من جمع الصلاتين فى السفر الذى ذهب إلى جوازه الإمام الشافعى وغيره من صدر الإسلام رحمة الله عليهم ويؤدى ذلك إلى تفويت الفرض رأسا وذلك إنهم لما يعزمون على السير عند الزوال مثلا فيصلون الظهر لأول وقتها ويمتنعون من جمع العصر اليها فيركبون ويسيرون بناء على إنهم قد لا يتهيأ لهم النزول إلا مع المغرب أو الغروب بحيث لا يتسع الوقت إلى الطهارة والصلاة وخصوصا فى حق من تتعسر الطهارة عليه فتفوتهم الفرصة وقد كانوا يمكنهم أداؤها فى المنزل فى المكان الذى كانوا به مجموعة جمع تقديم إلى الظهر على مذهب الإمام الشافعى رحمة الله عليه وعلى مذهب غيره ممن جوز الجمع لأجل السفر فيمتنعون عن ذلك ويرضون بتفويتها ولا يرضون بفعلها على مذهب مجتهد يجوز لهم أو يجب عليهم اتباعه والحال ما قرر لأن تحصيل الفرض من وجه مقدم على تفويته من كل وجه وما هذا إلا محض التعصب والجهل وقد ذكر الإمام الأجل ظهير الدين الكبير المرغينانى عن أستاذه السيد الإمام أبى شجاع رحمه الله تعالى انه سئل شمس الأئمة الحلوانى عن كسالى بخارى أنهم يصلون الفجر والشمس طالعة فهل نمنعهم من ذلك فقال لا يمنعون لأنهم لوا منعوا يتركونها أصلا ظاهرا أى مما يظهر من حالهم ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث ولا شك أن الاداء الجائز عند البعض أولى من الترك أصلا هذا جواب الحلوانى وناهيك به إذ هو شيخ المذهب فى عصره تخرج به الفحول النظار من أئمتنا كشمس الأئمة السرخسى وفخر الإسلام البزودى صاحب المبسوطين وأضرابهم من رؤساء المذهب الذين هم قدماء الدهر وعظماء ما وراء النهر(القول السديد فى بعض مسائل الاجتهاد والتقليد،لمحمد بن عبد العظيم المكى الرومى المورى الحنفى،ص ۱۳۱ الى ۱۳۶، الفصل الاول)

www.idaraghufran.org

﴿باب نمبر۱﴾

مرض وعذر کی بنا پر نماز میں تخفیف وسہولت کا اصول

مرض وعذر کی وجہ سے نماز کے صرف ان ہی ارکان وشرائط اور واجبات کا چھوڑنا درست ہے جن کے چھوڑنے کی مریض ومعذور کو شرعی اُصولوں کے مطابق اجازت ہے، اور شرعی اصولوں کے مطابق جن ارکان وشرائط اور واجبات کے چھوڑنے کی اجازت نہیں، ان کی ادائیگی ضروری ہے، اور مرض وعذر کی وجہ سے جن ارکان واحکام میں جس حد تک شرعی اُصولوں کے مطابق تخفیف وگنجائش کی اجازت ہے، فقط اسی حد تک ان میں تخفیف وگنجائش کو اختیار کرنا جائز ہے، ایک رکن کی ادائیگی سے معذوری کی بناء پر بلاوجہ دوسرا رکن ترک کر دینا درست نہیں۔ [1]

---

[1] صلاة المريض:التعريف :المريض لغة :من المرض، والمرض -بفتح الراء وسكونها -فساد المزاج .
والمرض اصطلاحا :ما يعرض للبدن، فيخرجه عن الاعتدال الخاص ، والمريض من اتصف بذلک.
الألفاظ ذات الصلة :صلاة أهل الأعذار :أهل الأعذار :هم الخائف، والعريان، والغريق، والسجين، والمسافر، والمريض وغيرهم، وبعض هذه الألفاظ أفردت له أحكام خاصة، وبعضها تدخل أحكامه فی صلاة المريض(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷،ص ۲۵۹،مادة ”صلاة المريض“)
مفارقة المريض للصحيح فيما هو عاجز عنه فأما فيما يقدر عليه فهو كالصحيح (الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص ۱۳۷ ،کتاب الصلاة، الباب الرابع عشر فی صلاة المريض)
هذا إذا كان قادرا على ذلک، فأما إذا كان عاجزا عنه :فإن كان عجزه عنه بسبب المرض بأن كان مريضا لا يقدر على القيام والركوع والسجود -يسقط عنه؛ لأن العاجز عن الفعل لا يكلف به، وكذا إذا خاف زيادة العلة من ذلک؛ لأنه يتضرر به وفيه أيضا حرج، فإذا عجز عن القيام يصلی قاعدا بركوع وسجود، فإن عجز عن الركوع والسجود يصلی قاعدا بالإيماء ، ويجعل السجود أخفض من الركوع، فإن عجز عن القعود يستلقی ويومء إيماء ؛ لأن السقوط لمكان العذر فيتقدر بقدر العذر(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۰۵ و ۱۰۶ ،کتاب الصلاة،فصل فی اركان الصلاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

چنانچہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَتْ بِىْ بَوَاسِيْرُ، فَسَأَلْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ، فَقَالَ :صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ (بخاری) [1]

ترجمہ: مجھے بواسیر کی بیماری تھی، تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے بارے میں سوال کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھئے، اگر آپ کو اس کی طاقت نہ ہو، تو بیٹھ کر نماز پڑھئے، اور اگر آپ کو اس کی بھی طاقت نہ ہو، تو کروٹ کے بَل لیٹ کر نماز پڑھئے (بخاری)

فقہائے کرام نے اس طرح کی احادیث کو مرض اور عذر کے سلسلہ میں اصولی حیثیت دی ہے، اور ان سے حسبِ قدرت کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور لیٹ کر نماز پڑھنے کے کئی مسائل اخذ کئے ہیں۔

جن کا آگے تفصیلاً ذکر کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حق بات کو ظاہر کرنے، اس کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تعذر عليه اى على المريض القيام فى الفرائض او لم يتعذرولكنه خاف زيادة المرض او ابطاء البرء او دوران الرأس اوكان يجد الما شديدا للقيام صلى حال كونه قاعدا يركع ويسجد(شرح العينى على الكنزج ا ص ۸۹، باب فى بيان احكام صلاة المريض)

الاصل فى هذا الباب ان المريض اذا قدر على الصلاة قائما بركوع وسجود فانه يصلى المكتوبة قائمابركوع وسجود فلايجزيه غير ذلك وان عجز عن القيام وقدر على القعود فانه يصلى المكتوبة قاعدابركوع وسجودولايجزيه غيرذلك فان عجز عن الركوع والسجود وقدر على القعود فانه يصلى قاعدا بايماء(الفتاوىٰ التتارخانيه ج۲ص ۱۲۰، الفصل الحادى والثلاثون فى صلاة المريض)

[1] رقم الحديث ۱۱۱۷، كتاب الصلاة،باب إذا لم يطق قاعدا صلى على جنب.

Idara Ghufran

﴿فصل نمبر ۱﴾

قیام کی فرضیت اور اس سے معذوری کے احکام

قیام یعنی نماز میں کھڑے ہونا نماز کا ایک مستقل فریضہ ہے، جو کہ فرض نمازوں میں فرض ہے، اور بلا عذر اس کا ترک کرنا جائز نہیں۔

البتہ سنت ونفل نمازوں میں قیام کرنا فرض نہیں، بلکہ ان کو بلا عذر بیٹھ کر اور با قاعدہ سجدہ کر کے پڑھنا بھی جائز ہے، اور چلتی سواری پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے اشارہ کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے، اگرچہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل اور زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ. فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا (سورة البقرة، رقم الآيات ۲۳۸، ۲۳۹)

ترجمہ: حفاظت کرو سب نمازوں کی، اور درمیان والی نماز کی اور (نماز میں) کھڑے ہوا کرو، اللہ کے سامنے عاجز بن کر، پھر اگر تم کو (کسی امر کا) خوف واندیشہ ہو، تو کھڑے کھڑے یا سواری پر پڑھ لیا کرو (سورہ بقرہ)

اس آیت سے نماز میں کھڑے ہونے کی فرضیت معلوم ہوئی کہ جب تک کوئی عذر نہ ہو، نماز میں کھڑے ہونا فرض ہے، البتہ نفل وسنت نمازوں میں قیام ضروری نہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [1]

---

[1] والأصل فى هذا الباب أن القيام فى الصلاة لما وجب فرضا بقوله وقوموا لله قانتين وقوله قم الليل إلا قليلا وقعت الرخصة فى النافلة أن يصليها الإنسان جالسا من غير عذر لكثرتها واتصال بعضها ببعض وأما الفريضة فلا رخصة فى ترك القيام فيها وإنما يسقط ذلك بعدم الاستطاعة عليه وقد أجمعوا على أن القيام فى الصلاة فرض على الايجاب لا على التخير وأن النافلة فاعلها مخير فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سورہ فرقان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا. وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا (سورۃ الفرقان آیت ۶۳، ۶۴)

ترجمہ: اور رحمٰن کے (مخصوص ومقبول) بندے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر انکساری سے اور اگر ان سے مخاطب ہوں جاہل، تو کہتے ہیں، سلام، (اور پھر ان سے کنارہ کش ہوجاتے ہیں) اور جو رات گزارتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ کرکے اور قیام کرکے (سورہ فرقان)

اور سورہ شعراء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ. اَلَّذِىْ يَرٰاكَ حِيْنَ تَقُوْمُ. وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيْنَ (سورۃ الشعراء، رقم الآیات ۲۱۷ الیٰ ۲۱۹)

ترجمہ: اور توکل کیجئے اس (اللہ کی ذات) پر جو کہ عزیز ہے، رحیم ہے، جو دیکھتا ہے آپ کو جب آپ کھڑے ہوتے ہیں، اور آپ کی نقل وحرکت کو سجدہ کرنے والوں میں (سورہ شعراء)

اور سورہ زمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

القيام فيها فكفى بهذا بيانا شافيا وبالله التوفيق (التمهيد لابن عبدالبر، ج ا ص ۱۳۲، ۱۳۳، باب الالف فى اسماء شيوخ مالک)

وفرض القيام فى الصلاة المكتوبة ثابت من وجهين أحدهما إجماع الأمة كافة عن كافة فى المصلى فريضة وحده أو كان إماما أنه لا تجزيه صلاته إذا قدر على القيام فيها وصلى قاعدا وفى إجماعهم على ذلك دليل واضح على أن حديث عبد الله بن عمرو بن العاص المذكور فى هذا الباب معناه النافلة على ما وصفنا والوجه الثانى قوله عز وجل وقوموا لله قانتين أى قائمين ففى هذه الآية فرض القيام أيضا عند أهل العلم لقوله عز وجل وقوموا ولقوله قانتين يريد قوموا قائمين لله يعنى فى الصلاة (التمهيد لابن عبدالبر، ج ا ص ۱۳۶، باب الالف فى اسماء شيوخ مالک)

Idara Ghufran

اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيۡلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَيَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ (سورة الزمر، رقم الآية ۹)

ترجمہ: بھلا جو رات کے اوقات میں سجدہ اور قیام کی حالت میں عبادت کرتا ہو آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہو، کہہ دو کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ سمجھتے وہی ہیں جو عقل والے ہیں (سورہ زمر)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ نماز میں قیام کرنا اور سجدہ کرنا مستقل اور اہم عبادت ہے، اسی لئے قیام کرنے کو الگ اور سجدہ کرنے کو الگ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا (بخاری) [1]

ترجمہ: کھڑے ہو کر نماز پڑھئے، اور اگر آپ کو اس کی طاقت نہ ہو، تو بیٹھ کر نماز پڑھئے (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت ہو، تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے، جس سے فرض نماز میں قیام کی فرضیت اور قیام سے معذور ہونے کی صورت میں ہی بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت معلوم ہوئی۔ [2]

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

اَلنَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تُوُفِّیَ حَتّٰى كَانَتْ أَكْثَرُ صَلَاتِهٖ قَاعِدًا إِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۶۵۹۹) [3]

---

[1] رقم الحديث ۱۱۱۷، كتاب الصلاة، باب إذا لم يطق قاعدا صلى على جنب.

[2] اس حدیث میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت کو کھڑے ہو کر طاقت نہ ہونے پر معلق کیا گیا ہے، نہ کہ سجدہ کی قدرت نہ ہونے پر، جس سے معلوم ہوا کہ قیام کا فریضہ اس وقت ہی معاف ہوتا ہے، جبکہ قیام کی استطاعت نہ ہو، جمہور فقہائے کرام اور متعدد حنفیہ کا یہی قول ہے، اور دلائل کے اعتبار سے یہی راجح ہے۔ محمد رضوان۔

[3] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی، یہاں تک کہ آپ کی اکثر نماز بیٹھ کر ہونے لگی، سوائے فرض نماز کے (یعنی وہ کھڑے ہوکر پڑھتے تھے) (مسند احمد)

فرض نمازوں کے علاوہ سے مراد نفل وسنت نمازیں ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

كَانَ أَكْثَرُ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا إِلَّا الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۶۱۳۱) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرض نمازوں کے علاوہ اکثر نمازیں بیٹھ کر ہوا کرتی تھیں (مسند احمد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فَرَأَى أُنَاسًا يُصَلُّونَ قُعُودًا، فَقَالَ: صَلَاةُ الْقَاعِدِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ صَلَاةِ الْقَائِمِ (ابنِ ماجه) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے گھر سے) باہر تشریف لائے، تو آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ بیٹھ کر (سنت ونفل) نماز پڑھ رہے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹھنے والے کی نماز کھڑے ہوکر نماز پڑھنے والے کے مقابلہ میں آدھا ثواب رکھتی ہے (ابنِ ماجہ، مسند احمد)

ان احادیث سے فرض نمازوں میں قیام کرنے کی اہمیت معلوم ہوئی، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فرض نمازوں کے علاوہ سنت ونفل نمازوں میں قیام ضروری نہیں، لیکن قیام کے ساتھ یعنی

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية مسند احمد)

[2] رقم الحديث ۱۲۳۰، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم، واللفظ لهٗ، مسند احمد، رقم الحديث ۱۲۳۹۵.
قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح (حاشية سنن ابنِ ماجه وحاشية مسند احمد)

www.idaraghufran.org

کھڑے ہو کر پڑھنے کی فضیلت زیادہ ہے، جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں قیام کرنا ایک مستقل عبادت ہے، جس کا الگ اجر وثواب ہے۔

حضرت علقمہ بن وقاص سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ لِعَائِشَةَ: كَيْفَ كَانَ يَصْنَعُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ، وَهُوَ جَالِسٌ؟ قَالَتْ: كَانَ يَقْرَأُ فِيْهِمَا، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّرْكَعَ قَامَ فَرَكَعَ (مسلم) ؎۱

ترجمہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں کو بیٹھ کر کس طرح پڑھا کرتے تھے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ان دو رکعتوں میں قرائت کرتے رہتے تھے، پھر جب رکوع کا ارادہ فرماتے، تو کھڑے ہو جاتے، پھر رکوع کرتے (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ عذر کے وقت فرض نماز اور عام حالات میں سنت ونفل نماز اس طرح بھی پڑھی جاسکتی ہے کہ اس کے کچھ حصہ میں قیام کیا جائے، اور کچھ حصہ بیٹھ کر ادا کیا جائے۔ ؎۲

اس طرح کی اور بھی کئی احادیث ہیں۔ ؎۳

مذکورہ دلائل سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ نماز میں قیام کرنا سجدہ یا رکوع کا وسیلہ ہونے

۱؎ رقم الحديث ۱۷۳۱ "۱۱۴" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز النافلة قائما وقاعدا، وفعل بعض الركعة قائما وبعضها قاعدا.

۲؎ ومن فوائد هذا الحديث: جواز الركعة الواحدة بعضها من قيام وبعضها من قعود، وهو مذهب أبي حنيفة ومالك والشافعي وعامة العلماء، وسواء في ذلك: قام ثم قعد أو قعد ثم قام، ومنعه بعض السلف وهو غلط، ولو نوى القيام ثم أراد أن يجلس جاز عند الجمهور، وجوزه من المالكية: ابن القاسم، ومنعه أشهب. ومنها: تطويل القراء ة في صلاة الليل (عمدة القارى للعينى، ج۷ص۱۶۳، كتاب الكسوف، باب إذا صلى قاعدا ثم صح أو وجد خفة تمم ما بقى)

۳؎ ہم نے اس طرح کی کئی احادیث اپنی دوسری کتاب "نفل وسنت نمازوں کے فضائل واحکام" میں ذکر کردی ہیں، جن میں سے بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر سنت ونفل نمازیں پڑھنے میں آدھے کے بجائے پورا ثواب ہی حاصل ہوتا تھا۔ محمد رضوان۔

کے طور پر عبادت نہیں ہے، بلکہ بذاتِ خود عبادت ہے، اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابوحنیفہ سمیت بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک نماز میں قیام کو طویل کرنا، بنسبت رکوع وسجدوں کی کثرت کے، زیادہ فضیلت کا باعث ہے، متعدد حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کا یہی قول ہے، اگر قیام مستقل عبادت نہ ہوتا، بلکہ اس کے بجائے سجدہ اصل عبادت ہوتا، تو اس کے طویل ہونے کی وجہ سے ثواب زیادہ حاصل نہ ہوتا، بلکہ رکوع وسجدہ کی کثرت ان حضرات کے نزدیک زیادہ فضیلت کا باعث ہوتی۔ [1]

فرض اور غیر فرض نمازوں میں قیام کا حکم

مذکورہ اور اس جیسی دوسری احادیث کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے فرمایا کہ فرض نمازوں کی

---

[1] وطول القيام أفضل من كثرة السجود(المختار مع الاختيار لتعليل المختار، ج ا ص ٦٨، باب صلاة التراويح)

ذهب جمهور الحنفية، والمالكية فى قول، والشافعية، وهو وجه عند الحنابلة، إلى أن طول القيام أفضل من كثرة العدد، فمن صلى أربعا مثلا وطول القيام أفضل ممن صلى ثمانيا ولم يطوله، للمشقة الحاصلة بطول القيام، ولقول رسول الله صلى الله عليه وسلم :أفضل الصلاة طول القنوت.والقنوت :القيام.

ولأن النبى صلى الله عليه وسلم كان أكثر صلاته التهجد، وكان يطيله، وهو صلى الله عليه وسلم لا يداوم إلا على الأفضل.

وزاد الشافعية قولهم :هذا إن صلى قائما، فإن صلى قاعدا فالأقرب أن كثرة العدد أفضل، لتساويهما فى القعود الذى لا مشقة فيه، حيث زادت كثرة العدد بالركوعات والسجودات وغيرها.

وقال أبو يوسف من الحنفية :إذا لم يكن له ورد فطول القيام أفضل، وأما إذا كان له ورد من القرآن يقرؤه، فكثرة السجود أفضل .

وذهب المالكية فى الأظهر، وهو وجه عند الحنابلة :إلى أن الأفضل كثرة الركوع والسجود، لقوله صلى الله عليه وسلم :عليك بكثرة السجود، فإنك لا تسجد لله سجدة إلا رفعك الله بها درجة، وحط عنك بها خطيئة؛ ولأن السجود فى نفسه أفضل وآكد، بدليل أنه يجب فى الفرض والنفل، ولا يباح بحال إلا لله تعالى، بخلاف القيام، فإنه يسقط فى النفل، ويباح فى غير الصلاة للوالدين، والحاكم، وسيد القوم والاستكثار مما هو آكد وأفضل أولى.

وللحنابلة وجه ثالث، وهو :أنهما سواء ، لتعارض الأخبار فى ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٤ص ١٢٦ ، مادة "قيام")

www.idaraghufran.org

تمام رکعتوں میں قیام کرنا یعنی ان کو کھڑے ہوکر پڑھنا فرض ہے، اور فرض نمازوں کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔ [1]

اور سنت اور نفل نمازوں کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے، البتہ اگر کھڑے ہوکر پڑھنے میں کوئی عذر نہ ہو، تو نفل وسنت نماز بیٹھ کر پڑھنے میں کھڑے ہوکر پڑھنے کے مقابلہ میں آدھا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

لیکن اگر کوئی عذر (مثلاً بیماری، کمزوری اور بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے) کھڑے ہوکر پڑھنے کی قدرت نہ رکھے یا غیر عادی تکلیف لاحق ہوتی ہو، تو اسے سنت ونفل نماز بیٹھ کر پڑھنے میں پورا ہی ثواب ملتا ہے۔ [2]

---

[1] لا خلاف بين الفقهاء في جواز صلاة التطوع قاعدا مع القدرة على القيام؛ لأن النوافل تكثر، فلو وجب فيها القيام مثلا شق ذلك؛ وانقطعت النوافل، ولا خلاف في أن القيام أفضل.

أما صلاة الفرض فحكمها التكليفي يختلف باختلاف نوع المرض وتأثيره على الأفعال والأقوال فيها، وهي تشمل الفرض العيني والكفائي، كصلاة الجنازة، وصلاة العيد عند من أوجبها، وتشمل الواجب بالنذر على من نذر القيام فيه.

وقد أجمع الفقهاء على أن من لا يطيق القيام له أن يصلي جالسا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۲۵۹، مادة "صلاة المريض")

[2] وذلك عندنا والله أعلم على المصلي تطوعا قاعدا وهو يطيق أن يصلي قائما، فيكون له بذلك نصف ما يكون له لو صلى قائما, وليس هو على صلاته قاعدا، وهو لا يطيق القيام، ذلك صلاته قاعدا فيما يكتب له من الثواب بها كصلاته إياها قائما ;لأنه هاهنا قد قصد إلى القيام وقصر به عنه فاستحق من الثواب ما يستحقه لو صلاها قائما ,فكان إذا كان يطيق القيام فصلى قاعدا قد ترك القيام اختيارا فلم يكتب له ثوابه ,وكتب له ثواب المصلي قاعدا على صلاته كذلك (شرح مشكل الآثار للطحاوي، تحت رقم الحديث ۱۶۹۴، باب بيان مشكل ما روي عن عمران بن حصين في كيفية الصلاة الخ)

الوقوف والقعود في صلاة التطوع: يجوز التطوع قاعدا مع القدرة على القيام؛ لأن التطوع خير دائم، فلو ألزمناه القيام يتعذر عليه إدامة هذا الخير.

ولأن كثيرا من الناس يشق عليه طول القيام، فلو وجب في التطوع لترك أكثره، فسامح الشارع في ترك القيام فيه ترغيبا في تكثيره كما سامح في فعله على الراحلة في السفر.

والأصل في جواز النفل قاعدا مع القدرة على القيام ما روت عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي جالسا، فيقرأ وهو جالس، فإذا بقي من قراء ته قدر ما يكون ثلاثين أو أربعين آية،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ایک روایت کے مطابق فجر کی سنتوں کو بلا عذر بیٹھ کر اور سواری پر رکوع وسجدہ اشارہ سے کر کے پڑھنا جائز نہیں۔ [1]

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر کی نماز بھی بلا عذر بیٹھ کر اور سواری پر رکوع وسجدہ اشارہ سے کر کے پڑھنا جائز نہیں۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک نمازِ وتر سنت نماز میں داخل ہے، جس کی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک وتر کی نماز کو بلا عذر بیٹھ کر اور با قاعدہ سجدہ کر کے پڑھنا بھی جائز ہے، اور چلتی سواری پر بیٹھ کر پڑھنا بھی جائز ہے اور چلتی سواری پر پڑھنے کی صورت میں رکوع اور سجدہ بھی اشارہ سے کرنے کی اجازت ہے، جس کی مزید تفصیل آگے ''سفر اور سواری پر نماز کے احکام'' میں آتی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قام فقرأ وهو قائم، ثم ركع، ثم سجد، ثم يفعل فى الركعة الثانية مثل ذلك.

وقد روى من طريق آخر ما يفيد التخيير فى الركوع والسجود بين القيام والقعود، حيث فعل الرسول صلى الله عليه وسلم الأمرين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص ۱۶۱، مادة "صلاة التطوع"، الوقوف والقعود فى صلاة التطوع)

[1] امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی یہ روایت غیر ظاہر الروایۃ قرار دی گئی ہے، جس پر عمل کرنے میں احتیاط ہے، اگرچہ ضروری نہ ہو۔

وروى الحسن عن أبى حنيفة أن من صلى ركعتى الفجر قاعدا من غير عذر لا يجوز، وكذا لو صلاها على الدابة من غير عذر وهو يقدر على النزول لاختصاص هذه السنة بزيادة توكيد وترغيب بتحصيلها، وترهيب وتحذير على تركها فالتحقت بالواجبات كالوتر (بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۹۰، كتاب الصلاة، فصل فى سنن صلاة التراويح)

[2] ذهب الحنفية إلى أن صلاة الوتر لا تصح إلا من قيام، إلا لعاجز، فيجوز أن يصليها قاعدا، ولا تصح على الراحلة من غير عذر.

وذهب جمهور الفقهاء -المالكية والشافعية والحنابلة- إلى أنه تجوز للقاعد أن يصليها ولو كان قادرا على القيام، وإلى جواز صلاتها على الراحلة ولو لغير عذر. وذلك مروى عن على وابن عمر وابن عباس والثورى وإسحاق -رضى الله عنهم- قالوا: لأنها سنة، فجاز فيها ذلك كسائر السنن. واحتجوا لذلك بما ورد من حديث ابن عمر -رضى الله عنهما- أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يسبح على الراحلة قبل أى وجه توجه، ويوتر عليها، غير أنه لا يصلى عليها المكتوبة وعن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قیام کی حقیقت

قیام کی حقیقت یہ ہے کہ جسم کے نیچے اور اوپر والے دونوں دھڑ سیدھے ہوں۔

اور اس کی ادنیٰ حد (یعنی کم از کم درجہ) یہ ہے کہ انسان اگر اس حالت میں کھڑا ہو کر اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں تک لے جائے، تو اس کے دونوں ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

سعيد بن يسار أنه قال :كنت أسير مع ابن عمر -رضى الله عنهما -بطريق مكة، قال سعيد :فلما خشيت الصبح نزلت فأوترت، ثم أدركته، فقال لى ابن عمر :أين كنت؟ فقلت له :خشيت الفجر فنزلت فأوترت .فقال عبد الله :أليس لک فى رسول الله صلى الله عليه وسلم أسوة؟ فقلت :بلى والله .قال :إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوتر على البعير (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۲۹۷ و ۲۹۸، مادة "صلاة" صلاة الوتر)

[1] قیام کا ایک تو تام درجہ ہے، جو سیدھے کھڑے ہونے سے متحقق ہوتا ہے، اور ایک غیر تام درجہ ہے، جبکہ انحناءِ قلیل یعنی تھوڑا جھکنا ہو، اور اس کے ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچیں اور اگر اتنا جھکے کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں تو یہ قیام کے بجائے رکوع کی حالت کہلاتی ہے، جو قیام سے مختلف حالت ہے، جس کی تفصیل آگے رکوع کے بیان میں آتی ہے۔

القيام لغة :من قام يقوم قوما وقياما :انتصب، وهو نقيض الجلوس.

ولا يخرج اصطلاح الفقهاء عن المعنى اللغوى (الموسوعة الفقهية الكويتية ،ج۳۴ص۱۰۶، مادة "قيام")

كيفية القيام: اتفق الفقهاء على أن القيام المطلوب شرعا فى الصلاة هو الانتصاب معتدلا، ولا يضر الانحناء القليل الذى لا يجعله أقرب إلى أقل الركوع بحيث لو مد يديه لا ينال ركبتيه (الموسوعة الفقهية الكويتية ،ج۳۴ص۱۰۷، مادة "قيام")

القيام: وهو ركن فى فرض للقادر عليه، ويشمل التام منه وهو :الانتصاب مع الاعتدال، وغير التام وهو :الانحناء القليل بحيث لا تنال يداه ركبتيه (الموسوعة الفقهية الكويتية ،ج۲۷ ص۷۳، مادة "صلاة")

(أما) الحقيقة فلأن القيام اسم لمعنيين متفقين فى محلين مختلفين، وهما الانتصابان فى النصف الأعلى والنصف الأسفل...... لأن القيام إنما صار طاعة لانتصاب نصفه الأعلى، بل لانتصاب رجليه، لما يلحق رجليه من المشقة (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۴۲، ۱۴۳، كتاب الصلاة،فصل شرائط اركان الصلاة ،ملخصًا)

(والقيام) هو استواء النصف الأعلى وحده أن يكون بحيث لو مد يديه إلى ركبتيه لا ينالهما (النهر الفائق شرح كنز الدقائق ج ۱ ص ۱۹۵، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

نماز میں کتنی مقدار قیام کرنا ضروری ہے؟

جن نمازوں میں قیام کرنا ضروری ہے، ان میں مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جو شخص قیام پر قادر ہو، اس پر تکبیرِ تحریمہ اور سورہ فاتحہ کی قرائت کے بقدر قیام کرنا فرض ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک تکبیرِ تحریمہ اور کم از کم ایک آیت یا تین چھوٹی آیات کی قرائت کے بقدر قیام کرنا فرض ہے، اور سورہ فاتحہ کی قرائت کے بقدر قیام کرنا واجب ہے۔

لیکن سب فقہائے کرام کے نزدیک اگر کوئی مقتدی امام کو قیام کی حالت میں پائے، تو نماز میں شرکت کے بعد جتنی مقدار امام قیام کرے، صرف اتنی مقدار قیام کرنا اور اگر امام کو رکوع میں پائے، تو تکبیرِ تحریمہ کے بقدر قیام کرنا فرض ہے، جس کے بعد اس کو مزید قیام کئے بغیر امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہونا جائز ہے، اس سے زیادہ قیام کرنا اس پر ضروری نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وحد القيام أن يكون بحيث إذا مد يديه لا ينال ركبتيه(مراقى الفلاح شرح نورالايضاح، ص۸۵، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة واركانها)

قوله" :وحد القيام "أى حد أدناه وتمامه بالإنتصاب كالقنا(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح شرح نورالايضاح، ص۲۲۵، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة واركانها)

[1] مقدار القيام:

ذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى أن القيام المفروض للقادر عليه يكون بقدر تكبيرة الإحرام وقراءة الفاتحة فقط؛ لأن الفرض عندهم ذلك؛ ولأن من عجز عن القراء ة وبدلها من الذكر، وقف بقدرها، وأما السورة بعدها فهى سنة.

فإن أدرك المأموم الإمام فى الركوع فقط، فالركن من القيام بقدر التحريمة؛ لأن المسبوق يدرك فرض القيام بذلك، وهذا رخصة فى حق المسبوق خاصة، لإدراك الركعة.

وذهب الحنفية إلى أن فرض القيام وواجبه ومسنونه ومندوبه لقادر عليه وعلى السجود يكون بقدر القراءة المطلوبة فيه، وهو بقدر آية فرض، وبقدر الفاتحة وسورة واجب، وبطوال المفصل وأوساطه وقصاره فى محالها المطلوبة مسنون، والزيادة على ذلك فى نحو تهجد مندوب، فلو قدر المصلى على القيام دون السجود، ندب إيماؤه قاعدا، لقربه من السجود، وجاز إيماؤه قائما(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴ص۱۰۷، مادة "قيام")

اختلفوا فى حد المرض الذى يبيح له الصلاة قاعدا فقيل أن يكون بحال إذا قام سقط من ضعف أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور اگر کسی شخص کو فرض نماز میں زیادہ دیر قیام کرنا ممکن نہ ہو، یا سخت مشکل پیش آتی ہو، یا بیماری پیدا ہوتی ہو، یا بیماری میں اضافہ ہوتا ہو، یا بیماری ٹھیک ہونے میں دیر لگتی ہو، تو اس پر بقدرِ استطاعت خواہ ایک ہی رکعت میں یا تھوڑی دیر تک (مثلاً ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتوں کے برابر یا صرف تکبیرِ تحریمہ کہنے کے برابر) قیام کرنے کی قدرت ہو، تب بھی ممکن حد تک اسی قدر بغیر سہارے کے فرض نمازوں میں قیام کرنا فرض ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

دوران الرأس، والأصح أن يكون بحيث يلحقه بالقيام ضرر وإذا كان قادرا على بعض القيام دون تمامه أمر بأن يقوم مقدار ما يقدر فإذا عجز قعد حتى لو قدر أن يكبر قائما للتحريمة ولم يقدر على القيام يعني للقراء ة أو كان يقدر على القيام لبعض القراء ة دون تمامها فإنه يؤمر أن يكبر قائما ويقرأ ما يقدر عليه قائما ثم يقعد إذا عجز فقوله إذا تعذر عليه القيام يعني جميعه وإن قدر عليه متكئا لا يجزئه غيره فيقوم متكئا(الجوهرة النيرة ،ج ۱ ص ۷۹، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

[1] جو شخص بغیر سہارے کے قیام پر قادر ہو، پھر وہ کسی ایسی چیز سے سہارا لے کر قیام کرے کہ اگر اس کو ہٹا دیا جائے، تو وہ گر پڑے، تو جمہور فقہائے کرام یعنی حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اور شافعیہ کے ایک قول کے مطابق اس کے قیام کا فریضہ ادا نہیں ہوتا، اور اگر سہارا ہٹانے سے وہ گرے نہیں، تو پھر قیام کا فریضہ تو ادا ہو جاتا ہے، لیکن بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہوتا ہے، اور دلیل کے لحاظ سے یہی قول راجح وقوی ہے۔

اور اکثر شافعیہ کے نزدیک پہلی صورت میں بھی کراہت لازم آتی ہے، البتہ ان کے نزدیک اس صورت میں بھی قیام کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے۔

الاستناد إلى عماد -كحائط أو سارية -فى صلاة الفريضة للقادر على القيام مستقلا دون اعتماد. للفقهاء فيه اتجاهات ثلاثة:

الاتجاه الأول :يرى الحنفية، والمالكية، والحنابلة منعه، وهو قول للشافعية .قالوا :من اعتمد على عصا أو حائط ونحوه بحيث يسقط لو زال العماد، لم تصح صلاته، قالوا :لأن الفريضة من أركانها القيام، ومن استند على الشيء بحيث لو زال من تحته سقط، لا يعتبر قائما.

أما إن كان لا يسقط لو زال ما استند إليه، فهو عندهم مكروه، صرح به الحنفية، والمالكية، والحنابلة .قال الحلبي فى شرح المنية :يكره اتفاقا -أي بين أئمة الحنفية -لما فيه من إساء ة الأدب وإظهار التجبر،وعلل ابن أبي تغلب من الحنابلة -للكراهة بكون الاستناد يزيل مشقة القيام.

والاتجاه الثاني :قول الشافعية المقدم لديهم أن صلاة المستند تصح مع الكراهة، قالوا :لأنه يسمى قائما ولو كان بحيث لو أزيل ما اعتمد عليه لسقط.

والاتجاه الثالث :أن استناد القائم فى صلاة الفرض جائز .روى ذلك عن أبي سعيد الخدري وأبي ذر رضي الله عنهما وجماعة من الصحابة والسلف.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

سہارا لے کر قیام کرنے کا حکم

اگر کوئی شخص نماز میں بغیر سہارے کے کھڑا نہیں ہوسکتا، لیکن کسی چیز مثلاً دیوار، لاٹھی وغیرہ کے سہارے سے کھڑا ہوسکتا ہے، تو مشائخ حنفیہ کے راجح قول کے مطابق اس پر فرض نمازوں میں سہارے سے کھڑا ہونا ضروری ہے، بشرطیکہ اس کو سہارے کی چیز میسر ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثم إن الصلاة المفروضة -التی هذا حکم الاستناد فیها -تشمل الفرض العینی والکفائی، کصلاة الجنازة، وصلاة العید عند من أوجبها.

وتشمل الواجب بالنذر علی من نذر القیام فیه علی ما صرح به الدسوقی، وألحق به الحنفیة سنة الفجر علی قول لتأکدها(الموسوعة الفقهیة الکویتیة ،ج۴ص ۱۰۴،۱۰۵ ، مادة "استناد")

[1] خاص کر امام صاحب کے علاوہ دیگر فقہائے کرام اور صاحبین کے قول کے مطابق، جو قادر بقدرۃ الغیر کو قادر قرار دیتے ہیں۔

ملحوظ رہے کہ جو شخص سہارے کے بغیر بھی کھڑا نہ ہوسکتا ہو، تو اس کو نماز میں سہارا حاصل کرنا جائز ہے، لیکن کیا اس سے قیام معاف ہے اور اس کو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، یا اس پر قیام کرنا ضروری ہے، تو اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

مشائخ حنفیہ کے راجح قول کے مطابق اور حنابلہ کے نزدیک اس پر سہارے کے ساتھ قیام کرنا ضروری ہے، اور اس حالت میں اس کو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں، بشرطیکہ سہارا حاصل کرنے کی کوئی چیز میسر ہو۔

جبکہ حنفیہ کے صحیح قول کے مقابلہ میں ایک قول اور شافعیہ کے مذہب کے مطابق مذکورہ صورت میں اس پر قیام فرض نہیں رہتا۔

الاستطاعة بالنفس :تکون بقدرة المکلف علی القیام بما کلف به بنفسه من غیر افتقار إلی غیره.

والاستطاعة بالغیر :هی قدرة المکلف علی القیام بما کلف به بإعانة غیره، وعدم قدرته بنفسه .

وهذا النوع من الاستطاعة اختلف الفقهاء فی تحقق شرط التکلیف به:

فالجمهور من الفقهاء یعتبرون المستطیع بغیره مکلفا بمقتضی هذه الاستطاعة، ذهب إلی ذلک المالکیة، والشافعیة، والحنابلة، وأبو یوسف ومحمد؛ لأن المستطیع بغیره یعتبر قادرا علی الأداء .

وعند أبی حنیفة :المستطیع بغیره عاجز وغیر مستطیع؛ لأن العبد یکلف بقدرة نفسه لا بقدرة غیره؛ ولأنه یعد قادرا إذا اختص بحالة تهیء له الفعل متی أراد، وهذا لا یتحقق بقدرة غیره.

ویستثنی أبو حنیفة من ذلک حالتین:الحالة الأولی :ما إذا وجد من کانت إعانته واجبة علیه، کولده وخادمه .الحالة الثانیة :ما إذا وجد من إذا استعان به أعانه من غیر منة، کزوجته، فإنه یکون قادرا بقدرة هؤلاء (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳ص ۳۳۱، ۳۳۲، مادة "استطاعة")

(وإن قدر علی بعض القیام) ولو متکئا علی عصا أو حائط (قام) لزوما بقدر ما یقدر ولو قدر آیة أو تکبیرة علی المذهب لأن البعض معتبر بالکل (الدرالمختار)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگرچہ ہاتھ سے سہارا لے کر کھڑے ہونے کی صورت میں مسنون طریقے پر آگے دونوں ہاتھ نہ باندھ سکے، کیونکہ نماز میں قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنا سنت ہے، اور فرض نمازوں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قوله على المذهب) فى شرح الحلوانى نقلا عن الهندوانى :لو قدر على بعض القيام دون تمامه، أو كان يقدر على القيام لبعض القراء ة دون تمامها يؤمر بأن يكبر قائما ويقرأ ما قدر عليه ثم يقعد إن عجز وهو المذهب الصحيح لا يروى خلافه عن أصحابنا؛ ولو ترك هذا خفت أن لا تجوز صلاته. وفى شرح القاضى :فإن عجز عن القيام مستويا قالوا يقوم متكئا لا يجزيه إلا ذلك، وكذا لو عجز عن القعود مستويا قالوا يقعد متكئا لا يجزيه إلا ذلك، فقال عن شرح التمرتاشى ونحوه فى العناية بزيادة :وكذلك لو قدر أن يعتمد على عصا أو كان له خادم لو اتكأ عليه قدر على القيام اهـ (قوله لأن البعض معتبر بالكل) أى إن حكم البعض كحكم الكل، بمعنى أن من قدر على كل القيام يلزمه فكذا من قدر على بعضه(ردالمحتار ج۲ص۹۷،كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

قيد بتعذر القيام أى جميعه لأنه لو قدر عليه متكئا أو متعمدا على عصا أو حائط لا يجزئه إلا كذلك خصوصا على قولهما فإنهما يجعلان قدرة الغير قدرة له قال الهندوانى إذا قدر على بعض القيام يقوم ذلك ولو قدر آية أو تكبيرة ثم يقعد وإن لم يفعل ذلك خفت أن تفسد صلاته هذا هو المذهب ولا يروى عن أصحابنا خلافه (البحر الرائق، ج۲ ص ۱۲۱،كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

ولوقدرعلى القيام متكئا يصلى متكئا فى الصحيح وكذا لو قدر علىٰ ان يعتمد على عصا او علىٰ خادمه لهٗ فانهٗ يقوم ويتكئ خصوصا علىٰ قول ابى يوسف ومحمد (شرح العينى على الكنز ج ا ص ۸۹، كتاب الصلاة)

ب -الاستناد فى الفرض فى حال الضرورة:

يتفق الفقهاء على أنه إذا وجدت الضرورة، بحيث لا يستطيع المصلى أن يصلى قائما إلا بالاستناد، أن الاستناد جائز له ولكن هل يسقط عنه فرض القيام فيجوز له الصلاة جالسا مع التمكن من القيام بالاستناد؟ للفقهاء فى هذه المسألة اتجاهان:

الأول :أن القيام واجب حينئذ ولا تصح صلاته جالسا .وهو مذهب الحنفية على الصحيح عندهم، ومذهب الحنابلة، وقول مرجوح عند المالكية، ذهب إليه ابن شاس وابن الحاجب.

قال شارح المنية من الحنفية :لو قدر على القيام متوكئا على عصا أو خادم .قال الحلوانى: الصحيح أنه يلزمه القيام متكئا.

الثانى :وهو المقدم عند المالكية،ومقابل الصحيح عند الحنفية، ومقتضى مذهب الشافعية -كما تقدم -أن فرض القيام ساقط عنه حينئذ، وتجوز صلاته جالسا .قال الحطاب نقلا عن ابن رشد :لأنه لما سقط عنه القيام، وجاز له أن يصلى جالسا، صار قيامه نافلة، فجاز أن يعتمد فيه كما يعتمد فى النافلة، والقيام مع الاعتماد أفضل.

واشترط المالكية لجواز الصلاة مع الاعتماد أن يكون استناده لغير حائض أو جنب، فإن صلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

میں قیام کرنا یعنی کھڑا ہونا فرض ہے، اِلَّا یہ کہ کوئی سہارا حاصل کرنے کی چیز بھی میسر نہ ہو، اور بغیر سہارے کے کھڑا نہ ہوسکتا ہو، تو پھر اس سے قیام معاف ہوگا۔ [1]

نماز میں قیام معاف ہونے کی صورتیں

بعض صورتوں میں فرض نمازوں کے اندر قیام کرنا فرض نہیں رہتا، بلکہ معاف ہوجاتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مستندا إلى واحد منهما أعاد في الوقت، أي الوقت الضروري لا الاختياري (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص ۱۰۵، مادة "استناد")

ذهب الحنفية والمالكية والحنابلة وهو قول عند الشافعية إلى اشتراط الاستقلال في القيام أثناء الصلاة للقادر عليه في الفرائض دون النوافل، على تفصيل:

فذهب الحنفية، إلى أن من اتكأ على عصاه، أو على حائط ونحوه، بحيث يسقط لو زال لم تصح صلاته، فإن كان لعذر صحت، أما في التطوع أو النافلة :فلا يشترط الاستقلال بالقيام، سواء أكان لعذر أم لا، إلا أن صلاته تكره؛ لأنه إساءة أدب، وثوابه ينقص إن كان لغير عذر.

والقيام فرض بقدر التحريمة والقراءة المفروضة كما تقدم في فرض، وملحق به كنذر وسنة فجر في الأصح، لقادر عليه وعلى السجود.

وذهب المالكية إلى إيجاب القيام مستقلا في الفرائض للإمام والمنفرد حال تكبيرة الإحرام، وقرائة الفاتحة، والهوي للركوع، فلا يجزء إيقاع تكبيرة الإحرام والفاتحة في الفرض للقادر على القيام جالسا أو منحنيا، ولا قائما مستندا لعماد بحيث لو أزيل العماد لسقط، وأما حال قراءة السورة فالقيام سنة، فلو استند إلى شيء لو أزيل لسقط، فإن كان في غير قراءة السورة، بطلت صلاته؛ لأنه لم يأت بالفرض الركني، وإن كان في حال قراءة السورة لم تبطل، وكره استناده، ولو جلس في حال قراءة السورة بطلت صلاته؛ لإخلاله بهيئة الصلاة، أما المأموم فلا يجب عليه القيام لقراءة الفاتحة، فلو استند حال قراءتها لعمود بحيث لو أزيل لسقط، صحت صلاته.

وأما الشافعية في الأصح فلم يشترطوا الاستقلال في القيام، فلو استند المصلي إلى شيء بحيث لو رفع السناد لسقط أجزأه مع الكراهة، لوجود اسم القيام، والثاني يشترط ولا تصح مع الاستناد في حال القدرة بحال، والوجه الثالث يجوز الاستناد إن كان بحيث لو رفع السناد لم يسقط، وإلا فلا.

وذهب الحنابلة إلى أنه لو استند استنادا قويا على شيء بلا عذر، بطلت صلاته، والقيام فرض بقدر تكبيرة الإحرام وقراءة الفاتحة في الركعة الأولى، وفيما بعد الركعة الأولى بقدر قراءة الفاتحة فقط (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴ص ۱۰۶ الیٰ ۱۰۹، مادة "قيام")

[1] ذهب جمهور الفقهاء الحنفية والشافعية والحنابلة إلى أن من سنن الصلاة القبض وهو وضع اليد اليمنى على اليسرى وخالفهم في ذلك المالكية فقالوا :يندب الإرسال ويكره القبض في صلاة الفرض وجوزوه في النفل وهذا في الجملة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۸ص ۳۶۹، مادة "مكان")

چنانچہ جو شخص قیام سے اس طرح عاجز ہو کہ کھڑا ہونا اس کے لیے ممکن ہی نہیں یا کھڑا ہوتے ہی گر پڑتا ہے، تو اس سے فرض نماز میں قیام کا فریضہ معاف ہو جاتا ہے، اور اسے بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہوتا ہے۔

اسی طرح جو شخص کھڑا تو ہو سکتا ہے، لیکن کھڑا ہونے سے واقعی درجے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، مثلاً پٹھوں میں شدید کھچاؤ اور تناؤ پیدا ہوتا ہے، یا چکر آتے ہیں یا کوئی اور بیماری پیدا ہوتی ہے، یا پہلے سے پیدا شدہ بیماری میں اضافہ ہوتا یا دیر سے ٹھیک ہوتی ہے (خواہ اپنے سابقہ تجربہ سے معلوم ہوا ہو یا کسی ماہر معالج سے پتہ چلا ہو) تو ایسے شخص سے بھی فرض نمازوں میں قیام معاف ہو جاتا ہے، اور اسے فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا درست ہو جاتا ہے۔ [1]

اور اسی طرح اگر کسی شخص کی آنکھ میں درد یا تکلیف ہو، اور بیٹھنے یا سجدہ کرنے سے آنکھ کے درد یا تکلیف میں اضافہ ہوتا ہو، اور اسے لیٹے رہنے کی ضرورت ہو (خواہ اپنے سابقہ تجربہ سے معلوم ہوا ہو یا کسی ماہر معالج سے پتہ چلا ہو) اور وہ قیام پر قادر ہو، تو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس کو قیام کا ترک کرنا جائز ہوتا ہے، کیونکہ ایسی صورت میں قیام کرنے میں ضرر

---

[1] ضابط المرض الذی یعتبر عذرا فی الصلاة:

إذا تعذر على المريض كل القيام، أو تعسر القيام كله، بوجود ألم شديد أو خوف زيادة المرض أو بطئه -يصلي قاعدا بركوع وسجود .والألم الشديد كدوران رأس، أو وجع ضرس، أو شقيقة أو رمد .ويخرج به ما لو لحق المصلي نوع من المشقة فإنه لا يجوز له ترك القيام.

ومثل الألم الشديد خوف لحوق الضرر من عدو آدمي أو غيره على نفسه أو ماله لو صلى قائما.

وكذلك لو غلب على ظنه بتجربة سابقة، أو إخبار طبيب مسلم أنه لو قام زاد سلس بوله، أو سال جرحه، أو أبطأ برؤه، فإنه يترك القيام ويصلي قاعدا.

وإذا تعذر كل القيام فهذا القدر الحقيقي، وما سواه فهو حكمي (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص ۲۶۰، مادة "صلاة المريض")

إذا عجز المريض عن القيام صلى قاعدا يركع ويسجد، هكذا في الهداية وأصح الأقاويل في تفسير العجز أن يلحقه بالقيام ضرر وعليه الفتوى، كذا في معراج الدراية، وكذلك إذا خاف زيادة المرض أو إبطاء البرء بالقيام أو دوران الرأس، كذا في التبيين أو يجد وجعا لذلك فإن لحقه نوع مشقة لم يجز ترك ذلك القيام، كذا في الكافي (الفتاویٰ الهندیه ج ۱ ص ۱۳۶، كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر في صلاة المريض)

www.idaraghufran.org

لاحق ہونے کا خوف ہے۔ [1]

اگر کوئی شخص سجدہ کرنے سے عاجز ہو، لیکن وہ قیام اور رکوع دونوں پر قادر ہو، تو بہت سے مشائخ حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام (یعنی شافعیہ، حنابلہ ومالکیہ) اور متعدد مشائخِ حنفیہ کے نزدیک اس سے قیام اور رکوع معاف نہیں ہوتا، بلکہ اس کو فرض نمازوں میں قیام اور رکوع کرنا ضروری ہوتا ہے اور قیام ورکوع کے بعد اس کو سجدہ بیٹھ کر اشارہ سے کرنے کی اجازت ہوتی ہے، البتہ اگر وہ سجدہ کے ساتھ ساتھ رکوع سے بھی عاجز ہو، تو اس کو رکوع کھڑے ہو کر اشارہ سے کرنا جائز ہوتا ہے، جس طرح سجدہ بیٹھ کر اشارہ سے کرنا جائز ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] مگر شافعیہ کے نزدیک مندرجہ بالا صورت میں قیام معاف نہیں ہوتا، کیونکہ وہ شخص قیام سے معذور نہیں۔

عدم القدرة على القيام لوجود علة بالعين:

إن كان بعين المريض وجع، بحيث لو قعد أو سجد زاد ألم عينه فأمره الطبيب المسلم الثقة بالاستلقاء أياما، ونهاه عن القعود والسجود، وهو قادر على القيام فقيل له :إن صليت مستلقيا أمكن مداواتک فقد اختلف الفقهاء فيه على رأيين:

الأول :عند جمهور الفقهاء يجوز له ترک القيام؛ لأنه يخاف الضرر من القيام فأشبه المريض فيجزئه أن يستلقي ويصلي بالإيماء لأن حرمة الأعضاء كحرمة النفس.

الثانى :لا يجوز له ترک القيام، وهو وجه عند الشافعية لما روى أن ابن عباس -رضى الله عنهما - لما وقع فى عينيه الماء حمل إليه عبد الملک الأطباء فقيل له :إنک تمكث سبعة أيام لا تصلى إلا مستلقيا فسأل عائشة، وأم سلمة -رضى الله عنهما -فنهتاه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۲۶۰ و ۲۶۱، مادة "صلاة المريض")

ولو قدر على القعود، لكن نزع الماء من عينيه فأمر أن يستلقي أياما على ظهره ونهى عن القعود والسجود -أجزأه أن يستلقي ويصلي بالإيماء وقال مالک لا يجزئه (بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۱۰۶، فصل اركان الصلاة)

قوله" :فلم يقدر الخ "هذا تعذر حقيقي ومثله الحكمي بأن كان بحال لو قعد بزغ الماء من عينيه فأمره الطبيب بالاستلقاء أياما ونهاه عن القعود والسجود فإنه يجزيه أن يستلقي ويصلي بالإيماء لأن حرمة الأعضاء كحرمة النفس كذا فى البحر (طحطاوى على المراقى، ج ۱، ص ۴۳۳، باب صلاة المريض)

[2] وكذلک لو عجز عن الركوع والسجود دون القيام "لزماه عند غير الحنفية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۰، ص۷۹، مادة "تبعيض")

فإن عجز عن الركوع وقدر على القيام لم يسقط عنه فرض القيام .وقال أبو حنيفة هو بالخيار إن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور متعدد مشائخِ حنفیہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، کیونکہ قرآن وسنت کے دلائل سے قیام اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

شاء صلى قاعدًا وإن شاء صلى قائمًا .هكذا نقل هذه المسألة عن أبى حنيفة بعض أصحاب الشافعي .ونقلها بعض أصحابنا إذا عجز عن السجود دون القيام فقال أبو حنيفة صلاته كلها جلوس .ونقل بعض أصحاب أبى حنيفة إذا عجز عن الركوع والسجود دون القيام لم يلزمه القيام وإن شاء صلى قاعدًا يومء إيماء .وبالجملة فإن مذهبنا أن فرض القيام لا يسقط بالعجز عن غيره . وقد قدمنا ما قيل فى قيام العاجز عن القراء ة .وإنما تكلمنا ها هنا على فرض القيام على الجملة فى حق القادر على القراء ة.

والدليل على أن القيام لا يسقط بالعجز عن غيره أن الأصل فيما يسقط لعذر أن يتقدر بقدر عذره. فإن كان العجز هو العذر تعذر الساقط بمقدار العجز .لأن العجز كعلة فى السقوط والحكم يتقدر بقدر علته .ألا ترى أن العاجز عن القيام خاصة لا يسقط عنه الركوع والسجود .وكذلك القراء ة لا يسقطها العجز عن غيرها .والمريض إذا قدر على القعود لم يصل مضطجعًا.

وقد قال -صلى الله عليه وسلم " :-صل قائمًا فإن لم تستطع فقاعدًا فإن لم تستطع فعلى جنب " فأمر بالقيام على الإطلاق بشرط الاستطاعة.

وأما أبو حنيفة فإنه يحتج بأن القيام تبع لهذه الأركان فإذا سقط المتبوع سقط التابع .وإذا كان القيام إنما أريد لها فإن لم تكن فلا معنى لإيجابه .ألا ترى أن النافلة لما سقط فيها الركوع سقط فيها القيام والقراء ة لم تجب لأجل غيرها فتسقط بالعجز عن ذلك الغير(شرح التلقين،لابى عبد الله محمد بن على بن عمر التَّمِيمى المازرى المالكى،ج ا،ص ۸۶۳،فصل صلاة المريض)

ولو عجز عن الركوع والسجود دون القيام لعلة بظهره تمنع الانحناء لزمه القيام ويأتى بالركوع والسجود بحسب الطاقة فيحنى صلبه قدر الإمكان فإن لم يطق حنى رقبته ورأسه فإن احتاج فيه إلى شء يعتمد عليه أو ليتكء إلى جنبه لزمه ذلك فإن لم يطق الانحناء أصلا أومأ إليهما(المجموع شرح المهذب،ج۳،ص ۲۶۳،باب صفة الصلاة،فرع فى مسائل تتعلق بالقيام)

وإن أمكنه القيام وعجز عن الركوع والسجود صلى قائمًا، فأومأ بالركوع، ثم جلس فأومأ بالسجود؛ لأن سقوط فرض لا يسقط فرضًا غيره(الكافى فى فقه الإمام أحمد،ج ا،ص ۳۱۴،باب صلاة المريض)

وفى النهر ما يفيد أنه عند العجز عن السجود يفترض عليه أن يقوم للقراء ة فإذا جاء أوان الركوع والسجود يقعد ويومىء بهما(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ج ا،ص ۴۳۱،باب صلاة المريض)

قوله" :صلى قاعدا بالإيماء "لو قال أومأ قاعدا لكان أولى إذ يفترض عليه أن يقوم فإذا جاء أوان الركوع والسجود أومأ قاعدا وإنما لم يلزمه القيام عند الإيماء للركوع والسجود لا مطلقا على ما ذكره فى النهر وإن كان ظاهر الزيلعى يقتضى سقوط ركنية القيام أصلا(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ج ا،ص ۴۳۴،باب صلاة المريض)

www.idaraghufran.org

رکوع وسجدہ وغیرہ تمام ارکان کا مستقل فرائض وارکان ہونا معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ گزرا۔ [1]
لیکن متعدد مشائخِ حنفیہ کے نزدیک جب کوئی شخص سجدہ پر قادر نہ ہو، تو اس پر قیام کرنا فرض نہیں رہتا، اور اسے بیٹھ کر نماز پڑھنا درست وجائز ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] وقال خواهر زاده يومء للركوع قائما وللسجود قاعدا(تبيين الحقائق، ج ا، ص ٢٠٢، باب صلاة المريض)

قوله وللسجود قاعدا) أى اعتبارا لأصلهما .اهـ .غاية(حاشية الشلبى علىٰ تبيين الحقائق ، ج ا ص ٢٠٢ ،كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

والاحوط عندى ماذكره فى النهر من وجوب القيام عليه للقراء ة ، وانما الخلاف فى وجوب القيام للايماء بالركوع والسجود ، فالافضل عندنا الايماء بهما قاعدا، ولايجب القيام للايماء بواحد منهما، وعند الشافعية ومن وافقهم يؤمى للركوع قائما وللسجود قاعدا كما، وهذا، وان تفرد صاحب النهر بذكره، ولم يوافقه عليه احد من ناقلى المذهب، ولكنه قوى من حيث الدليل، فان ظاهر حديث عمران مؤيد له كما لايخفى، والله تعالىٰ اعلم (اعلاء السنن، ج٧ص ٢٠٣، باب حكم صلاة المريض)

حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے علاوہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بھی دلائل کے لحاظ سے اسی کو راجح قرار دیا ہے، لیکن کوئی غیر مجتہد مشائخِ حنفیہ کے جواز والے قول پر عمل کرے، تو اس کی نماز کے جواز کی بھی گنجائش دی ہے (ملاحظہ ہو: ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی، ص ۴۵، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ، اپریل 2013ء)

اور بندہ بھی دلائل کی رو سے اسی جمہور کے قول کو راجح سمجھتا ہے۔ محمد رضوان۔

[2] اور اگر کوئی شخص سجدہ پر تو قادر ہو، مگر رکوع پر قادر نہ ہو، تو جمہور فقہائے کرام اور متعدد حنفیہ کے نزدیک اس سے بھی قیام معاف نہیں ہوتا، لیکن اکثر مشائخ حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص سے قیام معاف ہو جاتا ہے، جیسا کہ آگے رکوع کی بحث میں آتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص سجدہ پر قادر نہ ہو، اور رکوع وقیام پر قادر ہو، تو جمہور فقہائے کرام اور متعدد حنفیہ کے نزدیک اس سے نہ تو قیام معاف ہوتا اور نہ قیام کر کے رکوع کرنا معاف ہوتا اور رکوع سے معذور ہو، تو اس سے بھی قیام معاف نہیں ہوتا، جبکہ بہت سے مشائخ حنفیہ، سجدہ سے معذور کو قیام اور رکوع معاف قرار دیتے ہیں، اور رکوع سے معذور کو بھی قیام معاف قرار دیتے ہیں، اور یہ فرماتے ہیں کہ قیام اور رکوع، سجدہ کا وسیلہ ہے، اور جب اصل معاف ہو، تو وسائل معاف ہوا کرتے ہیں، مگر ہمیں کسی نص سے قیام اور رکوع کے بارے میں سجدہ کا وسیلہ ہونا ثابت نہ ہوا، اور قیاسِ محض سے منصوص فریضہ کے ترک کی گنجائش راجح معلوم نہیں ہوئی۔ محمد رضوان۔

رجل بحلقه جراح لا يقدر على السجود ويقدر علىٰ غيرها من الافعال فانه يصلى قاعدا بايماء لان القيام والركوع شرعا وسيلة الى السجود ولهذا شرع السجود قربة خارج الصلاة دون القيام والركوع فاذا سقط السجود لمكان العجز سقط الوسيلة والتبع تحقيقا للتبعية (شرح الزيادات لقاضى خان ج ا ص ٢٣٥، ٢٣٦ ،باب من الصلاة التى يكون فيها العذران)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

لہٰذا جب تک کسی شخص کو قیام کرنے کی قدرت ہو، اگرچہ سجدہ ورکوع کی قدرت نہ ہو، تو اسے حتی الامکان قیام ترک نہیں کرنا چاہئے، اور اسے قیام کے موقع پر قیام کرنا چاہئے، اور رکوع بھی کھڑے ہو کر اشارہ سے کرنا چاہئے، اور سجدہ کا اشارہ بیٹھ کر کرنا چاہئے، تاکہ سب کے نزدیک نماز ادا ہو جائے۔

قیام پر قادر اور سجدہ اور قعدہ پر غیر قادر کا حکم

جو شخص قیام کرنے پر تو قادر ہو، اور سجدہ اور قعدہ کرنے پر قادر نہ ہو، تو وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا، اور سجدہ اور قعدہ کا حسبِ قدرت اشارہ کرے گا۔

ایسی صورت میں اگر وہ زمین یا کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھے گا، اور قیام کو ترک کرے گا، تو جمہور اور اکثر فقہائے کرام اور متعدد حنفیہ کے نزدیک اس کی نماز ادا نہیں ہوگی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ولهذا سقط الركوع عمن سقط عنه السجود وان كان قادرا على الركوع وكان الركوع بمنزلة التابع له فكذا القيام بل اولىٰ لان الركوع اشد تعظيما واظهارا لذل العبودية من القيام ثم لما جعل تابعا له وسقط بسقوطه فالقيام اولىٰ (بدائع الصنائع ج ا ص ۱۰۷، كتاب الصلاة، فصل اركان الصلاة)

وأما إذا كان قادرا على القيام وعاجزا عن الركوع والسجود، فإنه يصلى قاعدا بإيماء وسقط عنه القيام؛ لأن هذا القيام ليس بركن؛ لأن القيام إنما شرع لافتتاح الركوع والسجود به، فكل قيام لا يعقبه سجود لا يكون ركنا، ولأن الإيماء إنما شرع للتشبه بمن يركع ويسجد والتشبه بالقعود أكثر، ولهذا قلنا بأن الموء يجعل السجود أخفض من ركوعه؛ لأن ذلك أشبه بالسجود إلا أن بشرا يقول :إنما سقط عنه بالمرض ما كان عاجزا عن إتيانه، فأما فيما هو قادر عليه لا يسقط عنه، ولكن الانفصال عنه على ما بينا (المبسوط للسرخسي، ج ا ص ۲۱۳، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

[1] البتہ متعدد مشائخِ حنفیہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں نماز ادا ہو جائے گی، کیونکہ وہ سجدہ سے معذور پر قیام کو فرض قرار نہیں دیتے۔ محمد رضوان۔

عدم القدرة على السجود:

السجود ركن فى الصلاة لقوله تعالى :(اركعوا واسجدوا) ، واختلفوا فى عدم القدرة على السجود والجلوس مع القدرة على القيام على اتجاهين:

الأول :يرى المالكية والشافعية أن القادر على القيام فقط دون السجود والجلوس يومء لهما من القيام، ولا يجوز له أن يضطجع ويومء لهما من اضطجاعه، فإن اضطجع تبطل الصلاة عندهم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کرسی پر بیٹھنے سے قیام کا فریضہ ادا نہیں ہوتا

کرسی پر بیٹھنے والا چونکہ کرسی کے سہارے کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے، اور اگر اس کے نیچے سے کرسی کا سہارا ہٹا دیا جائے، تو وہ دھڑام سے نیچے گر پڑے، اور اس طرح بغیر شرعی عذر کے اگر کوئی سہارے کے ساتھ قیام بھی کرے، تو جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس کے قیام کا فریضہ ادا نہیں ہوتا، اور اسی طرح کرسی پر بیٹھے ہوئے ہونے کی حالت میں اس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں، اور اگر کوئی بغیر شرعی عذر کے سہارا لئے بغیر بھی اتنی مقدار جھک کر کھڑا ہو، تو اس سے قیام کا فریضہ ادا نہیں ہوتا، بلکہ وہ حالت قیام کے بجائے رکوع کی حالت کہلاتی ہے، اور عرف میں کرسی کی نشست قیام کی نہیں کہلاتی، پس اس سے معلوم ہوا کہ کرسی پر بیٹھنے سے قیام کا فریضہ ادا نہیں ہوتا، لہٰذا جس شخص پر قیام فرض ہو، اور وہ قیام ترک کر کے کرسی پر بیٹھ کر فرض نماز پڑھے، تو اس کی نماز ادا نہیں ہوگی۔

البتہ اگر سنت ونفل نماز ہو، تو اس میں چونکہ کھڑے ہونا فرض نہیں، اور سنت ونفل نماز کو بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے، اس لئے سنت ونفل نمازوں کو کرسی پر بیٹھ کر پڑھنا جائز ہوگا، اگرچہ زمین پر بیٹھ کر پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے، لیکن اگر زمین پر سجدہ کرنے کی قدرت ہو، تو کرسی پر بیٹھنے والے کو فرض نمازوں کی طرح نفل وسنت نمازوں میں بھی زمین پر سجدہ کرنا ضروری ہوگا، اور کرسی پر بیٹھے بیٹھے سر جھکا کر اشارہ سے یا کرسی کے سامنے ٹیبل وغیرہ پر پیشانی ٹکا کر سجدہ کرنا جائز نہ ہوگا، جس کی مزید تفصیل آگے سجدہ کے بیان اور کرسی پر نماز کے حکم میں آتی ہے۔

وَاللّٰهُ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُهٗ اَتَمُّ وَاَحۡكَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الثانی :یری الحنفیة والحنابلة أن القادر علی القیام فقط دون السجود والجلوس یومء لهما وهو قائم؛ لأن الساجد عندهم كالجالس فی جمع رجلیه علی أن یحصل فرق بین الإیماء ین (الموسوعة الفقهیة الكویتیة، ج۲۷، ص ۲۶۲، مادة ”صلاة المریض“)

﴿فصل نمبر۲﴾

رکوع کی فرضیت اوراس سے معذوری کے احکام

فرض، واجب، سنت اور نفل سب طرح کی نمازوں کی ہر رکعت میں ایک مرتبہ رکوع کرنا فرض ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

یَااَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا (سورۃ الحج، رقم الآیۃ ۷۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! رکوع کروتم اور سجدہ کروتم (سورہ حج)

اس آیت سے رکوع اور سجدہ کی فرضیت معلوم ہوئی، اور یہ بھی واضح ہوا کہ نماز میں رکوع اور سجدہ دونوں الگ الگ اور مستقل فریضے ہیں، اور کوئی ایک فریضہ دوسرے فریضہ کے تابع نہیں، اور احادیث میں بھی رکوع کا مستقل اور سجدہ کا مستقل حکم مذکور ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَعَھِدْنَآ اِلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعَاکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ (سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ ۱۲۵)

ترجمہ: اور ہم نے ابراہیم واسماعیل سے عہد لیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع، سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو (سورہ بقرہ)

اسی طرح کا مضمون سورہ حج میں بھی آیا ہے۔ [۱]

یہاں بھی رکوع اور سجدہ کو الگ الگ ذکر کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ نماز میں رکوع اور

---

[۱] وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرَاھِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا وَطَھِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ (سورۃ الحج، رقم الآیۃ ۲۶)

www.idaraghufran.org

سجدہ مستقل عبادت اور رکن ہیں، اور ان میں سے کوئی ایک رکن دوسرے کے تابع نہیں۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ: رُكُوعِهِنَّ، وَسُجُودِهِنَّ، وَوُضُوئِهِنَّ، وَمَوَاقِيتِهِنَّ، وَعَلِمَ أَنَّهُنَّ حَقٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ، دَخَلَ الْجَنَّةَ، أَوْ قَالَ: وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۳۴۵) [1]

ترجمہ: جس نے پانچ نمازوں کی حفاظت کی، ان کے رکوع کی بھی، اور ان کے سجدوں کی بھی، اور ان کی وضو کی بھی، اور ان کے اوقات کی بھی (یعنی ان تمام چیزوں کی رعایت کے ساتھ پانچ نمازوں کا اہتمام کیا) اور اس بات کا یقین بھی رکھا کہ یہ نمازیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق اور فرض ہیں، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اس کے لئے جنت واجب ہوجائے گی (مسند احمد)

اس حدیث میں جس طرح نماز کے رکوع کی حفاظت کو بیان کیا گیا ہے، اسی طرح سجدہ کی حفاظت کو بھی بیان کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ نماز میں رکوع اور سجدہ دونوں کی اہمیت ہے، اور ان میں سے کوئی ایک رکن دوسرے رکن کے تابع نہیں۔

اس لئے امت کا اجماع ہے کہ نماز میں رکوع کرنا نماز کا ایک مستقل فرض اور رکن ہے۔ [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح بشواهده (حاشية مسند احمد)

[2] اور بعض مشائخ حنفیہ نے رکوع کو سجدہ کا وسیلہ قرار دیا ہے، جس طریقہ سے قیام کو بھی سجدہ کا وسیلہ قرار دیا ہے، مگر یہ قول جمہور فقہائے کرام کے خلاف ہے، اور متعدد مشائخ حنفیہ نے بھی اس سے اختلاف کرتے ہوئے قیام کو مستقل بالذات فریضہ قرار دیا ہے، اور جب قیام مستقل بالذات فریضہ ہے، تو رکوع بدرجۂ اولیٰ مستقل بالذات فریضہ ہوگا، جس کی تائید قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات اور حدیث سے بھی ہوتی ہے، لہٰذا یہ قول دلیل کے لحاظ سے بہت وزن رکھتا ہے، اور ہمارا رجحان بلکہ اطمینان اسی طرف ہے، جس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے، اور پیچھے قیام کی بحث میں بھی گزر چکی ہے۔ محمد رضوان۔

أجمعت الأمة على أن الركوع ركن من أركان الصلاة لقوله تعالى: (يا أيها الذين آمنوا اركعوا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رکوع کی حقیقت اوراس کا ادنیٰ درجہ

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكَعَ، فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۸۶۵) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکوع کرتے ہوئے دیکھا، آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھے (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ رکوع میں اتنا جھکا جاتا ہے کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔

اوراسی وجہ سے فقہائے کرام نے فرمایا کہ رکوع کے معنیٰ جھکنے کے ہیں، اور رکوع کی ادنیٰ حد یعنی کم ازکم درجہ اپنی کمر موڑ کر اتنا جھکنا ہے کہ اگر دونوں ہاتھ بڑھائے جائیں تو وہ گھٹنوں تک پہنچ جائیں، اور یہ حالت نہ ہو، تو وہ قیام کی حالت ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واسجدوا)الآية، وللأحاديث الثابتة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳ص۱۲۷، مادة "ركوع")

ودليل فرضية الركوع :قوله تعالى :(يا أيها الذين آمنوا اركعوا)وحديث المسيء صلاته ...ثم اركع حتى تطمئن راكعا وللإجماع على فرضيته.

ودليل وضع اليدين على الركبتين :ما ذكره أبو حميد في صفة صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم :رأيته إذا ركع، أمكن يديه من ركبتيه، ثم هصر ظهره يعنى عصره حتى يعتدل(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۲ص۸۴۱، الباب الثانى، الفصل الخامس)

[1] قال شعيب الارنؤوط:إسناده صحيح، رجاله ثقات(حاشية مسند احمد)

[2] الركوع:وأقله طأطأة الرأس مع انحناء الظهر؛ لأنه هو المفهوم من موضوع اللغة فيصدق عليه قوله تعالى :(اركعوا) ، وفى السراج الوهاج :هو بحيث لو مد يديه نال ركبتيه(الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج۲۷ص۷۳، مادة "صلاة")

القيام لغة :من قام يقوم قوما وقياما :انتصب، وهو نقيض الجلوس.

ولا يخرج اصطلاح الفقهاء عن المعنى اللغوى(الموسوعة الفقهية الكويتية ،ج۳۴ص۱۰۶، مادة "قيام")

القيام:وهو ركن فى فرض للقادر عليه، ويشمل التام منه وهو :الانتصاب مع الاعتدال، وغير التام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور رکوع میں انسان کے اوپر کا دھڑ تو ٹیڑھا یا مُڑا ہوا ہوتا ہے اور نیچے کا دھڑ سیدھا ہوتا ہے اور

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وهو :الانحناء القليل بحيث لا تنال يداه ركبتيه(الموسوعة الفقهية الكويتية ،ج٢٧ص ٧٣، مادة "صلاة")

أقل الركن وأكمله:

قد يكون للركن كيفيتان يتحقق بهما، إحداهما :كيفية الإجزاء ويطلق عليها بعض الفقهاء كالشافعية أقل الركن، والثانية :كيفية الكمال، وهى الكيفية التى توافق السنة.

ومن تلك الأركان فى باب الصلاة الركوع والسجود، فينص الفقهاء على أن لهما كيفيتين.

فأقل الركوع وهو القدر المجزء منه عند الجمهور أن ينحنى حتى تقترب فيه راحتا كفيه من ركبتيه.

وقال الحنفية :هو خفض الرأس مع انحناء الظهر، وذلك لأنه المفهوم من موضوع اللغة فيصدق عليه قوله تعالى :(اركعوا) ، وقد نص الشافعية على كراهة الاقتصار على الأقل .وأكمل الركوع أن يسوى ظهره وعنقه، ويمكن يديه من ركبتيه مفرقا أصابعه وناصبا لركبتيه .وأقل السجود مباشرة بعض جبهته مصلاه، وهناك خلاف فى بقية الأعضاء بين المذاهب وينظر تفصيل ذلك فى مصطلحاتها :(ركوع، سجود)(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج٢٣،ص١١٥،مادة "ركن")

(قوله إلى أن يبلغ الركوع) أى يبلغ أقل الركوع بحيث تنال يداه ركبتيه .وعبارته فى الخزائن عن القنية إلى أن يصير أقرب إلى الركوع(ردالمحتار، ج ١ ص ٤٤٥، كتاب الصلاة)

وأدناه شرعا إنحناء الظهر بحيث لو مد يديه ينال ركبتيه......وفى الحموى فإن ركع جالسا ينبغى أن تحاذى جبهته ركبتيه ليحصل الركوع اهـ ولعل مراده إنحناء الظهر عملا بالحقيقة لا أنه يبالغ فيه حتى يكون قريبا من السجود (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص ٢٢٩،كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة واركانها)

واختلفوا فى حد الركوع ففى البدائع وأكثر الكتب :القدر المفروض من الركوع أصل الانحناء والميل، وفى الحاوى :فرض الركوع انحناء الظهر، وفى منية المصلى :الركوع طأطأة الرأس، ومقتضى الأول لو طأطأ رأسه ولم يحن ظهره أصلا مع قدرته عليه لا يخرج عن عهدة فرض الركوع، وهو حسن، كذا فى شرح منية المصلى(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ١، ص ٣٠٩، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة)

(قوله ومقتضى الأول أنه لو طأطأ إلخ) ظاهره أن مقتضى كلام المنية أنه لو طأطأ رأسه ولم يحن ظهره مع القدرة عليه يخرج عن العهدة وليس كذلك فإن مراده طأطأة الرأس مع انحناء الظهر كما يدل عليه قوله الآتى وإن طأطأ رأسه قليلا ولم يعتدل إن كان إلى الركوع أقرب جاز وإن كان إلى القيام أقرب لا يجوز .اهـ

وقال الشيخ إبراهيم فى شرحها طأطأة الرأس أى خفضه مع انحناء الظهر لأنه هو المفهوم من وضع اللغة فيصدق عليه قوله تعالى (اركعوا) ، وأما كما له فبانحناء الصلب حتى يستوى الرأس بالعجز محاذاة، وهو حد الاعتدال فيه اهـ.كذا فى حواشى نوح أفندى(منحة الخالق على البحر الرائق،ج ١،ص ٣٠٩،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة)

Idara Ghufran

اس کے جسم کا زور پاؤں پر ہوتا ہے۔ [1]

رکوع سے معذور شخص کو اشارہ کا حکم

اگر کوئی شخص کمر اور سر کو اتنا جھکا کر رکوع کرنے پر قادر نہ ہو کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ سکتے ہوں، اور قادر نہ ہونے کی وہی شکلیں ہیں کہ یا تو اس کو مذکورہ طریقہ پر رکوع کرنا ممکن ہی نہ ہو یا ممکن تو ہو مگر واقعی درجہ میں سخت تکلیف ہوتی ہو (مثلاً جھکنے سے کمر میں غیر معمولی درد ہوتا ہو یا کمر کے مہرے میں تکلیف ہوتی ہو) یا پہلے سے موجود بیماری میں اضافہ ہوتا ہو یا بیماری

---

[1] لأن حالة الركوع كحالة القيام فإن القائم إنما يفارق القاعد فى النصف الأسفل؛ لأن النصف الأسفل من القاعد منثن ومن القائم مستو فأما النصف الأعلى فيهما سواء والراكع كالقائم فى استواء النصف الأسفل منه(المبسوط للسرخسي، ج۲ ص۹۴،كتاب الصلاة، باب نوادر الصلاة)

القيام اسم لمعنيين متفقين فى محلين مختلفين، وهما الانتصابان فى النصف الأعلى والنصف الأسفل، فلو تبدل الانتصاب فى النصف الأعلى بما يضاده وهو الانحناء سمى ركوعا لوجود الانحناء ؛ لأنه فى اللغة عبارة عن الانحناء من غير اعتبار النصف الأسفل؛ لأن ذلك وقع وفاقا، فأما هو فى اللغة فاسم لشيء واحد فحسب وهو الانحناء ، ولو تبدل الانتصاب فى النصف الأسفل بما يضاده وهو انضمام الرجلين وإلصاق الألية بالأرض يسمى قعودا، فكان القعود اسما لمعنيين مختلفين فى محلين مختلفين، وهما الانتصاب فى النصف الأعلى والانضمام والاستقرار على الأرض فى النصف الأسفل، فكان القعود مضادا للقيام فى أحد معنييه، وكذا الركوع، والركوع مع القعود يضاد كل واحد منهما للآخر بمعنى واحد وهو صفة النصف الأعلى، واسم المعنيين يفوت بالكلية بوجود مضاد أحد معنييه كالبلوغ واليتم، فيفوت القيام بوجود القعود أو الركوع بالكلية، ولهذا لو قال قائل :ما قمت بل قعدت، وما أدركت القيام بل أدركت الركوع -لم يعد مناقضا فى كلامه.

وأما الحكم فلأن ما صار القيام لأجله طاعة يفوت عند الجلوس بالكلية؛ لأن القيام إنما صار طاعة لانتصاب نصفه الأعلى، بل لانتصاب رجليه، لما يلحق رجليه من المشقة، وهو بالكلية يفوت عند الجلوس، فثبت حقيقة وحكما أن القيام يفوت عند الجلوس (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۴۲، ۱۴۳، كتاب الصلاة، فصل شرائط اركان الصلاة)

يشترط أن يكون النصف الأسفل مستويا(مجمع الانهر، ج ۱ ص ۹۶، كتاب الصلاة، فصل صفة الشروع فى الصلاة)

والراكع كالقائم فى استواء النصف الأسفل منه(المبسوط للسرخسي، ج۲ ص۹۴، كتاب الصلاة، باب نوادر الصلاة)

کے دیر سے ٹھیک ہونے کا ڈر ہو، مگر یہ شخص قیام کرنے پر قادر ہو، اور اسی طریقہ سے یہ شخص زمین پر پیشانی ٹِکا کر سجدہ کرنے پر بھی قادِر ہو (اگرچہ واقع اور خارج میں ایسی صورت کا وجود مشکل ہے) تو اس سے رکوع معاف ہو جاتا ہے، اور اس کو اپنی قدرت و استطاعت کے مطابق رکوع کا اشارہ کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ [1]

رکوع سے معذور کو قیام وسجدہ کا حکم

ایسا شخص کہ جو رکوع پر قادر نہ ہو، اس کو فرض نمازوں میں قیام کرنا ضروری ہوتا ہے، یا اس سے قیام معاف ہو جاتا ہے؟ تو اس سلسلہ میں وہی تفصیل ہے، جو قیام کے بیان میں گزری ہے کہ جمہور اور اکثر فقہائے کرام اور متعدد مشائخِ حنفیہ کے نزدیک اس سے فرض نماز میں قیام معاف نہیں ہوتا۔

اسی وجہ سے رکوع سے معذور مذکورہ شخص کے اشارہ سے رکوع کرنے کا طریقہ جمہور اور اکثر فقہائے کرام اور متعدد حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ قیام کی حالت میں کھڑے کھڑے ہی رکوع کا اشارہ کرے، جس کی وجہ یہی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک ایسے شخص سے قیام معاف نہیں ہوتا، اور دلائل اور احتیاط کے اعتبار سے یہی قول راجح ہے۔ [2]

---

[1] عدم القدرة علی الرکوع:
الرکوع فی الصلاة رکن؛ لقوله تعالی :(ارکعوا واسجدوا)والجمهور علی أن من لم یمکنه الرکوع أومأ إلیه، وقرب وجهه إلی الأرض علی قدر طاقته، ویجعل الإیماء للسجود أخفض من إیماء الرکوع(الموسوعة الفقهیة الکویتیة،ج۲۷،ص ۲۶۱،مادة "صلاة المریض")

[2] لکن الخلاف فی کیفیة أداء ذلک مع عدم القدرة علی الرکوع دون القیام.
اختلف الفقهاء فی ذلک علی رأیین:
الأول :وهو الذی علیه الجمهور أن القادر علی القیام دون الرکوع یومء من القیام، لأن الراکع کالقائم فی نصب رجلیه، وذلک لقوله تعالی :(وقوموا لله قانتین) وقول النبی صلی الله علیه وسلم لعمران بن حصین :صل قائما ولأنه رکن قدر علیه، علی أن یکون هناک فرق واضح بین الإیماء ین إذا عجز عن السجود أیضا (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۷،ص ۲۶۱و۲۶۲،مادة " صلاة المریض")

IdaraGhufran

جبکہ اس کے برعکس متعدد مشائخِ حنفیہ کے نزدیک جو شخص درد وتکلیف یا کسی اور بیماری کی وجہ سے رکوع کرنے پر قادر نہ ہو، تو اسے کھڑے ہو کر بھی اشارہ سے رکوع کرنا جائز ہوتا ہے، اور بیٹھ کر بھی اشارہ سے رکوع کرنا جائز ہوتا ہے، کیونکہ ان حضرات کے نزدیک ایسے شخص سے قیام معاف ہوجاتا ہے، لیکن دلائل کے لحاظ سے اکثر وجمہور فقہائے کرام کا قول راجح ہے اور احتیاط بھی ان حضرات کے ہی قول میں ہے، جیسا کہ گزرا۔

لیکن جب یہ شخص زمین پر پیشانی ٹِکا کر سجدہ کرنے پر قادِر ہے، تو اس کو تمام فقہائے کرام کے نزدیک باقاعدہ زمین پر پیشانی ٹِکا کر سجدہ کرنا ضروری ہوتا ہے، اور اس سے سجدہ معاف نہیں ہوتا۔ [1]

---

[1] یہ بات دوبارہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ بعض مشائخِ حنفیہ کے نزدیک جو شخص کھڑے ہو کر رکوع پر قادر نہ ہو، اگرچہ قیام اور سجدہ پر قادر ہو، تو اس سے اصلاً قیام ہی معاف ہوجاتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک قیام رکوع وسجدہ کا وسیلہ ہے، اور اسی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک ایسے شخص کو پوری نماز بیٹھ کر پڑھنا بھی نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ افضل ہے، جبکہ جمہور فقہائے کرام اور متعدد حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص سے قیام معاف نہیں ہوتا، اسی وجہ سے وہ رکوع کا اشارہ قیام کی حالت میں کرنے کے قائل ہیں، اور دلائل کے لحاظ سے جمہور کا قول راجح وقوی اور احتیاط پر مبنی ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔

وكذلک لو عجز عن الركوع والسجود دون القيام "لزماه عند غير الحنفية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٠،ص٩٧،مادة "تبعيض")

الثانی :عند الحنفية أن القيام يسقط عن المريض حال الركوع، ولو قدر على القيام مع عدم القدرة على الركوع فيصلی قاعدا يومء إيماء ؛ لأن ركنية القيام للتوصل به إلى السجدة؛ لما فيها من نهاية التعظيم، فإذا كان لا يتعقبه السجود لا يكون ركنا فيتخير، والأفضل عندهم هو الإيماء قاعدا؛ لأنه أشبه بالسجود (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧،ص ٢٦١ و٢٦٢،مادة "صلاة المريض")

قال فی البحر :ولم أر ما إذا تعذر الركوع دون السجود غير واقع اهـ أی لأنه متی عجز عن الركوع عجز عن السجود نهر .قال ح :أقول علی فرض تصوره ينبغی أن لا يسقط لأن الركوع وسيلة إليه ولا يسقط المقصود عند تعذر الوسيلة، كما لم يسقط الركوع والسجود عند تعذر القيام (ردالمحتار، ج٢ص٩٧، باب صلاة المريض)

بقی مالو قدر علی السجود وعجز عن الركوع قال فی النهر وهذا لايتصور فان من عجز عن الركوع عجز عن السجود اقول علیٰ فرض تصوره ينبغی ان لايسقط لان الركوع وسيلة اليه ولا يسقط المقصد عند تعذر الوسيلة كما لا يسقط الركوع والسجود عند تعذر القيام (طحطاوی علی الدر ج ١ ص٣١٨،باب صلاة المريض)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر کوئی شخص سجدہ سے معذور ہو، تو اکثر اور جمہور فقہائے کرام اور متعدد حنفیہ کے نزدیک صرف رکوع سے عاجز ہونے کی وجہ سے قیام بھی معاف نہیں ہوا کرتا، اور دلیل کے مضبوط ہونے کے علاوہ احتیاط بھی اسی میں ہے، جیسا کہ قیام کے بیان میں پہلے گزرا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإن كان قادرا على القيام دون الركوع والسجود فإنه يومىء قاعدا لا قائما فهو المستحب ولو أومأ قائما جازوهذا عندنا وقال الشافعي يصلى قائما لا قاعدا لأن القيام ركن فلا يسقط من غير عذر.
ولكنا نقول إن الغالب أن من عجز عن الركوع عجز عن القيام والغالب ملحق بالمتيقن(تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ا ص ۱۹۰، ۱۹۱، باب صلاة المريض)

وإن كان قادرا على القيام دون الركوع والسجود يصلى قاعدا بالإيماء، وإن صلى قائما بالإيماء أجزأه ولا يستحب له ذلك وقال زفر والشافعي :لا يجزئه إلا أن يصلى قائما، (واحتجا) بما روينا عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه قال لعمران بن حصين -رضى الله عنه :-فإن لم تستطع فقاعدا، علق الجواز قاعدا بشرط العجز عن القيام، ولا عجز؛ ولأن القيام ركن فلا يجوز تركه مع القدرة عليه كما لو كان قادرا على القيام والركوع والسجود، والإيماء حالة القيام مشروع فى الجملة بأن كان الرجل فى طين وردغة راجلا، أو فى حالة الخوف من العدو وهو راجل، فإنه يصلى قائما بالإيماء، كذا ههنا.

(ولنا) أن الغالب أن من عجز عن الركوع والسجود كان عن القيام أعجز؛ لأن الانتقال من القعود إلى القيام أشق من الانتقال من القيام إلى الركوع، والغالب ملحق بالمتيقن فى الأحكام، فصار كأنه عجز عن الأمرين، إلا أنه متى صلى قائما جاز؛ لأنه تكلف فعلا ليس عليه، فصار كما لو تكلف الركوع جاز وإن لم يكن عليه كذا ههنا؛ ولأن السجود أصل وسائر الأركان كالتابع له، ولهذا كان السجود معتبرا بدون القيام كما فى سجدة التلاوة، وليس القيام معتبرا بدون السجود بل لم يشرع بدونه، فإذا سقط الأصل سقط التابع ضرورة، ولهذا سقط الركوع عمن سقط عنه السجود، وإن كان قادرا على الركوع، وكان الركوع بمنزلة التابع له، فكذا القيام بل أولى؛ لأن الركوع أشد تعظيما وإظهارا لذل العبودية من القيام، ثم لما جعل تابعا له وسقط بسقوطه فالقيام أولى، إلا أنه لو تكلف وصلى قائما يجوز لما ذكرنا، ولكن لا يستحب؛ لأن القيام بدون السجود غير مشروع، بخلاف ما إذا كان قادرا على القيام والركوع والسجود؛ لأنه لم يسقط عنه الأصل فكذا التابع (بدائع الصنائع، ج ا ص ۱۰۶، كتاب الصلاة، فصل اركان الصلاة)

[1] مگر بہت سے مشائخِ حنفیہ کے نزدیک رکوع سے عجز کی وجہ سے قیام بھی معاف ہو جاتا ہے۔ کمامر۔

ولهذا سقط الركوع عمن سقط عنه السجود، وإن كان قادرا على الركوع، وكان الركوع بمنزلة التابع له، فكذا القيام بل أولى؛ لأن الركوع أشد تعظيما وإظهارا لذل العبودية من القيام، ثم لما جعل تابعا له وسقط بسقوطه فالقيام أولى، إلا أنه لو تكلف وصلى قائما يجوز لما ذكرنا، ولكن لا يستحب؛ لأن القيام بدون السجود غير مشروع، بخلاف ما إذا كان قادرا على القيام والركوع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قیام سے معذور کو بیٹھ کر رکوع کرنے کا حکم

جو شخص قیام سے معذور ہو، یا وہ ایسی نماز بیٹھ کر پڑھ رہا ہو کہ جس میں قیام ضروری نہیں، جیسا کہ عام سنت ونفل نمازیں، تو اس کو رکوع سمیت پوری نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہوتا ہے۔

کرسی پر بیٹھ کر رکوع کرنے سے رکوع کا فریضہ ادا نہیں ہوتا

جس طرح کرسی پر بیٹھنے سے نماز کے قیام کا فریضہ ادا نہیں ہوتا، اسی طرح اگر کوئی شخص قیام کرنے اور باقاعدہ کھڑے ہو کر رکوع کرنے پر قادر ہو، اور وہ زمین پر پیشانی ٹِکا کر سجدہ کرنے پر بھی قادر ہو، اور وہ کرسی پر بیٹھ کر فرض نماز کا رکوع کرے، تو اس سے رکوع کا فریضہ ادا نہیں ہوگا، کیونکہ رکوع درحقیقت اس طرح کھڑے ہو کر ادا کیا جاتا ہے، جس میں جسم کا سارا زور انسان کے پاؤں پر ہوتا ہے، اور اس کے اوپر کا دھڑ ٹیڑھا اور نیچے کا دھڑ سیدھا ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ کرسی پر بیٹھ کر رکوع کرتے وقت نہ تو جسم کا سارا زور پاؤں پر ہوتا، اور نہ ہی نیچے والا دھڑ سیدھا ہوتا ہے بلکہ ٹیڑھا ہوتا ہے، جس کو قعدہ کا حکم حاصل ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ والسجود؛ لأنه لم يسقط عنه الأصل فكذا التابع (بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۱۰۷، كتاب الصلاة، فصل اركان الصلاة)

وبهذا ظهر أن تعذر أحدهما كاف للإيماء بهما وفى البدائع أن الركوع يسقط عمن يسقط عنه السجود وإن كان قادرا على الركوع اهـ (البحرالرائق، ج ۲ ص ۱۲۲، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

بل يلزم من كلامه أيضا أن لا يسقط الركوع عنه إذا عجز عن السجود فقط لأنه يمكنه أداؤه قائما كالقراءة مع أنه يسقط عنه كما مر عن البدائع وبعد هذا فإن كان ما ذكره منقولا فهو مقبول وإن كان قاله قياسا على ما إذا قدر على بعض القيام حيث يلزمه وتلزمه القراءة فيه فالفرق جلى لا يخفى فليراجع (منحة الخالق على البحرالرائق، ج ۲ ص ۱۲۲، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

لان القيام والركوع لم يشرعا قربة بنفسهما، بل ليكونا وسيلتين الى السجود اه (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

﴿فصل نمبر ۳﴾

سجدہ کی فرضیت اور اس سے معذوری کے احکام

نماز کی ہر رکعت میں دو سجدے کرنا فرض ہے، اور سجدہ میں بعض چیزیں فرض یا واجب اور بعض چیزیں سنت ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا (سورة الحج، رقم الآية ۷۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! رکوع کرو تم اور سجدہ کرو تم (سورہ حج)

اس آیت سے رکوع اور سجدہ کی فرضیت معلوم ہوئی۔

اور سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (سورة الفتح، رقم الآية ۲۹)

ترجمہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور وہ لوگ جو رسول کے ساتھ ہیں، کفار پر بہت سخت ہیں، اور آپس میں رحمدل ہیں، آپ ان کو دیکھیں گے رکوع کی حالت میں، سجدہ کی حالت میں (سورہ فتح)

اس آیت میں رکوع اور سجدہ دونوں کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے، جس سے دونوں کا فرض ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ: رُكُوْعِهِنَّ، وَسُجُوْدِهِنَّ، وَوُضُوْئِهِنَّ، وَمَوَاقِيْتِهِنَّ، وَعَلِمَ أَنَّهُنَّ حَقٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ، دَخَلَ الْجَنَّةَ،

Idara Ghufran

أَوْ قَالَ: وَجَبَتْ لَـهُ الْجَنَّةُ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۳۴۵) ۱

ترجمہ: جس نے پانچ نمازوں کی حفاظت کی، ان کے رکوع کی بھی، اوران کے سجدوں کی بھی، اوران کی وضو کی بھی، اوران کے اوقات کی بھی (یعنی ان تمام چیزوں کی رعایت کے ساتھ پانچ نمازوں کا اہتمام کیا) اوراس بات کا یقین بھی رکھا کہ یہ نمازیں اللہ کی طرف سے حق اور فرض ہیں، تو وہ جنت میں داخل ہوگا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اس کے لئے جنت واجب ہوجائے گی (مسنداحمد)

اس حدیث میں بھی رکوع اور سجدہ کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ نماز میں رکوع اور سجدہ الگ الگ اور مستقل فریضے ہیں، اور کوئی ایک دوسرے کے تابع نہیں۔

قرآن وسنت کے دلائل میں غور کرتے ہوئے فقہائے کرام نے فرمایا کہ ہر رکعت میں دو سجدے کرنا فرض ہے، خواہ وہ نماز فرض ہو یا واجب یا سنت یا نفل نماز ہو۔ ۲

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُـوْلَ الـلّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ، وَهُوَ سَاجِدٌ (مسلم) ۳

---

۱ قال شعيب الارنؤوط: صحيح بشواهده (حاشية مسند احمد)

۲ أجمع الفقهاء على فرضية السجود فى الصلاة وأنه ركن من أركان الصلاة بنص الكتاب والسنة والإجماع.

أما الكتاب فقوله تعالى: (يا أيها الذين آمنوا اركعوا واسجدوا واعبدوا ربكم وافعلوا الخير لعلكم تفلحون).

وأما السنة فمنها حديث المسىء صلاته قال فيه صلى الله عليه وسلم: ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا.

وقوله صلى الله عليه وسلم: أمرت أن أسجد على سبعة أعظم.

كما أجمعوا على وجوب سجدتين فى كل ركعة من ركعات الصلاة، سواء كانت هذه الصلاة فرضا أو سنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ ص۲۰۲، مادة "سجود")

۳ رقم الحديث ۴۸۲ "۲۱۵" كتاب الصلاة، باب ما يقال فى الركوع والسجود.

Idara Ghufran

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے (مسلم)

اس حدیث سے نماز میں سجدہ کی اہمیت معلوم ہوئی۔

اس لئے نماز میں سجدہ نہ صرف یہ کہ فرض ہے، بلکہ نماز کا اہم فریضہ ہے، جس سے غفلت اختیار کرنا کسی طرح درست نہیں۔ [1]

سجدہ میں پیشانی ٹیکنے اور ناک لگانے کا درجہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ تْ سَحَابَةٌ، فَمَطَرَتْ حَتّٰى سَالَ السَّقْفُ، وَكَانَ مِنْ جَرِيْدِ النَّخْلِ، فَأُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ، فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّيْنِ، حَتّٰى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّيْنِ فِيْ جَبْهَتِهٖ

(بخاری) [2]

ترجمہ: بادل آئے، جس سے بارش ہوئی، یہاں تک کہ (مسجد نبوی کی) چھت ٹپکنے لگی، اور چھت اس وقت کھجور کی شاخوں سے (تیار کردہ) تھی، پھر نماز کی اقامت ہوئی، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ پانی اور مٹی میں

---

[1] فإن قيل :ما معنى كون العبد أقرب إلى الله حالة السجود من بين سائر أحواله؟ قلت :لأنه حالة تدل على غاية تذلل، واعتراف بعبودية نفسه وربوبية ربه (شرح ابی داود للعینی، ج۴، ص ۸۳، باب :فی الدعاء فی الرکوع والسجود)

قوله صلى الله عليه وسلم (أقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فأكثروا الدعاء) معناه أقرب ما يكون من رحمة ربه وفضله وفيه الحث على الدعاء فی السجود وفيه دليل لمن يقول إن السجود أفضل من القيام وسائر أركان الصلاة (شرح النووی علی مسلم، ج۴، ص ۲۰۰، باب ما يقال فی الرکوع والسجود)

[2] رقم الحديث ۶۶۹، كتاب الصلاة، باب :هل يصلى الإمام بمن حضر؟ وهل يخطب يوم الجمعة فی المطر؟

سجدہ کر رہے تھے، یہاں تک کہ مٹی کا اثر میں نے آپ کی پیشانی میں دیکھا (بخاری)

پیشانی پر سجدہ کرنے کے اثر سے معلوم ہوا کہ اصل سجدہ، پیشانی ٹیکنے سے ادا ہوتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَسْتَطِعْ أَحَدُنَا أَنْ يُّمَكِّنَ جَبْهَتَهٗ مِنَ الْأَرْضِ بَسَطَ ثَوْبَهٗ فَسَجَدَ عَلَيْهِ (صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۲۳۵۴، كتاب الصلاة،باب ما يكره للمصلی وما لا يكره) [1]

ترجمہ: جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، اور ہم میں سے کسی کو (زمین کی تپش وغیرہ کی وجہ سے) اپنی پیشانی کو زمین پر رکھنے کی استطاعت نہیں ہوتی تھی، تو وہ اپنا کپڑا اچھالیا کرتا تھا، پھر اس پر سجدہ کیا کرتا تھا (ابنِ حبان)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام پیشانی ٹکا کر سجدہ کیا کرتے تھے، اور سجدہ کرنے میں پیشانی ٹکانا ہی اصل ہے۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَسْجُدُ عَلَى الْأَرْضِ وَاضِعًا جَبْهَتَهٗ وَأَنْفَهٗ فِيْ سُجُوْدِهٖ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۸۸۶۴) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا، آپ نے اپنی پیشانی اور ناک کو سجدہ میں (زمین پر) رکھا ہوا تھا (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں پیشانی ٹکانے کے ساتھ ناک بھی لگا کر رکھنی چاہئے۔

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرطهما (حاشية ابنِ حبان)

[2] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَجَدَ أَمْكَنَ أَنْفَهُ وَجَبْهَتَهُ مِنَ الْأَرْضِ، وَنَحّٰى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ (سنن الترمذی) ۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تھے، تو اپنی ناک اور پیشانی کو زمین کے ساتھ جما کر اور ٹکا کر رکھتے تھے، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے پہلوؤں سے جدا رکھتے تھے، اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو اپنے کندھوں کے ساتھ (یعنی ان کے بالمقابل) رکھتے تھے (ترمذی)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سجدہ میں پیشانی ٹِکانے کے ساتھ ساتھ ناک بھی لگا کر رکھنا چاہئے، اور یہ مقصد کسی ٹھوس چیز پر سجدہ کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے، کسی ایسے نرم گدے پر حاصل نہیں ہوتا، جس پر پیشانی ٹکے اور جمے نہیں، اور نیچے دھنستی چلی جائے۔

اس طرح کی احادیث کے پیشِ نظر فقہائے کرام نے فرمایا کہ سجدہ کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ اپنی پیشانی یا اس کا بعض حصہ زمین پر رکھے، یعنی سجدہ میں پیشانی کو رکھنا یا ٹیکنا فرض ہے۔

اور جو چیز زمین کے تابع اور اس پر ٹھہری ہوئی ہو، جس پر وہ کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو (جیسا کہ چوکی، مکان کی چھت وغیرہ) اس پر سجدہ کرنا بھی زمین پر سجدہ کرنے کے قائم مقام شمار ہوتا ہے۔ ۲

---

۱ رقم الحدیث ۲۷۰، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء فی السجود علی الجبهة والأنف.
قال الترمذی: وفی الباب عن ابن عباس، ووائل بن حجر، وأبی سعید، حدیث أبی حمید حدیث حسن صحیح والعمل علیه عند أهل العلم أن یسجد الرجل علی جبهته وأنفه، فإن سجد علی جبهته دون أنفه، فقال قوم من أهل العلم یجزئه، وقال غیرهم :لا یجزئه حتی یسجد علی الجبهة والأنف.

۲ ذهب جمهور الفقهاء (المالکیة والشافعیة والحنابلة والصاحبان من الحنفیة) إلی أن أقل السجود وضع بعض جبهة المصلی علی ما یصلی علیه من الأرض، أو غیرها، فتفرض السجدة علی أیسر جزء من الجبهة لمن کان قادرا، وذلک فی الجملة، حتی لو ترک السجود علیها حال الاختیار لا یجزیه (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۵ ص۱۰۵، مادة ”جبهة“)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

اورسجدہ میں پیشانی کے ساتھ ناک کو رکھنا بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک سنت ہے، لیکن امام ابوحنیفہ اور بعض دوسرے حضرات کے نزدیک سجدہ میں پیشانی کے ساتھ ناک کو رکھنا واجب ہے۔ [1]

اور اگر کوئی پیشانی ٹیکنے سے عاجز ہو (مثلاً اس کی پیشانی میں چوٹ یا زخم ہو، یا کوئی اور عذر ہو) مگر ناک رکھنے پر قادر ہو، تو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس کو ناک رکھ کر ہی سجدہ کرنا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ والسجود فی الاصطلاح :وضع الجبهة أو بعضها على الأرض، أو ما اتصل بها من ثابت مستقر على هيئة مخصوصة فى الصلاة .

ففى كل من الركوع والسجود نزول من قيام، لكن النزول فى السجود أكثر منه فى الركوع(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳ص۱۲۷، مادة "ركوع")

[1] تمكين الأنف مع الجبهة فى السجود سنة عند جمهور الفقهاء ؛ لما روى أبو حميد رضى الله تعالى عنه أن النبى سجد ومكن جبهته وأنفه على الأرض .

وقال الحنفية :إنه واجب، وهو رواية للحنابلة والقول المرجوح عند المالكية، لما روى عن ابن عباس رضى الله تعالى عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :أمرت أن أسجد على سبعة أعظم : الجبهة -وأشار بيده إلى أنفه -واليدين والركبتين وأطراف القدمين وإشارته إلى أنفه تدل على أنه أراده(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷ص۱۷، مادة " أنف")

ذهب جمهور الفقهاء وهم المالكية والشافعية، وأبو يوسف ومحمد صاحبا أبى حنيفة، وعطاء وطاوس وعكرمة والحسن وابن سيرين وأبو ثور والثورى، وهو رواية عن أحمد، إلى أنه لا يجب السجود على الأنف مع الجبهة لقوله صلى الله عليه وسلم :أمرت أن أسجد على سبعة أعظم .ولم يذكر الأنف فيه، ولحديث جابر رضى الله عنه قال :رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم سجد بأعلى جبهته على قصاص الشعر.

وإذا سجد بأعلى جبهته لم يسجد على الأنف، وقوله صلى الله عليه وسلم :إذا سجدت فمكن جبهتك من الأرض ولا تنقر نقرا .ويستحب عند هؤلاء السجود على الأنف مع الجبهة للأحاديث التى تدل على ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴،ص۲۰۷،مادة "سجود")

وذهب الحنابلة وهو قول عند المالكية وسعيد بن جبير وإسحاق والنخعى وأبو خيثمة وابن أبى شيبة :إلى وجوب السجود على الأنف مع الجبهة، لما روى ابن عباس رضى الله عنهما أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :أمرت أن أسجد على سبعة أعظم :الجبهة -وأشار بيده على أنفه - واليدين والركبتين، وأطراف القدمين،وفى رواية أمرت أن أسجد على سبعة أعظم الجبهة والأنف، الحديث.وعن أبى حميد أن النبى صلى الله عليه وسلم :كان إذا سجدأمكن أنفه وجبهته من الأرض وعن ابن عباس رضى الله عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم :أنه رأى رجلا يصلى لا يصيب أنفه الأرض فقال :لا صلاة لمن لا يصيب أنفه من الأرض ما يصيب الجبين(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴،ص۲۰۷،مادة "سجود")

www.idaraghufran.org

ضروری ہوتا ہے، اور ایسی صورت میں اشارہ سے سجدہ کرنا جائز نہیں ہوتا۔ ؎۱

اور زمین یا جس چیز پر سجدہ کیا جائے، اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ٹھوس ہو، جس پر پیشانی ٹِک جائے، اور اس کے برعکس کسی نرم چیز مثلاً نرم گدہ اور نرم تکیہ، جس میں پیشانی رکھنے کے بعد اس میں ٹھہراؤ نہ آئے، اور نیچے کو دھنستی چلی جائے، اس پر سجدہ کرنا معتبر نہیں، تا آنکہ سجدہ کرنے والا پیشانی کو اتنا نہ دبائے کہ وہ سختی محسوس کرے اور مزید دھنسے نہیں۔ ؎۲

؎۱ وذهب أبو حنيفة إلى أنه مخير بين السجود، على الجبهة وبين السجود على الأنف، وأن الواجب هو السجود على أحدهما فلو وضع أحدهما فی حالة الاختيار جاز، غير أنه لو وضع الجبهة وحدها جاز من غير كراهة ولو وضع الأنف وحده جاز مع الكراهة.
قال ابن المنذر :لا يحفظ أن أحدا سبقه إلى هذا القول، ولعله ذهب إلى أن الجبهة والأنف عضو واحد، لأن النبی صلى الله عليه وسلم لما ذكر الجبهة أشار إلى أنفه .والعضو الواحد يجزء السجود على بعضه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴،ص۲۰۷،مادة ”سجود“)
وإذا لم يستطع المصلی تمكين جبهته من الأرض لعلة بها، اقتصر على الأنف عند الحنفية والمالكية والحنابلة، وزاد الشافعية :إن كان بجبهته جراحة عصبها بعصابة وسجد عليها، ولا إعادة عليه على المذهب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷،ص ۲۶۲ و۲۶۳،مادة ”صلاة المريض“)
وأما جواز الاقتصار على الأنف فشرطه العذر على الراجح كما سيأتی(ردالمحتار، ج ۱ ص۴۴۷، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)
(وقالا :لا يجوز الاقتصار على الأنف من غير عذر) وهو مذهب الأئمة الثلاثة ورواية عن الإمام وعليه الفتوى(مجمع الانهر، ج ۱ ص۹۸، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)
(قوله :وقال أبو يوسف ومحمد لا يجوز الاقتصار على الأنف إلا من عذر) وهو رواية عن أبی حنيفة وعليه الفتوى(الجوهرة النيرة، ج ۱ ص۵۳، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)
لو كان على أحدهما عذر جاز السجود على الآخر بلا كراهية فی قولهم جميعا، ولو ترك السجود على المعذور منها وأدى لا يجوز اتفاقا، وإن كان بهما عذر يومء ولا يسجد على غيرهما كالخد والذقن(البناية شرح الهداية، ج۲ص ۲۳۹، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

؎۲ ولو سجد به على حشيش أو قطن إن تسفل جبينه فيه حتى وجد حجم الأرض أجزأه، وإلا فلا(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۲۱۰،كتاب الصلاة، فصل فی سنن التكبير)
قال :(ولا بأس بأن يصلی على الثلج إذا كان ممكنا يستطيع أن يسجد عليه) معناه أن يكون موضع سجوده متلبدا؛ لأنه حينئذ يجد جبينه حجم الأرض، فأما إذا لم يكن متلبدا حتى لا يجد جبينه حجم الأرض حينئذ لا يجزيه؛ لأنه بمنزلة السجود على الهواء على هذا السجود على الحشيش أو القطن إن شغل جبينه فيه حتى وجد حجم الأرض أجزأ وإلا فلا (المبسوط للسرخسی،ج ۱ ص۲۰۵، كتاب الصلاة)

سجدہ میں ہاتھ، پاؤں اور گھٹنے ٹیکنے کا درجہ

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ، وَلَا يَكُفَّ شَعَرًا وَلَا ثَوْبًا: اَلْجَبْهَةِ، وَالْيَدَيْنِ، وَالرُّكْبَتَيْنِ، وَالرِّجْلَيْنِ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا کہ سات اعضاء پر سجدہ کریں، اور (نماز میں) بال اور کپڑے کو (زمین پر لگنے اور نیچے جھکنے سے) نہ روکیں، ایک تو پیشانی پر سجدہ کریں، اور دونوں ہاتھوں پر بھی کریں، اور دونوں گھٹنوں پر بھی کریں، اور دونوں پاؤں پر بھی کریں (بخاری)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ، وَأَشَارَ بِيَدِهٖ عَلٰى أَنْفِهٖ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ، وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعَرَ (بخاری) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پیشانی پر سجدہ کرنے کے وقت سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اپنی ناک اور اپنے دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں کی طرف اشارہ کیا، اور (یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ) ہم (سجدہ کی حالت میں) کپڑوں کو اور بالوں کو روکیں نہیں (بخاری)

بالوں اور کپڑوں کو نہ روکنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں سجدہ کے وقت زمین پر لگنے اور نیچے جھکنے

---

[1] رقم الحدیث ۸۰۹، کتاب الصلاۃ، باب السجود علی سبعة أعظم.

[2] رقم الحدیث ۸۱۲، کتاب الصلاۃ، باب السجود علی الأنف.

Idara Ghufran

سے نہ روکیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ بال اور کپڑے بھی سجدہ کرتے ہیں، لہٰذا سجدہ میں ان کو جھکنے اور زمین پر لگنے دیا جائے، اور جھکنے یا زمین پر لگنے سے روکا نہ جائے۔ [1]

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے معتبر سند کے ساتھ بالوں وغیرہ کو نہ روکنے کی یہی وجہ منقول ہے کہ بال بھی سجدہ کرتے ہیں، اور ہر بال کے عوض میں اجر وثواب حاصل ہوتا ہے۔ [2]

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّـهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِذَا سَجَدَ الْعَبْدُ سَـجَـدَ مَـعَـهُ سَبْـعَةُ آرَابٍ: وَجْهُـهُ، وَكَـفَّاهُ، وَرُكْبَتَاهُ، وَقَدَمَاهُ (سنن الترمذی) [3]

ترجمہ: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب بندہ سجدہ کرتا ہے، تو اس کے ہمراہ، سات اعضاء سجدہ کرتے ہیں، اس کا چہرہ، اور اس

---

[1] وفی الخارج :أن الأشعار أيضا تسجد، ولذا نهى أن يصلى مقصوصا .وفی الآثار :أن الثياب تسجد أيضا، فنهى عن كفها .فإذا كان حال الثياب والأشعار هذا، فما بال الأعضاء .وادعيت منه: أن اليدين أيضا تركعان، كما أنهم تسجدان، وليستا بمعطلتين .واختار ابن الهمام :أن وضع السبعة واجب .وفی المشهور :وجوب وضع الجبهة وإحدى الرجلين فقط، ووضع البواقی سنة.

قلت :ولعل للجبهة مزية على سائر الأعضاء ، اختصاصا بحقيقة السجود ما ليس لسائرها(فيض البارى شرح صحيح البخارى، ج۲ص۳۸۵، كتاب الاذان،باب السجود على الأنف فى الطين)

[2] عن زيد بن وهب، قال :مر عبد الله بن مسعود على رجل ساجد، ورأسه معقوص فحله، فلما انصرف قال له عبد الله :لا تعقص فإن شعرک يسجد، وإن لک بكل شعرة أجرا ، قال :إنما عقصته لكى لا يتترب، قال :إن يتترب خير لک(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۹۳۳۱)

قال الهيثمى:رواه الطبرانى فى الكبير ورجاله ثقات(مجمع الزوائد، رقم الحديث ۲۷۵۹، باب السجود)

[3] رقم الحديث ۲۷۲،ابواب الصلاة،باب ما جاء فى السجود على سبعة أعضاء، مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۶۴.

قال الترمذى: وفى الباب عن ابن عباس، وأبى هريرة، وجابر، وأبى سعيد، حديث العباس حديث حسن صحيح، وعليه العمل عند أهل العلم "

وقال شعيب الارنؤوط: اسناده صحيح على شرط مسلم(حاشية مسند احمد)

www.idaraghufran.org

کے دونوں ہاتھ، اور اس کے گھٹنے اور اس کے دونوں قدم (ترمذی)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِنَّ الْيَدَيْنِ تَسْجُدَانِ، كَمَا يَسْجُدُ الْوَجْهُ، فَإِذَا وَضَعَ أَحَدُكُمْ وَجْهَهُ، فَلْيَضَعْ يَدَيْهِ، وَإِذَا رَفَعَهُ، فَلْيَرْفَعْهُمَا (مسند احمد، رقم الحديث ۴۵۰۱) ۱؎

ترجمہ: دونوں ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں، جس طریقہ سے چہرہ سجدہ کرتا ہے، پس جب تم میں سے کوئی اپنے چہرہ کو رکھے، تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی رکھے، اور جب اپنے چہرے کو اٹھائے تو دونوں ہاتھوں کو بھی اٹھائے (مسند احمد)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَبْسُطْ ذِرَاعَيْكَ إِذَا صَلَّيْتَ كَبَسْطِ السَّبُعِ وَادَّعِمْ عَلٰى رَاحَتَيْكَ وَجَافِ عَنْ ضَبْعَيْكَ فَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ سَجَدَ كُلُّ عَضْوٍ مِّنْكَ (صحيح ابن حبان) ۲؎

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نماز پڑھتے ہوئے (سجدہ میں) اپنے ہاتھوں کو زمین پر درندے کی طرح نہ بچھاؤ، اور اپنی ہتھیلیوں پر (زمین کا) سہارا حاصل کرو (یعنی ہتھیلیوں کو زمین پر رکھو) اور اپنے پہلوؤں کو کھلا رکھو، پس جب آپ اس طرح سے کرلیں گے، تو آپ کا ہر عضو سجدہ کرے گا (ابنِ حبان)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ عَلٰى أَلْيَتَيِ الْكَفِّ (مستدرک حاكم، رقم الحديث ۸۲۴، كتاب الطهارة) ۳؎

۱؎ قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

۲؎ رقم الحديث ۱۹۱۴، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده قوى (حاشية ابنِ حبان)

۳؎ قال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ولم يخرجاه.

وقال الذهبى فى التلخيص: على شرطهما.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ کی ہتھیلیوں پر سجدہ کیا کرتے تھے (حاکم)

حضرت ابواسحاق سے روایت ہے کہ:

قُلْتُ لِلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ: أَيْنَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ وَجْهَهُ إِذَا سَجَدَ، فَقَالَ: بَيْنَ كَفَّيْهِ (سنن الترمذی) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کے وقت اپنے چہرہ کو کہاں رکھتے تھے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان میں رکھتے تھے (ترمذی)

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَضْعِ الْكَفَّيْنِ، وَنَصْبِ الْقَدَمَيْنِ فِي الصَّلَاةِ (مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۰۰۰، کتاب الصلاۃ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز (کے سجدہ) میں ہتھیلیاں رکھنے اور پاؤں کو ٹکا کر رکھنے کا حکم فرمایا (حاکم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَسْجُدْ مُضْطَجِعًا، وَلَا مُتَوَرِّكًا فَإِنَّهُ إِذَا أَحْسَنَ السُّجُودَ سَجَدَ كُلُّ عُضْوٍ مِنْهُ (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۹۳۲۶) [2]

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے، تو وہ لیٹ کر اور تورک کی حالت میں (یعنی پاؤں دائیں یا بائیں طرف نکال کر) سجدہ نہ کرے، کیونکہ جب وہ

---

[1] رقم الحدیث ۲۷۱، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء أین یضع الرجل وجھه إذا سجد.
قال الترمذی: وفی الباب عن وائل بن حجر، وأبی حمید، " حدیث البراء حدیث حسن غریب وھو الذی اختارہ بعض أھل العلم: أن تکون یداہ قریبا من أذنیه "

[2] قال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الکبیر، ورجاله رجال الصحیح (مجمع الزوائد، رقم الحدیث ۲۷۶۹، باب السجود)

www.idaraghufran.org

اچھے طریقہ سے (یعنی سنت کے مطابق) سجدہ کرتا ہے، تو اس کا ہر عضو سجدہ کرتا ہے (طبرانی)

اس طرح کی احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ مکمل سجدہ یہ ہے کہ پیشانی کے ساتھ ناک، اور دونوں ہاتھ، اور دونوں گھٹنے اور دونوں پنجے بھی زمین پر رکھے۔ [1]

اور سجدہ کی حالت میں ہاتھ، پاؤں اور گھٹنے زمین پر رکھنا بہت سے فقہائے کرام کے راجح قول کے مطابق واجب ہے۔ [2]

البتہ حنفیہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ سجدہ کی حالت میں ہاتھ، گھٹنے اور اسی طرح پاؤں یا ان کے کچھ حصہ (مثلاً کم از کم ایک انگلی) کا زمین پر لگنا راجح قول کے مطابق واجب ہے۔

لہٰذا اگر سجدہ کرنے کی حالت میں ایک مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہنے کے بقدر کسی ایک ایک ہاتھ یا پاؤں کا کوئی حصہ (یا کم از کم ایک اُنگلی کو) زمین پر رکھ لیا جائے تو سجدہ ادا

---

[1] واتفقوا على أن أكمل السجود هو أن يسجد المصلى على سبعة أعضاء ، وهى الجبهة مع الأنف، واليدان، والركبتان، والقدمان، لقوله صلى الله عليه وسلم :أمرت أن أسجد على سبعة أعظم على الجبهة -وأشار بيده إلى أنفه -والرجلين والركبتين وأطراف القدمين .وفى رواية: أمرت بالسجود على سبعة أعظم اليدين، والركبتين، والقدمين، والجبهة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص ۲۰۲، مادة "سجود")

وأكمل السجود أن يضع ركبتيه ثم يديه ثم جبهته وأنفه، ويضع يديه حذو منكبيه، وينشر أصابعه مضمومة للقبلة، ويفرق ركبتيه، ويرفع بطنه عن فخذيه، ومرفقيه عن جنبيه، وهذا فى الرجل .أما المرأة فإنها تضم بعضها إلى بعض (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۳،ص ۱۱۵ ،مادة "ركن")

[2] اتفق الفقهاء على وجوب السجود على الأطراف (الكفين، والرأس والقدمين) إضافة إلى الركبتين(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵،ص ۱۱۲ ،مادة "أطراف")

ويفترض وضع اليدين والركبتين فى السجود على الصحيح لقوله عليه الصلاة والسلام :أمرت أن أسجد على سبعة أعظم :الجبهة، واليدين، والركبتين، وأطراف القدمين .متفق عليه (شرح النقاية، ج ۱ ص ۲۴۹، كتاب الصلاة)

وتتحقق السجدة شرعا بوضع الجبهة مع وضع إحدى اليدين وإحدى الركبتين وشىء من أطراف أصابع إحدى القدمين على طاهر من الأرض .وهذا أقل ما يطلق عليه اسم السجود فتصح به الصلاة مع الكراهة.أما تمام السجود فيكون بوضع الأنف واليدين والركبتين وأطراف القدمين موجها نحو القبلة (فقه العبادات على المذهب الحنفى للحاجة نجاح حلبى، ج ۱ ص ۸۲، كتاب الصلاة، الباب الثانى، الفصل الثانى اركان الصلاة)

www.idaraghufran.org

ہو جائے گا، مگر بلا عذر ایسا کرنا مکروہ وممنوع ہے اور اگر پورے سجدے میں دونوں ہاتھ یا پاؤں پوری طرح زمین سے اٹھے رہے تو نماز کو لوٹانا واجب ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ سجدہ کرتے وقت اگر زمین پر یا جس چیز پر نماز پڑھی جارہی ہے، اس پر ہاتھ یا پاؤں یا اُن کا کچھ حصہ رکھنے کی قدرت ہو، تو اس کے لئے سجدے کے وقت ہاتھ، پاؤں یا ان کا کچھ حصہ زمین پر یا جس چیز پر نماز پڑھی جارہی ہے، اس پر ٹکا کر رکھنا واجب ہے۔

اسی طرح زمین یا جس چیز پر نماز پڑھی جارہی ہے، اس پر سجدے کی حالت میں گھٹنے ٹیکنا بھی واجب ہے، بشرطیکہ گھٹنے ٹیکنے سے عاجز نہ ہو۔ [1]

---

[1] وتتحقق السجدة شرعاً بوضع الجبهة مع وضع إحدى اليدين وإحدى الركبتين وشيء من أطراف أصابع إحدى القدمين على طاهر من الأرض .وهذا أقل ما يطلق عليه اسم السجود فتصح به الصلاة مع الكراهة.

أما تمام السجود فيكون بوضع الأنف واليدين والركبتين وأطراف القدمين موجهاً نحو القبلة(فقه العبادات على المذهب الحنفى،للحاجة نجاح الحلبى، ج ا ص ۸۲، كتاب الصلاة، الباب الثالث،الفصل الثانى اركان الصلاة)

(و) الخامس :(السجود) بوضع الجبهة وإحدى اليدين وإحدى الركبتين وشيء من أطراف أصابع إحدى القدمين على ما يجد حجمه، وإلا لم تتحقق السجدة وكماله بوضع جميع اليدين والركبتين والقدمين والجبهة مع الأنف، كما ذكره المحقق ابن الهمام وغيره، ومن اقتصر على بعض عبارت أئمتنا مما فيه مخالفة لما قاله الفقيه أبو الليث والمحققون فقد قصر، وتمامه فى الأمداد(اللباب فى شرح الكتاب،لعبد الغنى الدمشقى، ج ا ،ص ۶۵،باب صفة الصلاة)

و "من شروط صحة السجود "وضع "إحدى "اليدين و "إحدى "الركبتين فى الصحيح "كما قدمناه "و "وضع "شيء من أصابع الرجلين "موجها بباطنه نحو القبلة "حالة السجود على الأرض ولا يكفى "لصحة السجود "وضع ظاهر القدم "لأنه ليس محله لقوله صلى الله عليه وسلم: "أمرت أن أسجد على سبعة أعظم من الجبهة واليدين والركبتين وأطراف القدمين "متفق عليه. وهو اختيار الفقيه واختلف فى الجواز مع وضع قدم واحدة (مراقى الفلاح شرح نورالايضاح، ج ا ص۸۷،كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة واركانها)

(ومنها السجود) بجبهته وقدميه، ووضع إصبع واحدة منهما شرط(الدرالمختار)

(قوله وقدميه) يجب إسقاطه لأن وضع إصبع واحدة منهما يكفى كما ذكره بعد ح .وأفاد أنه لو لم يضع شيئا من القدمين لم يصح السجود(رد المحتار، ج ا ص۴۴۷، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پیروں سے معمولی اونچی جگہ پر سجدہ کرنے کا حکم

زمین پر پیشانی ٹیک کر سجدہ کرنا جب وجود میں آتا ہے، جب سجدہ کرنے والے کے جسم کے نیچے اور اوپر والے دونوں دھڑ سیدھے نہ رہیں، اور جتنا قیام کرتے ہوئے رکوع میں جھکتا ہے، اس سے زیادہ جھکے، اور قعدہ کی حد سے نکل کر سجدہ کے قریب ہو جائے، یعنی اس کا سر اس کی پشت سے نیچے ہو جائے۔ [1]

اور اسی وجہ سے بہت سے مشائخِ حنفیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی پاؤں والی جگہ سے زیادہ سے زیادہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وفیه يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة وإلا لم تجز، والناس عنه غافلون (الدر المختار)

وقال فی الحلية :والأوجه على منوال ما سبق هو الوجوب لما سبق من الحديث اهـ أى على منوال ما حققه شيخه من الاستدلال على وجوب وضع اليدين والركبتين، وتقدم أنه أعدل الأقوال فكذا هنا، فيكون وضع القدمين كذلک واختاره أيضا فی البحر والشرنبلالية(ردالمحتار ج ا ص ۵۰۰، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

(قوله ووضع يديه وركبتيه) هو ما صرح به كثير من المشايخ واختار الفقيه أبو الليث الافتراض، ومشى عليه الشرنبلالى والفتوى على عدمه كما فی التجنيس والخلاصة واختار فی الفتح الوجوب لأنه مقتضى الحديث مع المواظبة .قال فی البحر :وهو إن شاء الله تعالى أعدل الأقوال لموافقته الأصول .اهـ .وقال فی الحلية :وهو حسن ماش على القواعد المذهبية (ردالمحتار ج ا ص ۴۷۶، باب صفة الصلاة، مطلب فی التبليغ خلف الامام)

كل سجدة منها يجب فيها ثلاث واجبات :الطمأنينة ووضع اليدين ووضع الركبتين على ما اختاره الكمال ورجحه فی البحر وغيره(ردالمحتار، ج ا ص ۴۷۳، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

[1] (والخامسة)من الفرائض (السجدة وهى فريضة تتادى)بوضع الجبهة على الارض او ما يتصل بها بشرط الانخفاض الزائد على نهاية الركوع مع الخروج عن حد القيام لانه لايعد ساجدا لغة وعرفا بما دونه ويعد به (حلبى كبير ص ۲۸۲و۲۸۳، كتاب الصلاة)

ولا بد أن يكون الوضع على وجه التعظيم فخرج وضع الجبهة مع رفع القدمين لأنه تلاعب وليس بتعظيم وخرج وضع الخد والصدغ ومقدم الرأس والذقن لأنها غير مرادة بالإجماع لأن التعظيم لم يشرع بوضعها فلا يتأدى بذلک فرض السجود مطلقا ولو بعذر بل معه يجب الإيماء بالرأس لأن جعل غير المسجد مسجدا بدون إذن الشرع لا يجوز قال شيخ الإسلام متى عجز عن السجود على ما عين محلا للسجود سقط عنه السجود وينتقل فرضه للإيماء (حاشية الطحطاوى على المراقى، ص ۲۳۰، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة واركانها)

www.idaraghufran.org

بارہ اُنگل (یعنی تقریباً ایک بالشت) اونچی جگہ پر پیشانی رکھ کر سجدہ کرے، تو بھی رکوع وقعدہ کی حد سے نکل کر سجدہ کے قریب ہونے میں شامل ہے، اور دفعِ حرج کی وجہ سے اس کا سجدہ کرنا معتبر ہوجاتا ہے، کیونکہ اتنی مقدار جھکنے سے سر پشت سے نیچے ہوجاتا ہے۔

جیسا کہ کوئی شخص مسجد کے صحن میں نماز پڑھ رہا ہے، اور مسجد کے برآمدہ والے حصہ کے فرش پر سجدہ کرتا ہے، جو کہ کسی قدر اونچا ہے، مگر اس کے پاؤں والی جگہ سے ایک بالشت سے کم اونچا ہے، تب بھی اس کا سجدہ کرنا معتبر ہوجائے گا، لیکن بلا عذر ایسا کرنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ اصل سجدہ کی وضع اور مشروع حالت کے خلاف ہے۔

اور اگر اس سے اونچی جگہ پر سجدہ کرے تو معتبر نہ کہلائے گا، مگر یہ کہ کوئی معذور و مریض ہو، اور اس کو اشارہ سے سجدہ کرنا جائز ہو، جس کا حکم آگے آتا ہے۔ [1]

---

[1] قال المصنف (والأصح أنه إذا كان إلى السجود أقرب لا يجوز؛ لأنه يعد ساجدا، وإن كان إلى الجلوس أقرب جاز؛ لأنه يعد جالسا فتتحقق السجدة الثانية) يعنى بعد ذلك المقدار من الرفع وهو المروى عن أبى حنيفة، ذكره فى شرح الطحاوى(العناية شرح الهداية، ج ۱ ص۳۰۷،۳۰۸، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة)

(ولو كان موضع السجود ارفع)اى اعلىٰ (من موضع القدمين)ان كان ارتفاعه (مقدار)ارتفاع(لبنتين منصوبتين جاز)السجود عليه(والا)اى وان لم يكن ارتفاعه مقدار لبنتين بل كان ازيد (فلا)يجوز السجود (واراد باللبنة)فى قوله مقدار لبنتين (لبنة بخارىٰ وهى ربع ذراع) عرض ست اصابع فمقدار ارتفاع اللبنتين المنصوبتين نصف ذراع طول اثنتى عشرة اصبعا وذكر فى الخلاصة قال مشائخنا ان سجد علىٰ لبنة جاز وعلىٰ لبنتين لا يجوز ان كانت احدٰيهما فوق الاخرىٰ وان كانتا آجرتين يجوز لان الارتفاع قليل انتهىٰ وهو لا ينافى ماهنا لان لبنة بخارىٰ على مقدار الآجرة علىٰ ماقررناه وذكر الزاهدى لو سجد يعنى المريض علىٰ دكان دون صدره يجوز كالصحيح انتهىٰ والاقرب ماذكر المصنف لما قدمناه فى اول بحث السجدة من حد ادنى السجود المجزى فانه صادق فيما اذاكان الارتفاع هذا المقدار لا فى الازيد فليتأمل (حلبى كبير ص ۲۸۶، كتاب الصلاة)

"و "من شروط صحة السجود "عدم ارتفاع محل السجود عن موضع القدمين بأكثر من نصف ذراع "لتتحقق صفة الساجد والارتفاع القليل لا يضر "وإن زاد على نصف ذراع لم يجز السجود" أى لم يقع معتدا به (مراقى الفلاح شرح نورالايضاح،ص۸۷، كتاب الصلاة)

www.idaraghufran.org

سجدہ سے معذور کے لئے کوئی چیز رکھ کر سجدہ کرنے کا حکم

جو شخص زمین پر پیشانی اور ناک ٹِکا کر سجدہ کرنے سے معذور ہو، اس کو اشارہ سے سجدہ کرنا جائز ہے، اور متعدد احادیث وروایات کی رُو سے اس پر کوئی چیز اپنے سامنے رکھ کر سجدہ کرنا ضروری نہیں، بلکہ عام حالات میں ناپسندیدہ ہے، اور زمین پر پیشانی ٹیکنے کے بجائے کوئی چیز اٹھا کر پیشانی پر رکھنا بھی ممنوع ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّهُ قَرَأَ وَالنَّجْمِ فَسَجَدَ بِهَا، وَسَجَدَ مَنْ مَعَهُ، غَيْرَ أَنَّ شَيْخًا أَخَذَ كَفًّا مِنْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ إِلٰى جَبْهَتِهِ، فَقَالَ: يَكْفِيْنِيْ هٰذَا، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ والنجم پڑھی، پھر سجدہ کیا اور آپ کے ساتھیوں نے بھی سجدہ کیا، البتہ ایک بوڑھے شخص نے مٹی کی ایک مٹھی بھر کر اس کو اپنی پیشانی کی طرف اٹھالیا، اور یہ کہا کہ مجھے یہی کافی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بعد میں اس آدمی کو کفر کی حالت میں قتل ہوتے ہوئے دیکھا (بخاری، مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں زمین پر پیشانی ٹیکنا ضروری ہے، اور اس کے بجائے مٹی یا کوئی چیز اٹھا کر پیشانی پر لگا دینا کافی نہیں، بلکہ غلط طریقہ ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَّسْجُدَ

---

[1] رقم الحديث ۳۹۷۲، كتاب المغازى، باب قتل أبى جهل، مسند احمد، رقم الحديث ۳۶۸۲.

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

فَلْيَسْجُدْ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَلَا يَرْفَعْ إِلٰى جَبْهَتِهٖ شَيْئًا لِيَسْجُدَ عَلَيْهِ، وَلٰكِنَّ رُكُوْعَهٗ وَسُجُوْدَهٗ يُوْمِءُ بِرَأْسِهٖ (المعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحديث ٧٠٨٩) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے سجدہ کرنے کی طاقت رکھے، تو اسے چاہئے کہ وہ سجدہ کرے، اور جو شخص سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھے، تو وہ اپنی پیشانی کی طرف کوئی چیز سجدہ کرنے کے لئے نہ اٹھائے، بلکہ اپنے رکوع اور اپنے سجدہ کو اپنے سر کے اشارہ سے کرے (طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص سجدہ کرنے کی قدرت نہ رکھے، تو وہ اشارہ سے سجدہ کرے، اور کوئی چیز پیشانی کی طرف اٹھا کر اس پر سجدہ نہ کرے۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَّسْجُدَ فَلْيَسْجُدْ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَلَا يَنْصِبْ شَيْئًا وَلْيَكُنْ رُكُوْعُهٗ وَسُجُوْدُهٗ يُوْمِءُ إِيْمَاءً (جزء أبی العباس العصمی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے سجدہ کرنے کی طاقت رکھے، تو اسے چاہئے کہ وہ سجدہ کرے، اور جو شخص سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھے، تو وہ کوئی چیز (سجدہ کرنے کے لئے اپنے سامنے) نہ رکھے، بلکہ اپنے رکوع اور سجدہ کو اشارہ سے کرے (جزء ابی العباس عصمی)

اس سے معلوم ہوا کہ جو پیشانی یا ناک ٹکا کر سجدہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، اس کو سامنے کوئی چیز رکھنا ضروری نہیں، اور پسندیدہ بھی نہیں، بلکہ اس کو اشارہ سے سجدہ کرنے کا حکم ہے۔

---

[1] قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط ورجاله موثقون ليس فيهم كلام يضر والله أعلم (مجمع الزوائد، رقم الحديث ٢٨٩٦، باب صلاة المريض وصلاة الجالس)

[2] رقم الحديث ١٥، صفحه ١٣٦، مطبوعة: مكتبة أهل الأثر - دار غراس.

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت ہے کہ:

عَادَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِّنْ أَصْحَابِهِ مَرِيضًا، وَأَنَا مَعَهُ فَدَخَلَ عَلَيْهِ، وَهُوَ يُصَلِّيُ عَلٰى عُودٍ فَوَضَعَ جَبْهَتَهُ عَلَى الْعُودِ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ فَطَرَحَ الْعُودَ وَأَخَذَ وِسَادَةً فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دَعْهَا عَنْكَ إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَسْجُدَ عَلَى الْأَرْضِ، وَإِلَّا فَأَوْمِءْ إِيمَاءً، وَاجْعَلْ سُجُودَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِكَ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۳۰۸۲ ج ۱۲ ص ۲۶۹) [1]

---

[1] قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير، وفيه حفص بن سليمان المنقری وهو متروک واختلفت الرواية عن أحمد فی توثيقه والصحيح أنه ضعفه والله أعلم وقد ذكره ابن حبان فی الثقات (مجمع الزوائد، رقم الحديث ۲۸۹۵، باب صلاة المريض وصلاة الجالس)

وقال الالبانی: "دعها عنک ـ يعنی الوسادة ـ إن استطعت أن تسجد على الأرض وإلا فأوم إيماء واجعل سجودک أخفض من ركوعک ."أخرجه الطبرانی فی "المعجم الكبير(۳/۱۸۹/۲) "حدثنا عبد الله بن أحمد بن حنبل :حدثنی شباب العصفری أنبأنا سهل أبو عتاب أنبأنا حفص بن سليمان عن قيس بن مسلم عن طارق بن شهاب عن ابن عمر قال : "عاد رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا من أصحابه مريضا، وأنا معه، فدخل عليه، وهو يصلی على عود، فوضع جبهته على العود، فأومأ إليه فطرح العود، وأخذ وسادة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم " ...فذكره.

قلت :وهذا إسناد صحيح رجاله كلهم ثقات، وإليک البيان:

أولا :طارق بن شهاب، وهو أبو عبد الله الكوفی، صحابی صغير، رأى النبی صلى الله عليه وسلم، ولم يسمع منه، وهو يروی كثيرا عن عبد الله بن مسعود، رضی الله عنهما. احتج به الشيخان وأصحاب السنن الأربعة.

ثانيا :قيس بن مسلم، وهو أبو عمرو الكوفی الجدلی ثقة احتج به الستة أيضا.

ثالثا :حفص بن سليمان .هو إما حفص بن سليمان الأسدی أبو عمر البزار الكوفی القاری، وإما حفص بن سليمان المنقری التميمی البصری، فإن كان الأول فهو متروک الحديث، وإن كان الآخر، فهو ثقة .ولكل من الاحتمالين وجه، أما الأول فلأنه كوفی، وقيس بن مسلم كوفی أيضا، لكن الراوی عنه سهل أبو عتاب بصری كما يأتی .وأما الآخر، فعلى العكس من ذلک، فإنه بصری والراوی عنه كذلک، ولكن شيخه كوفی كما رأيت .ولذلک لم أستطع القطع بأنه هو، وأما الهيثمی فقد قطع بذلک، ولا أدری

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے ایک مریض کی عیادت فرمائی، اور میں آپ کے ساتھ تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس گئے، تو وہ شخص ایک لکڑی پر اپنی پیشانی رکھ کر نماز پڑھ رہا تھا (یعنی لکڑی، پھٹے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ما الذی برره له، ولكنه قد وقع فی وهم عجيب فقال (۱۴۸/۲) "ورواه الطبرانی فی " الكبير "، وفيه حفص بن سليمان المنقری، وهو متروک، واختلفت الرواية عن أحمد فی توثيقه، والصحيح أنه ضعفه .والله أعلم ."

قلت :فاختلط على الهيثمی حفص بن سليمان القاری الكوفی بحفص بن سليمان المنقری البصری، فالأول هو المتروک بخلاف الآخر، كما عرفت، وهو الذی اختلفت الرواية عن أحمد فيه .لا المنقری، فراجع ترجمته فی "التهذيب "إن شئت.

رابعا :سهل أبو عتاب، وهو سهل بن حماد أبو عتاب الدلال البصری، وهو ثقة من رجال مسلم والأربعة.

خامسا :شباب العصفری، وهذا لقبه واسمه خليفة بن خياط العصفری وهو ثقة من شيوخ البخاری وممن احتج بهم فی "صحيحه ."

سادسا :عبد الله بن أحمد بن حنبل، فهو ثقة مشهور احتج به النسائی.قلت :ومن هذا التخريج يتبين أن رجال الإسناد كلهم ثقات لا شک فيهم سوى حفص بن سليمان، فإن كان هو المنقری كما جزم به الهيثمی فالسند صحيح كما قلنا أولا وإلا فلا.وقد كنت جزمت بالأول قديما، تبعا للحافظ الهيثمی، وذلک فی كتابی "تخريج صفة صلاة النبی صلى الله عليه وسلم "، ثم بدا لی التوقف عنه، لهذا التحقيق الذی ذكرته.نعم للحديث طريق أخرى عن ابن عمر يتقوى به، يرويه سريج بن يونس حدثنا قران بن تمام عن عبيد الله بن عمر عن نافع عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من استطاع منكم أن يسجد فليسجد، ومن لم يستطع، فلا يرفع إلى جبهته شيئا يسجد عليه، ولكن بركوعه وسجوده يومیء برأسه ."أخرجه الطبرانی فی " الأوسط(۱/۴۳/۱) "حدثنا محمد ابن عبد الله بن بكير حدثنا سريج بن يونس به .

وقال: "لم يروه عن عبيد الله إلا قران تفرد به سريج ."

قلت :وهو ثقة من رجال الشيخين، وكذا من فوقه سوى قران بضم أوله وتشديد الراء ، فهو صدوق ربما أخطأ، كما فی "التقريب "، فالسند جيد، لولا أننی لم أجد ترجمة لمحمد بن عبد الله بن بكير شيخ الطبرانی، لكن الظاهر أنه لم يتفرد به، كما يشعر به قوله "تفرد به سريج ."

ولعله لذلک قال الحافظ الهيثمی (۱۴۹/۲) "رواه الطبرانی فی "الأوسط "، ورجاله موثقون، ليس فيهم كلام يضر . والله أعلم (سلسلة الأحاديث الصحيحة، رقم الحديث ۳۲۳)

www.idaraghufran.org

وغیرہ پر پیشانی رکھ کر سجدہ کر رہا تھا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو اشارہ کر کے اس طرزِ عمل سے منع کیا، تو اس نے لکڑی کو پھینک دیا، اور تکیہ لے لیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اس تکیہ کو بھی چھوڑ دیجئے، اگر تم زمین پر (سجدہ کرنے کی) طاقت رکھو، تو ٹھیک ہے، ورنہ اشارہ کر کے نماز پڑھو، اور اپنے سجدہ کے اشارہ میں اپنے رکوع کے اشارہ سے زیادہ جھکو (طبرانی)

اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت نہ ہو، تو اسے لکڑی یا تختہ وغیرہ پر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اشارہ سے سجدہ کرنا کافی اور معتبر ہوتا ہے۔

اس طرح کا واقعہ ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ مَرِيْضًا، فَرَآهُ يُصَلِّيْ عَلٰى وِسَادَةٍ، فَرَمَى بِهَا، فَأَخَذَ عُوْدًا يُصَلِّيْ عَلَيْهِ، فَرَمٰى بِهٖ، وَقَالَ: إِنْ أَطَقْتَ الْأَرْضَ وَإِلَّا فَأَوْمِءْ إِيْمَاءً، وَاجْعَلْ سُجُوْدَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوْعِكَ (كشف الأستار عن زوائد البزار) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مریض کی عیادت فرمائی، تو اس کو تکیہ پر نماز پڑھتے (یعنی تکیہ پر سجدہ کرتے) ہوئے دیکھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تکیہ کو پھینک دیا، پھر اس مریض نے ایک لکڑی (پھٹہ) کو نماز پڑھنے (یعنی سجدہ کرنے) کے لئے لیا، تو اس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا، اور فرمایا کہ اگر تم زمین پر (سجدہ کرنے کی) طاقت رکھو، تو ٹھیک ہے ورنہ

---

[1] رقم الحديث ٥٦٨، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض.

قال الهيثمي: رواه البزار وأبو يعلى بنحوه إلا أنه قال: إن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- عاد مريضا فرآه يصلي على وسادة فرمى بها فأخذ عودا يصلي عليه فرمى به ورجال البزار رجال الصحيح (مجمع الزوائد، رقم الحديث ٢٨٨٤، باب صلاة المريض وصلاة الجالس)

اشارہ کر کے نماز پڑھو، اور اپنے سجدہ کے اشارہ میں اپنے رکوع کے اشارہ سے زیادہ جھکو(بزار)

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

مذکورہ حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کو زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت نہ ہو، تو اسے کسی لکڑی یا تکیہ وغیرہ پر سجدہ کرنا ضروری نہیں، بلکہ اشارہ سے سجدہ کرنا کافی ہے، اور اس کو سجدہ کے لئے رکوع سے زیادہ جھکنا چاہئے۔

حضرت ابوالزبیر سے روایت ہے کہ:

عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: مَنْ كَانَ مَرِيضًا فَصَلّٰى قَاعِدًا فَلْيَسْجُدْ عَلَى الْأَرْضِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَلْيُوْمِ بِرَأْسِهٖ وَلَا يَسْجُدْ عَلٰى عُوْدٍ (الاوسط لابن المنذر، رقم الحديث ٢٣٠٨، كتاب السفر)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو مریض ہو، پھر وہ بیٹھ کر نماز پڑھے، تو اسے چاہئے کہ وہ زمین پر سجدہ کرے، پھر اگر اسے زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت نہ ہو، تو وہ اپنے سر سے اشارہ کرے، اور لکڑی پر سجدہ نہ کرے(اوسط)

اس سے معلوم ہوا کہ زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں بھی اگر زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت نہ ہو، تو اشارہ سے سجدہ کرنے کا حکم ہے، کسی لکڑی وغیرہ پر سجدہ کرنے کا حکم نہیں۔

حضرت حفص بن عاصم سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ عَلَيَّ عَمِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ قَالَ: فَوَجَدَنِيْ قَدْ كُسِرَتْ لِيْ

---

[1] عن أبي الزبير، عن جابر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، عاد مريضا، فرآه يصلي على وسادة، فأخذها، فرمى بها، فأخذ عودا ليصلي عليه، فأخذه فرمى به، وقال: صل على الأرض إن استطعت، وإلا فأوم إيماء، واجعل سجودك أخفض من ركوعك لفظ حديث أبي سهل. وفي رواية أبي نصر :إن أطقت أن تصلي على الأرض، وإلا (معرفة السنن والآثار، رقم الحديث ٤٣٥٩، ٤٣٦٠)

نُمْرُقَةٌ، يَعْنِي الْوِسَادَةُ، قَالَ: وَبَسَطْتُ عَلَيْهَا خُمْرَةً، قَالَ: فَأَنَا أَسْجُدُ عَلَيْهَا، قَالَ: فَقَالَ لِي: يَا ابْنَ أَخِي، لَا تَصْنَعْ هٰذَا تَنَاوَلِ الْأَرْضَ بِوَجْهِكَ، فَإِنْ لَّمْ تَقْدِرْ عَلٰى ذٰلِكَ فَأَوْمِءْ بِرَأْسِكَ إِيْمَاءً (مستخرج أبي عوانة) [1]

ترجمہ: میرے چچا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس (بیماری کے زمانہ میں) تشریف لائے، تو انہوں نے مجھے دیکھا کہ میرے لئے ایک تکیہ کھول دیا گیا ہے، جس پر میں نے کپڑا بچھالیا، اور میں اس پر سجدہ کرنے لگا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے میرے بھتیجے! آپ ایسا نہ کیجئے، آپ زمین پر اپنی پیشانی رکھ کر سجدہ کیجئے، اور اگر آپ کو اس کی قدرت نہ ہو، تو آپ اپنے سر سے اشارہ کر کے سجدہ کیجئے (ابوعوانہ)

اور حضرت عطاء سے روایت ہے کہ:

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، عَادَ صَفْوَانَ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَرَآهُ يُصَلِّي عَلٰى شَيْءٍ، فَقَالَ لَهُ: إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَضَعَ وَجْهَكَ عَلَى الْأَرْضِ فَافْعَلْ، وَإِلَّا فَأَوْمِ إِيْمَاءً (معرفة السنن والآثار للبيهقي) [2]

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صفوان کی عیادت کی، پھر نماز کا وقت آ گیا، تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کسی چیز پر سجدہ کر کے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، تو ان کو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ زمین پر اپنی پیشانی رکھنے کی طاقت رکھیں، تو ایسا کریں، ورنہ اشارہ سے نماز پڑھیں (بیہقی)

---

[1] رقم الحديث ۲۳۴۰، كتاب الصلاة، بيان صلاة النبي صلى الله عليه وسلم في السفر وتركه صلوات السنن التي كان يصليها في الحضر.

[2] رقم الحديث ۴۳۵۰، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض

www.idaraghufran.org

اس طرح کا واقعہ عبدالرزاق اور ابنِ ابی شیبہ اور ابنِ منذر نے بھی روایت کیا ہے۔ [1]
ان روایات سے بھی معلوم ہوا کہ جب زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت نہ ہو، تو تکیہ یا کوئی دوسری چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرنا ضروری نہیں، بلکہ اشارہ سے سجدہ کرنا کافی ہے۔

حضرت ابو حرب بن ابی اسود سے روایت ہے کہ:

اِشْتَكٰى أَبُوْ الْأَسْوَدِ الْفَالِجَ ، فَكَانَ لَا يَسْجُدُ إِلَّا مَا رَفَعْنَاهُ لَهُ ، مِرْفَقَةً يَسْجُدُ عَلَيْهَا،فَسَأَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ،وَأَرْسَلَ إِلٰى ابْنِ عُمَرَ،فَقَالَ:إِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَّسْجُدَ عَلَى الْأَرْضِ،وَإِلَّا فَيُومِءُ إِيْمَاءً(مُصنف ابن أبی شیبة) [2]

ترجمہ: حضرت ابوالاسود کو فالج کی شکایت ہوگئی، تو وہ جب بھی سجدہ کرتے تھے، تو ہم ان کے لئے تکیہ بلند کر دیتے تھے، جس پر وہ سجدہ کرتے تھے، تو انہوں نے ہم سے اس کے بارے میں سوال کیا، اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف (سوال) بھیجا، تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر زمین پر سجدہ کی طاقت رکھیں، تو ٹھیک ہے، ورنہ اشارہ سے سجدہ کریں (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قاعدہ اور اصول یہ بیان فرمادیا کہ اگر زمین پر سجدہ کی طاقت ہو، تو اسی طرح سجدہ کریں، اور اگر اس کی طاقت نہ ہو، تو پھر اشارہ سے سجدہ کر کے نماز

---

[1] عن عطاء قال :دخل ابن عمر على صفوان الطويل وهو يصلي على وسادة، فنهاه أن يصلي على حصى أو على وسادة، وأمره بالإيماء (مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث ۴۱۳۷)

عن عطاء ؛ عاد ابن عمر صفوان ، فوجده يسجد على وسادة فنهاه ، وقال :أوما إيماء(مُصنف ابن أبی شیبة، رقم الحديث ۲۸۲۳،باب من كره للمريض أن يسجد على الوسادة وغيرها)

عن عطاء ، قال :دخل ابن عمر على ابن صفوان بن الطويل، فوجده يسجد على وسادة، فنهاه، وقال :أومء، واجعل السجود أخفض من الركوع "(الاوسط لابن المنذر، رقم الحديث ۲۳۱۱)

[2] رقم الحديث ۲۸۲۵، كتاب الصلاة،باب من كره للمريض أن يسجد على الوسادة وغيرها.

www.idaraghufran.org

پڑھیں، نہ تو تکیہ پر سجدہ کرنے کا حکم دیا، اور نہ ہی کسی دوسری چیز لکڑی وغیرہ پر سجدہ کرنے کا حکم فرمایا۔

حضرت جبلہ بن سحیم سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ: يُسْأَلُ أَيُصَلِّي الرَّجُلُ عَلَى الْعُوْدِ وَهُوَ مَرِيْضٌ؟ فَقَالَ: لَا آمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ أَوْثَانًا، مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يُّصَلِّيَ قَائِمًا فَلْيُصَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَجَالِسًا، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَمُضْطَجِعًا يُوْمِئُ إِيْمَاءً (الاوسط لابن المنذر، رقم الحديث ۲۳۱۰، كتاب السفر)

ترجمہ: میں نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے سنا، آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا آدمی جبکہ مریض ہو، وہ لکڑی پر (سجدہ کرکے) نماز پڑھ سکتا ہے؟ تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں یہ حکم نہیں دوں گا کہ تم (سامنے سجدہ کے لئے لکڑی وغیرہ رکھ کر) اللہ کے علاوہ کو معبود بناؤ، جو شخص کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی طاقت رکھتا ہے، وہ کھڑے ہوکر نماز پڑھے، پھر اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے، پھر اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو، تو لیٹ کر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھے (اوسط)

اللہ کے علاوہ معبود بنانے سے مراد یہ ہے کہ زمین پر سجدہ کرنے کے بجائے کوئی چیز سامنے رکھ کر سجدہ کرنے میں ایک گونہ اس چیز کو سجدہ کرنے کی مشابہت پائی جاتی ہے، اور اس کے برخلاف اشارہ سے سجدہ کرنے میں یہ بات نہیں پائی جاتی، لہٰذا کوئی چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرنے کے بجائے اشارہ سے سجدہ کرنا چاہئے۔

حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ عَلْقَمَةُ، وَالْأَسْوَدُ عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ، فَقَالَا: إِنَّ أُمَّ الْأَسْوَدِ أُقْعِدَتْ،

وَإِنَّهُ يَرْكُزُ لَهَا عُوْدَ الْمِرْوَحَةِ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ فَمَا تَرٰى؟، قَالَ: إِنِّيْ لَأَرٰى الشَّيْطَانَ يَعْرِضُ بِالْعُوْدِ لِتَسْجُدْ عَلَى الْأَرْضِ إِنِ اسْتَطَاعَتْ، وَإِلَّا تُومِءُ إِيْمَاءً(المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحدیث ۹۳۹۵، ج۹ص ۲۷۸) ؎[1]

ترجمہ: حضرت علقمہ اور حضرت اسود (یہ دونوں حضرات) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، اور انہوں نے عرض کیا کہ اسود کی (بیمار) والدہ کو بٹھالیا گیا ہے، اور ان کے لئے پنکھے کی لکڑی کو گاڑ دیا گیا ہے، تاکہ وہ اس پر (سجدہ کرکے) نماز پڑھیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ شیطان لکڑی پیش کرتا ہے، انہیں چاہئے کہ اگر طاقت ہو تو زمین پر سجدہ کریں، ورنہ اشارہ کرکے نماز پڑھیں (طبرانی)

مطلب اس روایت کا بھی وہی ہے کہ لکڑی وغیرہ رکھ کر یا گاڑ کر سجدہ کے لئے اس پر پیشانی کو ٹیکنے میں اس لکڑی وغیرہ کو سجدہ کرنے کا شبہ وایہام پایا جاتا ہے، لہٰذا اس سے پرہیز کرنا چاہئے، اور اگر زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت نہ ہو، تو اس کے بجائے اشارہ سے سجدہ کرنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ:

دَخَلْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ عَلٰى أَخِيْهِ عُتْبَةَ نَعُوْدُهُ وَهُوَ مَرِيْضٌ فَرَأٰى مَعَ أَخِيْهِ مِرْوَحَةً يَسْجُدُ عَلَيْهَا، فَانْتَزَعَهَا مِنْهُ عَبْدُ اللّٰهِ، وَقَالَ: اُسْجُدْ عَلَى الْأَرْضِ فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَأَوْمِ إِيْمَاءً وَاجْعَلِ السُّجُوْدَ أَخْفَضَ مِنَ

؎[1] علامہ ہیثمی نے اس سند کے رجال کو ثقہ فرمایا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ابراہیم نخعی نے ابنِ مسعود کو نہیں پایا۔

رواه الطبرانی فی الکبیر وإبراهیم النخعی لم یدرک ابن مسعود وبقیة رجاله ثقات(مجمع الزوائد، رقم الحدیث ۲۹۰۰،باب صلاة المریض وصلاة الجالس)

مگر ابراہیم نخعی اس واقعہ کو حضرت علقمہ اور حضرت اسود سے روایت کررہے ہیں، نہ کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے، لہٰذا اس روایت کی سند متصل ہے، البتہ آگے ابراہیم نخعی کی حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ایک روایت آتی ہے، جس میں یہ حکم پایا جاتا ہے، مگر دوسری متصل اسناد کے ہوتے ہوئے اُس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

Idara Ghufran

الرُّکُوۡعِ (السنن الکبری للبیھقی) [1]

ترجمہ: میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے بھائی عتبہ کی عیادت کے لئے گیا، جو کہ بیمار تھے، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کے ساتھ ایک پنکھا دیکھا، جس پر وہ سجدہ کر رہے تھے، تو اس پنکھے کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے لے لیا، اور فرمایا کہ آپ زمین پر سجدہ کریں، اور اگر اس کی طاقت نہ رکھیں تو اشارہ سے سجدہ کریں، اور سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکیں (بیہقی)

اور حضرت علقمہ اور حضرت اسود سے روایت ہے کہ:

أَنَّ ابۡنَ مَسۡعُوۡدٍ، دَخَلَ عَلٰی عُتۡبَةَ أَخِیۡهِ وَهُوَ يُصَلِّيۡ عَلٰی سِوَاکٍ يَرۡفَعُهٗ إِلٰی وَجۡهِهٖ، فَأَخَذَهٗ فَرَمَاهُ، ثُمَّ قَالَ: أَوۡمِءۡ إِيۡمَاءً، وَلۡيَكُنۡ رَكۡعَتُکَ أَرۡفَعَ مِنۡ سَجۡدَتِکَ (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۹۳۹۴) [2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ان کے بھائی عتبہ کے پاس گئے، جو کہ مسواک پر سجدہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے، مسواک کو اپنے چہرہ کی طرف اونچا کر رکھا تھا، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے وہ مسواک لے کر پھینک دی، پھر فرمایا کہ آپ اشارہ سے سجدہ کیجئے، اور اپنے رکوع کو سجدہ سے اونچا (اور سجدہ کے اشارہ کو رکوع سے نیچا) رکھئے (طبرانی)

اور حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابۡنِ مَسۡعُوۡدٍ، أَنَّهٗ: قَالَ فِي الۡمَرِيۡضِ إِذَا صَلّٰی: إِنۡ لَّمۡ يَقۡدِرۡ عَلٰی

---

[1] رقم الحدیث ۳۶۷۳، کتاب الصلاة، باب الإیماء بالرکوع والسجود إذا عجز عنهما.

[2] قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الکبیر ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، رقم الحدیث ۲۸۹۹، باب صلاة المریض وصلاة الجالس)

Idara Ghufran

الْأَرْضِ فَلْيُومِءْ إِيْمَاءً، وَلْيَجْعَلْ سُجُوْدَهُ أَخْفَضَ مِنْ رُّكُوْعِهِ (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۹۳۹۳، ج۹ص ۲۷۸)

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے مریض کے بارے میں فرمایا کہ جب وہ نماز پڑھے اور زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھے، تو اسے چاہئے کہ وہ اشارہ کرلے، اور اپنے سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکے (طبرانی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایات سے بھی معلوم ہوا کہ جس کو زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت نہ ہو، تو اسے کوئی چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرنے یا کوئی چیز اٹھا کر پیشانی پر لگانے کے بجائے، اشارہ سے سجدہ کرنا چاہئے، اور سجدہ کا اشارہ رکوع سے زیادہ جھک کر کرنا چاہئے۔

حضرت ابراہیم نخعی سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ:

وَلَا تَسْجُدْ عَلٰى شَيْءٍ، أَوْمِءْ إِيْمَاءً، وَاجْعَلْ سُجُوْدَكَ أَخْفَضَ مِنْ رُّكُوْعِكَ (الآثار، لأبي يوسف، رقم الحديث ۳۷۷، باب صلاة الخوف)

ترجمہ: اور آپ کسی چیز پر سجدہ نہ کریں، بلکہ اشارہ سے سجدہ کریں، اور اپنے سجدہ میں اپنے رکوع سے زیادہ جھکیں (آثار ابی یوسف)

حضرت محمد بن سیرین کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

اَلسُّجُوْدِ عَلَى الْوِسَادَةِ مُحْدَثٌ (مصنف ابن أبي شيبة)[1]

ترجمہ: تکیہ پر سجدہ کرنا بدعت ہے (ابنِ ابی شیبہ)

مذکورہ احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی مرض یا عذر کی وجہ سے زمین پر پیشانی یا ناک ٹکا کر سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، تو اسے سجدہ کے لئے سامنے کوئی چیز رکھنا ضروری نہیں، بلکہ شریعت کی نظر میں پسندیدہ بھی نہیں، اور ایسی صورت میں اسے اشارہ سے سجدہ کرنا

---

[1] رقم الحديث ۲۸۲۴، كتاب الصلاة، باب من كره للمريض أن يسجد على الوسادة وغيرها.

www.idaraghufran.org

چاہئے، اور سجدہ کا اشارہ، رکوع سے زیادہ جھک کر کرنا چاہئے۔

امام محمد رحمہ اللہ نے اپنا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، حَدَّثَنَا نَافِعٌ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، قَالَ: إِذَا لَمْ يَسْتَطِعِ الْمَرِيضُ السُّجُودَ، أَوْمَى بِرَأْسِهِ.

قَالَ مُحَمَّدٌ: وَبِهٰذَا نَأْخُذُ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَسْجُدَ عَلٰى عُودٍ، وَلَا شَيْءٍ يُرْفَعُ إِلَيْهِ، وَيَجْعَلُ سُجُودَهُ أَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِهِ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ، رَحِمَهُ اللّٰهُ (مؤطا امام محمد)[1]

معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جب زمین پر سجدہ کرنے کی قدرت نہ ہو، تو لکڑی وغیرہ کسی چیز پر سجدہ کرنا یا کوئی چیز اپنی پیشانی کی طرف اٹھا کر اس کو ماتھے پر لگانا مناسب طریقہ نہیں، بلکہ ایسی صورت میں اشارہ سے سجدہ کرنا چاہئے، اور سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکنا چاہئے۔

رہی یہ بات کہ معذور شخص کو اشارہ سے سجدہ کرنے کے بجائے کسی چیز پر سجدہ کرنے کا حکم کیوں نہیں فرمایا گیا، بلکہ اس کو ناپسند بھی کیا گیا۔

تو اس کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو جو شخص زمین پر پیشانی وناک ٹیکنے سے عاجز ہو، تو وہ شرعاً معذور ہے، اور اس کو اشارہ سے سجدہ کرنا جائز ہے، لہٰذا اس کو کسی چیز کے رکھنے کے تکلف میں پڑنا مناسب نہیں، دوسرے سجدہ سے اشارہ کرنے میں رکوع سے زیادہ جھکنے کا حکم ہے، اور کوئی چیز سامنے رکھنے کی صورت میں ممکن ہے کہ وہ اس سے زیادہ جھک سکتا ہو، جس کا کہ وہ مکلّف ہے، مگر کوئی چیز رکھنے کے بعد اس سے زیادہ نیچے جھکنا ممکن نہیں رہتا، جس کی وجہ سے سجدہ میں خلل واقع ہوتا ہے (جیسا کہ آگے آتا ہے) تیسرے اس میں غیرُ

---

[1] رقم الحديث ٢٨٠، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض.

اللہ کو سجدہ کرنے کا شبہ وایہام پایا جاتا ہے، اور اس کے مقابلہ میں اشارہ سے سجدہ کرنے میں اس طرح کا ایہام وشبہ نہیں پایا جاتا، جس کا بعض روایات میں بھی ذکر آیا ہے، جیسا کہ گزرا۔ [1]

ملحوظ رہے کہ بعض صحابہ وتابعین سے چمڑہ وغیرہ کے تکیہ پر سجدہ کرنے کی روایات مروی ہیں۔ [2]

مگر اولاً تو وہ روایات اس درجہ کی مرفوع ومضبوط اور اپنے مقصود میں واضح نہیں، دوسرے ان روایات کو اس بات پر بھی محمول کئے جانے کا امکان ہے کہ اگر کوئی کسی عذر سے کوئی معمولی

---

[1] قال أبو بكر :على المريض أن يصلى على قدر طاقته، فإذا صلى قاعدا وهو عاجز عن القيام وأمكنه الركوع والسجود، لم يجزه إلا أن يأتى بذلك على قدر ما يمكنه، فإن لم يقدر على السجود، أومأ برأسه يبلغ بالإيماء ما أمكنه فإذا بلغ من الإيماء ما أمكنه، فرفع إليه عودا أو مخدة فرأى فى جبهته بعد بلوغه من الإيماء بمقدار إمكانه فلا شيء عليه ويجزيه، لأنه قد أتى من الإيماء قدر طاقته، فليس يضره ملاقاة العود أو المخدة، ومما مسته جبهته فى هذا الحال، وإن قصر عما يمكنه من الإيماء لما رفع إلى جبهته من العود أو غيره لم يجزه ويجزيه السجود على المخدة، وإن أمكنه السجود على الأرض فأكره له ذلك، وأجعل سجوده على المخدة بمنزلة سجوده على ربوة من الأرض، ويجعل إذا كان سجوده وركوعه إيماء السجود أخفض من الركوع(الاوسط لابن المنذر،تحت رقم الحديث ۲۳۱۹، كتاب السفر)

[2] حدثنا أبو الأحوص ، عن أبى إسحاق ، عن أبى فزارة ، قال :قال ابن عباس : يسجد المريض على المرفقة والثوب الطيب.
حدثنا ابن علية ، عن يونس ، عن الحسن ، قال :حدثتنى أم الحسن ؛ أنها رأت أم سلمة رمدت عينها ، فثنيت لها وسادة من أدم ، فجعلت تسجد عليها.
حدثنا ابن علية ، عن أيوب ، عن الحسن ، عن أم سلمة ، مثله.
حدثنا على بن مسهر ، عن عاصم ، عن الحسن ، عن أمه ، عن أم سلمة ، مثله ، إلا أنه قال :اشتكت عينها.
حدثنا عبدة بن سليمان ، عن عاصم ، عن ابن سيرين ، عن أنس ؛ أنه سجد على مرفقة.
حدثنا مروان بن معاوية ، عن أبى خلدة ، قال :كان أبو العالية مريضا ، وكانت المرفقة تثنى له فيسجد عليها.
حدثنا عبدة ، عن سعيد ، عن قتادة ، عن الحسن ؛ أنه كان لا يرى بأسا أن يسجد الرجل على المرفقة والوسادة فى السفينة(مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۲۸۱۶ الىٰ ۲۸۲۲، باب فى المريض يسجد على الوسادة والمرفقة)

Idara Ghufran

اونچی چیز زمین پر رکھ کر سجدہ کرلے، تو بھی نماز ہو جاتی ہے، نہ یہ کہ اس کو ایسا کرنا ضروری یا پسندیدہ ہے۔ ۱

مذکورہ احادیث وروایات کی روشنی میں بہت سے فقہائے کرام نے فرمایا کہ جو شخص زمین پر پیشانی یا ناک ٹِکا کر سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو، خواہ اس وجہ سے کہ اس کے چہرہ (پیشانی اور ناک) میں زخم ہو، یا اس وجہ سے کہ اس کی کمر میں درد ہو، یا آنکھ میں تکلیف ہو، یا اور کوئی معقول وجہ ہو، تو اس کو اشارہ سے سجدہ کرنا جائز ہوتا ہے، اور اس کو کسی چیز مثلاً تپائی، پتھر، چوکی، ٹیبل وغیرہ پر سجدہ کرنا ضروری نہیں ہوتا، اور نہ ہی شرعاً یہ پسندیدہ عمل ہے، خواہ وہ کسی چیز کے سامنے رکھنے پر قادر کیوں نہ ہو، اور گزشتہ دلائل کی رو سے ہمارے نزدیک بھی یہی راجح ہے، کیونکہ متعدد احادیث وروایات میں زمین پر سجدہ کی قدرت نہ ہونے کی صورت میں اشارہ سے سجدہ کرنے کا حکم اور معمولی یا غیر معمولی اونچی چیز کی قید لگائے بغیر کسی چیز پر

---

۱ امام بیہقی نے فرمایا کہ ممانعت اس صورت پر محمول ہوسکتی ہے جبکہ پیشانی کی طرف کوئی چیز اٹھا کر سجدہ کرے، یا وہ چیز بہت زیادہ اونچی ہو۔

علامہ شامی نے بھی اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے۔

معناه ويحتمل أن يكون المراد به إذا رفع إلى جبهته شيئا فسجد عليه فنهاه عنه أو كان شيئا عاليا، فإن كانت وسادة خفيفة لاصقة بالأرض فقد.

رويناه عن أم سلمة زوج النبى صلى الله عليه وسلم أنها سجدت على وسادة من أدم من رمد كان بعينها (السنن الصغير للبيهقى، تحت رقم الحديث ۵۹۱، ۵۹۲، باب صلاة المريض)

وهذا يحتمل أن يكون فى وسادة مرفوعة إلى جبهته، ويحتمل أن يكون فى وسادة موضوعة، مرتفعة عن الأرض جدا، والله أعلم (معرفة السنن والآثار للبيهقى، رقم الحديث ۴۳۶۲، باب صلاة المريض)

قال فى البحر: واستدل للكراهة فى المحيط بنهيه -عليه الصلاة والسلام- عنه، وهو يدل على كراهة التحريم اهـ وتبعه فى النهر.

أقول: هذا محمول على ما إذا كان يحمل إلى وجهه شيئا يسجد عليه، بخلاف ما إذا كان موضوعا على الأرض يدل عليه ما فى الذخيرة حيث نقل عن الأصل الكراهة فى الأول ثم قال فإن كانت الوسادة موضوعة على الأرض وكان يسجد عليها جازت صلاته، فقد صح أن أم سلمة كانت تسجد على مرفقة موضوعة بين يديها لعلة كانت بها ولم يمنعها رسول الله -صلى الله عليه وسلم- من ذلك اهـ فإن مفاد هذه المقابلة والاستدلال عدم الكراهة فى الموضوع على الأرض المرتفع ثم رأيت القهستانى صرح بذلك (ردالمحتار، ج۲ص۹۸، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

سجدہ نہ کرنے کا حکم مذکور ہے۔

البتہ بعض اہلِ علم حضرات ایسی صورت میں سامنے کوئی چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرنے کو جائز اور بعض واجب قرار دیتے ہیں، جبکہ وہ چیز زیادہ اونچی نہ ہو، جس کی مقدار بعض فقہاء نے قدموں کی جگہ سے زیادہ سے زیادہ ایک بالشت اونچی ہونا بیان کی ہے، اور وہ کسی ایسی چیز کو رکھنے اور اس پر سجدہ کرنے پر قادر بھی ہو۔ [1]

[1] ملحوظ رہے کہ علامہ شامی نے فرمایا کہ اگر کوئی مریض ہو، جو زمین پر سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو، لیکن ایک بالشت تک اونچی کسی چیز پر سجدہ کرنے پر قادر ہو، تو اس کو کوئی چیز رکھ کر سجدہ کرنا واجب ہے، اور ہم نے بھی پہلے علامہ شامی کے اس موقف کو اختیار کیا تھا، مگر اب ہمیں مندرجہ بالا احادیث وروایات اور بطورِ خاص امام محمد کی نقل کردہ عبارت کے پیشِ نظر اس سے اتفاق نہیں رہا، اور ہمیں علامہ شامی کے علاوہ دیگر مشائخِ حنفیہ سے مریض کو کوئی چیز رکھنے کا وجوب نہیں ملا، البتہ جواز ملا ہے، جس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ وہو الراجح عندنا۔

اور شوافع کے اس سلسلہ میں دو قول ہیں، امام نووی نے اصح عدمِ وجوب کو قرار دیا ہے۔ محمد رضوان۔

المسألة الأولى :في العاجز عن السجود:

إذا كان عاجزا عن السجود وأمكن رفع وسادة ونحوها ليسجد عليها:

فعند الحنفية والمالكية أنه يومء بالركوع والسجود، ولا يرفع إلى وجهه شيئا يسجد عليه، واستدلوا بما رواه جابر رضي الله عنه :أن النبي صلى الله عليه وسلم عاد مريضا فرآه يصلي على وسادة، فأخذها فرمى بها، فأخذ عودا ليصلي عليه، فأخذه فرمى به وقال :صل على الأرض إن استطعت وإلا فأومء إيماء ، واجعل سجودك أخفض من ركوعك

وذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه يجوز له ذلك، أو يومء بالسجود، فهو بالخيار بين هذا وذاك؛ لأن الكل مروى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم لقول عبد الله بن أحمد بن حنبل :سألت أبي عن المريض يومء أو يسجد على مرفقة؟ قال :كل ذلك قد روى، لا بأس به إن شاء الله.

والإيماء مروى عن ابن عمر وابن مسعود رضي الله عنهم موقوفا وروى عن جابر مرفوعا، والسجود على المرفقة مروى عن ابن عباس وأم سلمة رضي الله عنهم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹،ص ۲۴۶،مادة " عاهة ")

ولو تعذر التنكس لمرض أو لغيره فهل يجب وضع وسادة ونحوها ليضع الجبهة على شئ فيه وجهان حكاهما إمام الحرمين والغزالي ومن تابعه (أظهرهما) عند الغزالي الوجوب لأنه يجب التنكس ووضع الجبهة على شئ فإذا تعذر أحدهما لزمه الآخر (وأصحهما) عند غيره لا يجب بل يكفيه الخفض المذكور قال الرافعي هذا أشبه بكلام الأكثرين لأن هيئة السجود متعذرة فيكفيه الخفض الممكن قال ولا خلاف أنه لو عجز عن وضع الجبهة على الأرض وأمكنه وضعها على وسادة مع التنكيس لزمه ذلك(المجموع شرح المهذب، ج۳ص ۴۳۶، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مسائل تتعلق بالسجود)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر کوئی ایسا شخص کہ جو زمین پر پیشانی ٹِکا کر سجدہ کرنے سے عاجز ہے، اور وہ کسی چیز کو اٹھا کر پیشانی سے لگالے، یا کوئی دوسرا شخص سجدہ کے وقت اس کی پیشانی پر کوئی چیز لگادے، اور وہ سجدہ کے وقت اپنے سر کو نہ جھکائے، تو ایسی صورت میں اس کا سجدہ معتبر نہیں ہوتا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾وإن وضع بين يديه وسادة، أو شيئا عاليا، أو سجد على ربوة أو حجر، جاز، إذا لم يمكنه تنكيس وجهه أكثر من ذلك .وحكى ابن المنذر، عن أحمد، أنه قال :أختار السجود على المرفقة .وقال :هو أحب إلي من الإيماء .وكذلك قال إسحاق .وجوزه الشافعي، وأصحاب الرأي .ورخص فيه ابن عباس.

وسجدت أم سلمة على المرفقة .وكره ابن مسعود السجود على عود، وقال :يومء إيماء .ووجه الجواز؛ أنه أتى بما يمكنه من الانحطاط، فأجزأه، كما لو أومأ.

فأما إن رفع إلى وجهه شيئا فسجد عليه، فقال بعض أصحابنا :لا يجزئه .وروي عن ابن مسعود، وابن عمر، وجابر، وأنس، أنهم قالوا :يومء، ولا يرفع إلى وجهه شيئا .وهو قول عطاء ، ومالك، والثوري .وروى الأثرم عن أحمد، أنه قال :أي ذلك فعل، فلا بأس، يومء، أو يرفع المرفقة فيسجد عليها .قيل له :المروحة؟ قال :لا .أما المروحة فلا.

وعن أحمد، أنه قال :الإيماء أحب إلي .وإن رفع إلى وجهه شيئا فسجد عليه، أجزأه .وهو قول أبي ثور .ولا بد من أن يكون بحيث لا يمكنه الانحطاط أكثر منه، ووجه ذلك، أنه أتى بما أمكنه من وضع رأسه، فأجزأه، كما لو أومأ .ووجه الأول أنه سجد على ما هو حامل له، فلم يجزه، كما لو سجد على يديه(المغني لابنِ قدامة، ج٢ص ١٠٩، كتاب الصلاة،فصل عجز عن الركوع والسجود)

قال -رحمه الله -(فإن فعل) أي رفع شيئا يسجد عليه (وهو يخفض رأسه صح) لوجود الإيماء وقيل :هو سجود ذكره في الغاية وكان ينبغي أن يقال :لو كان الشيء الموضوع بحال لو سجد عليه الصحيح تجوز جاز للمريض على أنه سجود، وإن لم يجز للصحيح أن يسجد عليه فهو إيماء فيجوز للمريض إن لم يقدر على السجود(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق،ج ١، ص ٢٠١، باب صلاة المريض)

قال الشارح :وكان ينبغي أن يقال :لو كان ذلك الموضوع يصح السجود عليه كان سجودًا وإلا فإيماء انتهى.

وعندي فيه نظر لأن خفض الرأس بالركوع ليس إلا إيماء ومعلوم أنه لا يصح السجود دون الركوع ولو كان الموضوع مما يصح السجود عليه (النهر الفائق، ج ١، ص ٣٣٥، باب صلاة المريض)

اقول الحق التفصيل وهو انه ان كان ركوعه بمجرد ايماء الرأس من غير انحناء وميل الظهر فهذا ايماء لاركوع فلا يعتبر السجود بعد الايماء مطلقا وان كان مع الانحناء كان ركوعا معتبرا حتى انه يصح من المتطوع القادر على القيام فحينئذ ينظران كان الموضوع ممايصح السجود عليه كحجر مثلاًولم يزد ارتفاعه على قدر لبنة اولبنتين فهوسجود حقيقي فيكون راكعا ساجدا لاموميًا حتى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور اگر وہ سر کو سجدہ کے لئے جھکائے، اور اتنا جھکائے جہاں تک ممکن ہو، اور پھر پیشانی پر کوئی چیز اٹھا کر لگائی جائے، تو اس کو ایسا کرنا مکروہ ہے، مگر اس صورت میں اس کے سجدہ کا اشارہ کرنا درست ہو جاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ انہ یصح اقتداء القائم بہ واذا قدرفی صلاتہ علی القیام یتمھا قائما وان لم یکن الموضوع کذلک یکون مومئافلایصح اقتدآء القائم بہ،واذا قدر فیھا علی القیام استانفھابل یظھر لی انہ لو کان قادرا علی وضع شیئ علی الارض مما یصح السجود علیہ انہ یلزمہ ذلک لانہ قادرعلی الرکوع والسجود حقیقۃ ولایصح الایماء بھمامع القدرۃ علیھما بل شرطہ تعذرھما کما ھو موضوع المسئلۃ(ردالمحتار ج۲ص۹۸،۹۹ باب صلاۃ المریض)

اذا سجد المریض علیٰ شیئ موضوع علی الارض صح علیٰ انہ سجود وان وجد قوۃ الارض وکان ارتفاعہ اقل من نصف ذراع والا فھو ایماء قالہ الحلبی وقولہ وکان ارتفاعہ اقل من نصف ذراع ظاھرہ ان الارتفاع نصف ذراع مضر فی السجود ولیس کذلک بل المضر ماکان اکثر عند عدم الضرورۃ قال ابو السعود ولو سجد علیٰ مایجد حجمہ من وسادۃ لم یکن ارتفاعھا القدرالمانع بان کان قدرلبنۃ او لبنتین جاز علیٰ انھا برکوع وسجود انتھیٰ وقال فی شرح الملتقیٰ الاان یجد قوۃ الارض فتکون صلاتہ بالرکوع والسجود کما افادہ المصنف واستفید من ھذین النصین ان الرکوع فی ھذہ المسئلۃ حقیقی کالسجود(طحطاوی علی الدر ج ا ص ۳۱۹، باب صلاۃ المریض)

(ولو کان موضع سجودہ ارفع من موضع القدمین بمقدارلبنتین منصوبتین جاز)سجودہ(وان اکثرلا)الا لزحمۃ کما مر والمراد لبنۃ بخاری ،وھی ربع ذراع عرض ستۃ اصابع ، فمقدار ارتفاعھمانصف ذراع اثنتا عشرۃ اصبعا، ذکرہ الحلبی(الدرالمختار)

(قولہ جازسجودہ)الظاھر انہ مع الکراھۃ لمخالفتہ للماثور من فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم (ردالمحتارج ا ص۵۰۳، باب صفۃ الصلاۃ، مطلب فی اطالۃ الرکوع للجائی)

قال فی الاصل: ویکرہ للمومیٔ أن یرفع الیہ عوداً او وسادۃ لیسجد علیہ (المحیط البرھانی، جلد۳، صفحہ۳۳، کتاب الصلاۃ، فصل الحادی والثلاثون فی صلاۃ المریض، مسألتان: مسألۃ فی القعود ومسألۃ فی الاتکاء)

[1] قلت أرأیت المریض الذی لا یستطیع أن یرکع ولا یسجد أیسجد علی عود أو قصبۃ أو وسادۃ ترفع إلیہ قال أکرہ لہ ذلک قلت فإن رفع إلیہ فسجد علیہ من غیر أن یومی إیماء قال لا یجزیہ صلاتہ قلت فإن کان یخفض رأسہ بالسجود ثم یقرب العود منہ فیلزقہ بأنفہ وجبھتہ حتی فرغ من صلاتہ قال صلاتہ تامۃ قلت لم قال لأن خفض رأسہ إیماء.

قلت وکذلک لو وضع للمریض وسادۃ أو مرفقۃ یسجد علیھا قال نعم(الأصل المعروف بالمبسوط،ج ا،ص ۲۲۲،۲۲۳،کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ المریض فی الفریضۃ)

قال فی الأصل :ویکرہ للمومیء أن یرفع إلیہ عودا أو وسادۃ لیسجد علیہ، لما روی أن النبی علیہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کرسی پر بیٹھے بیٹھے حقیقی سجدہ ادا نہیں ہوتا

کرسی پر بیٹھا ہوا شخص اگر سجدہ کے وقت کرسی سے نیچے اتر کر زمین پر پیشانی ٹِکا کر سجدہ کرے اور سجدہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھ، گھٹنے اور پاؤں بھی زمین پر رکھے تو اس صورت میں حقیقی سجدہ اور اس کے واجبات کی ادائیگی درست ہوجاتی ہے۔

لیکن اگر کرسی پر بیٹھے ہوئے ہونے کی حالت میں سر جھکا کر اشارہ سے سجدہ کرے، تو یہ بات ظاہر ہے کہ اس کی پیشانی، ناک، ہاتھ اور گھٹنے زمین پر نہیں لگتے، جس کی وجہ سے اس کا سجدہ ادا نہیں ہوتا، اور نہ ہی سجدہ کے واجبات کی ادائیگی ہوتی ہے، اور اس حال میں رہتے ہوئے زمین یا اس کے قریب کسی چیز پر پیشانی ٹِکا کر سجدہ کرنا عموماً ممکن نہیں ہوتا۔

اور ایسی صورت میں اگر وہ اپنی نشست گاہ کے سامنے کوئی چیز مثلاً ٹیبل رکھ کر اس پر پیشانی ٹِکا کر سجدہ کرتا ہے، تو اس کا سجدہ کرنا معتبر ہوگا یا نہیں؟

تو اس سلسلہ میں دلائل کے اعتبار سے راجح یہ ہے کہ نشست گاہ کی سطح کے برابر یا اس سے معمولی اونچی کسی سخت چیز پر پیشانی رکھ کر سجدہ کر لینا حقیقی سجدہ نہیں کہلائے گا، بلکہ اشارہ والا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ السلام دخل على مريض يعوده، فوجده يصلى كذلک، فقال :إن قدرت أن تسجد على الأرض فاسجد وإلا أومىء برأسک ، وأن ابن مسعود رضى الله عنه دخل على أخيه يعوده فوجده يصلي، ويرفع إليه عودا فيسجد عليه فينزع ذلک من يد من كان فى يده وقال :هذا شيء عرض لكم الشيطان أومىء لسجودک.

فإن فعل ذلک ينظر إن كان يخفض رأسه للركوع ثم للسجود أخفض من الركوع جازت صلاته وإن كان لا يخفض رأسه ولكن يوضع شيء على جبهته لم تجز صلاته؛ لأنه لم يوجد السجود ولا الإيماء .

ثم اختلفوا أن هذا يعد سجودا وإيماء ، قال بعضهم :هو سجود، وقال بعضهم :هو إيماء ، وهو الأصح .فإن كانت الوسادة موضوعة على الأرض فكان يسجد عليها جازت صلاته، فقد صح أن أم سلمة رضى الله عنها كانت تسجد على برقعة موضوعة بين يديها لعلة كانت بها، ولم يمنعها رسول الله عليه السلام من ذلک(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۲، ص۱۴۶، كتاب الصلاة، الفصل الحادى والثلاثون فى صلاة المريض)

سجدہ قرار دیا جائے گا، اور جس شخص کو حقیقی سجدہ یعنی زمین پر پیشانی ٹِکا کر یا ناک لگا کر سجدہ کرنے کی قدرت ہو، اس کے لئے اس طرح سجدہ کرنا جائز نہ ہوگا، لہٰذا اگر کوئی شخص زمین پر سجدہ کرنے پر قادر ہو، تو اس کو کرسی پر بیٹھے بیٹھے سامنے جھک کر اشارہ سے سجدہ کرنا یا کرسی پر بیٹھ کر سامنے رکھی ہوئی کسی چیز پر پیشانی ٹیک کر سجدہ کرنا جائز نہیں، اور اس طرح اس کی نماز درست نہیں ہوتی۔ [1]

---

[1] کیونکہ سجدہ میں اتنا جھکنا ضروری ہے کہ وہ قعدہ ورکوع کی حد سے نکل جائے، اور اس کا سر اس کی پشت سے نیچے ہوجائے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ کرسی پر بیٹھ کر سامنے کسی چیز پر پیشانی ٹیکنے سے یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی، اس کے علاوہ فقہائے کرام نے سجدہ کے لئے فاصلہ کا اعتبار کرتے ہوئے قدمین یعنی پاؤں کی قید لگائی ہے، جو کہ زمین پر ہوتے ہیں اور کرسی کی نشست والی جگہ کیونکہ زمین سے غیر معمولی فاصلہ پر ہوتی ہے، اور کرسی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھے ہوئے ہونے کی حالت میں زمین یا اس سے معمولی اونچی چیز پر سر ٹِکا کر سجدہ کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس لئے دلائل کی رُو سے راجح یہی ہے کہ کرسی پر بیٹھے ہوئے ہونے کی حالت میں جو سجدہ کیا جائے گا، وہ حکمی یعنی اشارہ سے سجدہ کرنا کہلائے گا، خواہ نشست کے مساوی یا اس سے معمولی اونچی کسی چیز پر پیشانی ٹِکا کر ہی کیوں نہ سجدہ کیا جائے۔

چنانچہ الجوہرۃ النیرۃ میں ہے کہ:

ومن شرط جواز السجود ان لا يرفع قدميه فيه فان رفعهما فى حال سجوده لا تجزئه السجدة وان رفع احدهما قال فى المرتبة يجزئه مع الكراهة ولو صلى على الدكان وادلى رجليه عن الدكان عند السجود لا يجوز وكذا على السريراذاادلى رجليه عنه لا يجوزولو كان موضع السجود ارفع من موضع القدمين قال الحلوانى ان كان التفاوت مقدار اللبنةاواللبنتين يجوز وان كان اكثر لايجوزواراد اللبنة المنصوبة لاالمفروشة وحد اللبنة ربع ذراع (الجوهرة النيرة ج ا ص ۶۳،باب صفة الصلاة)

اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

بعضوں نے ایک اور مسئلہ گھڑ رکھا ہے کہ چاہے کھڑے ہونے پر قدرت ہو لیکن ریل میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، بس بیٹھے اور ٹکریں مار لیں۔

حالانکہ فرض نماز میں بشرطِ قدرت قیام فرض ہے، بعض نے یہ مسئلہ گھڑ رکھا ہے کہ تشہد میں بیٹھنا ہی ضروری نہیں، بس پاؤں لٹکا کر اطمینان سے دوسرے تختہ پر سر ٹیک دیا اور اپنے نزدیک نماز ادا کرلی، ذرا مشقت بھی گوارا نہیں، چاہے فرض سر سے اترے یا نہ اترے، بعض کو دیکھا کہ قبلہ رخ ہونا بھی ضروری نہیں سمجھتے، ریل میں کیا بیٹھے کہ اپنے نزدیک خانہ کعبہ میں پہنچ گئے (وعظ شرائط الطاعۃ ص ۱۹)

اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دھلوی رحمہ اللہ سے نوجوان، تندرست توانا اور طاقتور آدمی نے ایک نامعقول عذر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ اگر کوئی زمین پر سجدہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، تو وہ سجدہ سے عاجز ومعذور ہے، اور اس کو اشارہ سے سجدہ کرتے وقت کوئی چیز سامنے رکھ کر اس پر پیشانی ٹیکنا ضروری نہیں، بلکہ سجدہ کے لئے جتنا جھکنا ممکن ہو، اتنا جھک کر اشارہ سے سجدہ کرنے کا حکم ہے۔

اور اس سلسلہ میں پہلے بعض اہلِ علم کی رائے یہ تھی کہ کرسی پر بیٹھنے والے کے لئے اپنی نشست گاہ کی سطح کے برابر یا اس سے معمولی اونچی کسی سخت چیز پر پیشانی رکھ کر سجدہ کر لینا حقیقی سجدہ کہلاتا ہے، جس طرح سے کہ زمین پر بیٹھنے والے کے لئے معمولی اونچی چیز پر سجدہ کرنا بھی حقیقی سجدہ کہلاتا ہے، اور جو شخص سامنے ٹیبل وغیرہ رکھ کر سجدہ کرنے پر قادر ہو، اس کو اس پر پیشانی ٹِکا کر سجدہ کرنا ضروری ہوتا ہے، اور اگر وہ ایسا نہ کرے، جبکہ اس پر قادر بھی تھا، تو اس کی نماز درست نہیں ہوتی۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ کی بناء پر کرسی پر بیٹھ کر روبرو کسی ٹیبل پر سجدہ کر کے نماز کے جائز و ناجائز ہونے کے متعلق سوال کیا۔ جس کے جواب میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا کہ:

"کرسی پر پاؤں نیچے لٹکا کر بیٹھنا اور ٹیبل پر سجدہ کے لئے سر جھکانا جائز نہیں۔ اِلّا اس صورت میں کہ زمین پر بیٹھنا اور زمین پر سجدہ کرنا طاقت سے باہر ہو جائے۔ زمین پر بیٹھ کر کسی اونچی چیز پر جو زمین سے ایک بالشت سے زیادہ اونچی نہ ہو سجدہ کر لیا جائے تو عذر کی حالت میں جائز ہے" (کفایت المفتی مع عنوانات ج ۳ ص ۴۲۲)

اور مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

جو مریض نہ تو زمین پر سجدہ کر سکتا ہے، اور نہ ہی زمین پر بیٹھ سکتا ہے، وہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے، لیکن رکوع وسجود کے لئے صرف سر کا اشارہ کرے، سامنے کوئی لکڑی رکھ کر اس پر ماتھا ٹِکانا ضروری نہیں، بلکہ اگر وہ لکڑی چھاتی کے برابر ہو، تو ایسا کرنا مکروہ ہے (مریض ومعالج کے اسلامی احکام، ص ۱۰۸، ناشر: مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، سنِ اشاعت: 2006ء)

اور دارالعلوم دیوبند سے جو فتویٰ جاری ہوا، اس میں ہے کہ:

کسی نصب شدہ اونچی چیز پر سجدہ کرنا، یا بغیر کچھ رکھے ہوئے سجدہ کے لیے صرف اشارہ کرنا دونوں جائز ہیں، مگر مذکورہ ٹیبل والی کرسی پر سجدہ، حقیقی سجدہ نہیں ہوگا؛ بلکہ وہ بھی اشارہ ہی ہوگا، مذکورہ کرسی پر بیٹھ کر اگر کوئی شخص نماز پڑھائے گا، تو اس کے پیچھے رکوع وسجدہ کرنے والوں کی نماز نہیں ہوگی (ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند، انڈیا، ص ۲۰، جون 2011ء)

[۱] چنانچہ ہماری معلومات کے مطابق آج سے تقریباً ۲۲ سال پہلے جامعہ دارالعلوم کراچی سے جو فتویٰ جاری ہوا، اور اس کے بعد متعدد فتاویٰ جاری ہوئے، ان میں اسی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مگر حال ہی میں ان اہلِ علم حضرات نے اپنے اس موقف سے رجوع کرلیا ہے، اور اب ان حضراتِ گرامی کے نزدیک بھی زمین پر سجدہ کی قدرت رکھنے والے کو کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے سجدہ کرنا اور سامنے نشست گاہ کے برابر یا اس سے معمولی اونچی چیز پر سجدہ کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ حقیقی سجدہ نہیں، اور قیام، رکوع اور زمین پر پیشانی ٹِکا کر یا ناک لگا کر سجدہ سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم، ۱۴۱۳ھ کے ایک فتوے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

خلاصہ یہ ہے کہ جب قیام پر قدرت نہ ہو، تو زمین پر بیٹھ کر بھی نماز جائز ہے، اور گاڑی (ویل چیئر یا کرسی۔ناقل) پر بیٹھ کر بھی؛ لیکن دونوں صورتوں میں اگر سجدے پر قدرت ہو تو سجدہ کرنا ضروری ہوگا، خواہ زمین پر کرے، یا گاڑی کے سامنے کوئی تختہ یا میز رکھ کر۔

اس طرح سجدے پر قدرت نہ ہو تب اشارہ جائز ہوگا، ورنہ نہیں۔واللہ سبحانہٗ اعلم۔محمد تقی عثمانی۔

۱۴۱۳/۴/۱۵ھ (دارالافتاء دارالعلوم کراچی، فتویٰ نمبر ۳۱۳/۲۳)

(ماخوذ از: کرسی پر نماز پڑھنے کے شرعی احکام، ص۱۳، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، تاریخِ طباعت: جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ)

اور دارالعلوم کراچی کا ایک فتویٰ جو کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کا مؤرخہ ۱۴۱۹/۱/۲۲ھ کا تحریر کردہ اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، ومفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب، ومفتی محمود اشرف عثمانی صاحب ومفتی محمد عبدالمنان صاحب اور مفتی اصغر علی ربانی صاحب زید مجدہم کا تصدیق شدہ ہے، اس میں مذکور ہے کہ:

کرسی یا اسٹول پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں سامنے ٹیبل وغیرہ رکھ کر اس پر سجدہ کرنا فرض ہے، البتہ اس میں یہ ضروری ہے کہ وہ ٹیبل اونچائی میں کرسی یا اسٹول کے برابر ہو، اگر کرسی سے اونچی ہو تو ایک یا دو اینٹ سے زیادہ اونچی نہ ہو کیونکہ اس سے زیادہ اونچی ٹیبل پر سجدہ کرنا درست نہیں (ماہنامہ البلاغ، صفحہ ۴۹، ماہ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ، فتویٰ نمبر ۳۱۳/۲۳، کرسی پر نماز پڑھنے کے شرعی احکام، ص ۱۵، ۱۶)

نیز دارالعلوم کراچی کے ایک فتوے میں (جو مولانا محمد یعقوب صاحب کا مؤرخہ ۴/ ذوالقعدہ ۱۴۳۱ھ کا تحریر کردہ اور مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب ومفتی محمود اشرف عثمانی صاحب ومفتی اصغر علی ربانی صاحب اور مفتی محمد عبدالمنان صاحب زید مجدہم کا تصدیق شدہ ہے) تحریر ہے کہ:

حضراتِ فقہائے کرام رحمہم اللہ کی عبارات میں موضعِ قدمین والی بات کا تعلق اس قعود سے ہے، جس میں آدمی قدمین کو موضعِ نشست بنا کر ان پر اپنا سارا زور ڈال کر بیٹھتا ہے، مثلاً سنت کے مطابق زمین پر بیٹھنے کی ہیئت (بلکہ نماز کے اندر قعود کے وقت سنت کے مطابق بیٹھنا ہی اصل ہے)

اس لئے حضراتِ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے اس حالت کا اعتبار کرتے ہوئے موضعِ قدمین کا ذکر کیا ہے، اور اس کی مساوی جگہ یا زیادہ سے زیادہ دو اینٹ کے بمقدار اونچی جگہ کو موضعِ سجدہ قرار دیا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

معذوری کی جس صورت میں کرسی پر بیٹھ کرنماز پڑھنا اور اشارہ سے سجدہ کرنا جائز ہے، اس میں بھی سامنے کسی چیز کو رکھ کر اس پر پیشانی ٹِکا کر یا ناک لگا کر سجدہ کرنا ضروری نہیں۔ [۱]

معذور شخص کو اشارہ سے سجدہ کرنے کا حکم

جو شخص زمین پر پیشانی ٹِکا کر یا ناک لگا کر سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو، بلکہ عاجز ہو، تو اس پر سجدہ کرنا معاف ہو جاتا ہے، اور اس کو سجدہ کی جگہ اشارہ کرنا جائز ہوتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ بخلاف اس معذور آدمی کے جو کرسی پر پاؤں لٹکا کر بیٹھتا ہے، وہ چونکہ اپنا سارا زور سُرین پر ڈال کر بیٹھتا ہے قدمین پر نہیں۔

اس لئے اس کی نشست ہی اس کے لئے موضعِ قدمین کے حکم میں ہے، اور جس طرح سُرین کے توسط سے قدمین پر بیٹھنے والے کی سجدے کی جگہ اس کے موضعِ قدمین سے شمار کی جاتی ہے۔

اسی طرح کرسی پر بیٹھنے والے کے لئے بھی موضعِ سجدہ اس کی نشست کے مساوی یا زیادہ سے زیادہ دو اینٹ کے بمقدار اونچی جگہ کو شمار کیا جائے گا۔

لہٰذا حضراتِ فقہائے کرام رحمہم اللہ کی یہ عبارات کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے لئے بھی مستدل ہیں۔

(فتویٰ دار العلوم کراچی، فتویٰ نمبر ۱۳۱۰/ ۲۵)

(ایضاً کرسی پر نماز پڑھنے کے شرعی احکام، صفحہ ۱۱۰)

اس کے علاوہ درالعلوم کراچی کے متعدد فتاویٰ میں یہی موقف اختیار کیا گیا ہے۔

ملاحظہ ہو: مذکورہ کتاب صفحہ ۱۵، و ۳۱ و ۳۲، و ۳۴، و ۳۹، و ۴۱، و ۴۳، و ۴۴، و ۴۸، و ۵۰، و ۵۸، و ۸۵، و ۱۰۹، و ۱۳۲، و ۱۳۵۔

[۱] چنانچہ دار العلوم کراچی سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کا تحریر کردہ اور وہاں کے چند اہلِ علم حضرات کا تصدیق شدہ فتویٰ جو گزشتہ دنوں ہی جاری ہوا، اس میں ہے کہ:

کرسی پر بیٹھنے کی صورت میں سامنے کسی چیز پر سجدہ کرنے کو دو وجہ سے ''سجدۂ حقیقیہ'' نہیں کہا جا سکتا، ایک وجہ یہ ہے کہ کرسی پر بیٹھے ہوئے گھٹنے زمین پر نہیں ہو سکتے، اور گھٹنوں کا زمین پر ٹکنا راجح قول کے مطابق سجدے کے لئے واجب ہے............

اس کے علاوہ کرسی کے سامنے جو تختہ یا میز وغیرہ رکھی ہو، وہ اگرچہ مصلی کے بیٹھنے کی جگہ سے زیادہ بلند نہ ہو، لیکن زمین سے کافی بلند ہوتی ہے، اور کسی نص میں اس طرح شے مرتفع پر سجدہ کرنے کا حکم مذکور نہیں (ماہنامہ ''البلاغ'' جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ، اپریل 2013ء، صفحہ ۴۹)

رکوع اور سجدہ سے معذوری کی جس صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، اس میں بہتر یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کی جائے۔ اور اگر قیام پر قدرت ہو، تو قرائت کرسی پر بیٹھنے کے بجائے کھڑے ہو کر ہی کرنی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور سجدہ سے عاجز ہونا عام ہے خواہ بالکل ہی عاجز ہو اور وہ اس طرح کہ سجدہ کے لیے کمر ہی نہ جھکا سکے، یا بالکل عاجز تو نہ ہو، لیکن شریعت اس کے عاجز ہونے کا حکم لگاتی ہو اور وہ اس طرح کہ سجدہ تو کرسکتا ہے لیکن سجدہ کرنے سے ضرر ہوتا ہے (مثلاً بیماری پیدا ہوتی ہے یا بیماری میں اضافہ ہوتا ہے، یا بیماری سے ٹھیک ہونے میں تاخیر ہوتی ہے)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ چاہئے، البتہ قیام، رکوع اور سجدے پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں اگر کرسی پر نماز ادا کی جائے تو اُس میں رکوع اور سجدے کے لئے اشارہ کرنا بھی جائز ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ سامنے کرسی کی نشست کے برابر یا اُس سے معمولی اونچی چیز پر سرٹکا کر سجدہ کرے، لیکن یہ بھی اشارے ہی کے حکم میں ہوگا، اسے با قاعدہ حقیقی سجدہ نہیں کہا جائے گا، اور ایسا کرنا واجب بھی نہیں۔ البتہ ھیئتِ سجدہ سے نسبۃً اقرب ہونے کی بنا پر اس کو بہتر سمجھا جائے تو یہ بھی بعید نہیں۔

اس تحریر سے پہلے دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی سے جاری ہونے والے فتاویٰ میں جو کوئی جزء اس تحریر کے خلاف ہے، اُس سے رجوع کیا جاتا ہے۔

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴/۲/۴/۱۴۳۴ھ

(ماہنامہ ''البلاغ'' جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ، اپریل 2013ء، صفحہ ۵۲، ۵۳)

اور حضرت مولانا مفتی عبدالرؤوف سکھروی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں کہ:

جو شخص نماز کے اندر کسی عذر کی وجہ سے قیام کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو، البتہ رکوع اور سجدہ کرسکتا ہو، تو ایسے شخص کے لئے بہتر یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر ہی نماز ادا کرے، با قاعدہ جھک کر رکوع کرے اور زمین پر سرٹکا کر سجدہ کرے، محض اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرنا جائز نہیں، ایسا کرنے سے اس کی نماز نہ ہوگی، اور بلا عذر کرسی استعمال نہ کرے، لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو، تو رکوع کے وقت با قاعدہ جھک کر رکوع کرنے کے بعد سجدہ کے وقت نیچے زمین پر اُتر کر سرٹکا کر سجدہ کرنا ضروری ہے، کرسی کے سامنے تختہ یا میز پر بھی سجدہ نہ کرے کیونکہ یہ حقیقی سجدہ نہیں ہے، جبکہ یہ شخص با قاعدہ سرٹکا کر سجدہ کرنے پر قادر ہے (ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی، ص ۲۱، جمادی الاخریٰ ۱۴۳۵ھ)

اگر وہ زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتا، بلکہ عذر اور تکلیف کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے، تو اگر وہ زمین پر اتر کر سجدہ کرسکتا ہے، تو اتر کر زمین پر سجدہ کرنا ضروری ہے، پھر کرسی پر بیٹھے، کرسی کے سامنے تختہ یا میز پر سجدہ نہ کرے، کیونکہ یہ حقیقی سجدہ نہیں ہے (ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی، رجب ۱۴۳۵ھ ص ۲۶)

کرسی پر بیٹھ کر سامنے میز یا تختہ پر سجدہ کرنا ضروری نہیں ہے، تاہم اگر کسی عذر کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جیسے کسی نے آنکھ بنوائی ہے (یعنی آنکھ کا آپریشن کرایا ہے) اور معتبر وماہر معالج وڈاکٹر نے جھکنے سے منع کیا ہے، یا اپنے سابقہ تجربہ سے جھکنے میں ضرر و تکلیف کا ہونا ثابت ہوا ہے، تو یہ شخص سجدہ سے معذور قرار دیا جائے گا، اور اس کو اشارہ سے سجدہ کرنا جائز ہوگا۔ [۱]

اگر کوئی شخص زمین پر پیشانی اور ناک دونوں کے ٹِکانے سے عاجز ہو، جس کی وجہ سے اسے اشارہ سے سجدہ کرنا جائز ہو، اور وہ زمین پر گھٹنے، ہاتھ اور پاؤں ٹیکنے پر قادر ہو، تو کیا اس کو پیشانی وناک کے علاوہ دوسرے اعضاء کا ٹِکانا ضروری ہے؟

اس میں اہلِ علم حضرات کا اختلاف ہے، بعض ضروری قرار دیتے ہیں، اور بعض غیر ضروری، اگر بآسانی ممکن ہو، تو ٹِکا لینے میں ہی احتیاط ہے۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

پڑھ رہا ہے، اور سامنے کرسی کی نشست کے برابر یا اس سے معمولی اونچی چیز پر سر ٹِکا کر سجدہ کرلے، تو یہ بھی جائز ہے، بلکہ حقیقی سجدہ کی ھیئت سے کچھ زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے بہتر ہے (ایضاً ص ۲۷)

مگر ان حضراتِ گرامی نے زمین پر پیشانی ٹِکا کر سجدہ کرنے سے معذور اور کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کے لئے سامنے کوئی چیز رکھنے کو جو بہتر قرار دیا ہے، ہمیں اس سے اتفاق نہیں، جس کے دلائل اور وجوہات پیچھے احادیث وروایات کی روشنی میں گزر چکی ہیں۔ محمد رضوان۔

[۱] عدم القدرة على وضع الجبهة والأنف: السجود على الجبهة واجب ، حيث كان النبى صلى الله عليه وسلم إذا سجد أمكن أنفه وجبهته من الأرض وإن سجد على مخدة أجزأه؛ لأن أم سلمة - رضى الله عنها - سجدت على مخدة لرمد بها بلا رفع، واحتج بفعل ابن عباس - رضى الله عنهما - وغيرهما . فإن رفع شيئا كالوسادة أو الخشبة أو الحجر إلى جبهته فإن الحنفية يرون أنه لا يجزئه؛ لانعدام السجود لقوله صلى الله عليه وسلم : إن استطعت أن تسجد على الأرض وإلا فأوم إيماء ، واجعل سجودك أخفض من ركوعك برأسك فإن فعل ذلك وهو يخفض رأسه أجزأه؛ لوجود الإيماء، وإن وضع ذلك على جبهته لا يجزئه .

ويكره عند بعض الحنابلة ويجزئه عند آخرين نصا؛ لأنه أتى بما أمكنه منه أشبه الإيماء(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص ۲۶۲، مادة "صلاة المريض")

[۲] جو حضرات ضروری قرار دیتے ہیں، ان کا فرمانا یہ ہے کہ شریعت کا اصول یہ ہے کہ جس چیز سے انسان معذور ہو، صرف وہی چیز معاف ہوا کرتی ہے "الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ"

اور سجدہ میں پیشانی اور ناک کے علاوہ مذکورہ دیگر اعضاء کے ٹِکانے کا مستقل طور پر حکم احادیث میں آیا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

سجدہ سے معذور شخص کس طرح نماز پڑھے؟

جو شخص سجدہ کرنے سے معذور ہو، اسے سجدہ تو معاف ہے، اور اس کو سجدہ کی جگہ اشارہ کرنے کا حکم ہے، یعنی سجدہ کے وقت وہ سجدہ کے لئے جس قدر ممکن ہو، اتنا جھک کر سجدہ کرے۔

اب رہا یہ کہ ایسا شخص نماز کھڑے ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر پڑھے؟

تو متعدد مشائخِ حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص سے قیام معاف ہو جاتا ہے، اور اس کو یہ اختیار

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور جو حضرات غیر ضروری قرار دیتے ہیں، ان کا فرمانا یہ ہے کہ اصل حکم پیشانی اور ناک ٹِکانے کا ہے، اور جب کوئی اس سے عاجز ہو، تو اس سے ضمناً باقی اعضاء کا ٹِکانا بھی معاف ہو جانا چاہئے۔

لیکن کیونکہ احادیث میں تمام اعضاء کے سجدہ کرنے کا حکم آیا ہے، اس لئے جتنے اعضاء کا سجدہ ممکن ہو، ان کا سجدہ کر لینا زیادہ احتیاط پر مبنی اور مناسب ہے، واللہ اعلم۔ محمد رضوان۔

إذا عجز المكلف عن الركوع والسجود مع القدرة على القيام والجلوس يومء للركوع من قيام ويومء للسجود من قعود، فإن خالف ذلك بطلت صلاته .أما من حيث وضع اليدين على الأرض إن كان مستطيعاً ذلك فى الإيماء للسجود فهناك قولان :الأول :يضع يديه، والثانى :لا يضعهما على الأرض بل على الركبتين (فقه العبادات على المذهب المالكى، ج ا، ص ۱۵۶، الباب الرابع: صفة الصلاة)

قوله بل يضعهما على ركبتيه) أى لأن وضعهما على الأرض حالة السجود تابع لوضع الجبهة عليها وهو لم يسجد على جبهته (حاشية الدسوقى على الشرح الكبير، ج۲، ص ۴۷۸، فصل ذكر فيه حكم القيام بالصلاة وبدله ومراتبهما)

مسألة :إذا كان لا يستطيع السجود على الجبهة فقط؛ لأن فيها جروحا لا يتمكن أن يمس بها الأرض، لكن يقدر باليدين وبالركبتين فماذا يصنع؟

الجواب :نأخذ بالقاعدة :(فاتقوا الله ما استطعتم)فيضع يديه على الأرض ويدنو من الأرض بقدر استطاعته؛ لقوله تعالى :(فاتقوا الله ما استطعتم) وأما قول من قال من العلماء :إنه إذا عجز عن السجود بالجبهة لم يلزمه بغيرها، فهذا قول ضعيف؛ لأننا إذا طبقنا الآية الكريمة (فاتقوا الله ما استطعتم) كانت دالة على أنه يجب أن يسجد على الأرض بما استطاع من أعضائه، فإذا كان يستطيع أن يسجد على الكفين وجب.

ولو فرضنا أنه لا يستطيع أن يسجد أبدا، بمعنى :لا يستطيع أن يحنى ظهره إطلاقا فحينئذ لا يلزمه أن يضع يديه على الأرض؛ لأنه لا يقرب من هيئة السجود، أما لو كان يستطيع أن يدنو من الأرض حتى يكون كهيئة الساجد، فهنا يجب عليه أن يسجد، ويقرب جبهته من الأرض ما استطاع(الشرح الممتع على زاد المستقنع،للعثيمين، ج۴،ص ۳۳۶، ۳۳۷،كتاب الصلاة،باب صلاة أهل الأعذار)

ہوتا ہے کہ بیٹھ کر سجدے کے اشارے سے نماز ادا کرے، یا کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کا اشارہ کرے یا پھر رکوع کا اشارہ کھڑے ہو کر اور سجدہ کا اشارہ بیٹھ کر کرے۔ [1]

اور متعدد حنفیہ نیز دیگر اکثر اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اگر یہ سجدہ سے معذور شخص قیام پر قادر ہو، تو اس سے قیام معاف نہیں ہوتا، بلکہ اس کو قیام کرنا ضروری ہوتا ہے، اور قیام کی حالت میں رکوع کرنا ممکن ہو، تو وہ بھی ضروری ہوتا ہے، اور سجدہ بیٹھ کر اشارہ سے کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اور احتیاط اسی قول پر عمل کرنے میں ہے، جس کے دلائل بھی بہت قوی ہیں، جیسا کہ قیام کے بیان میں گزرا۔

اس لئے جو شخص سجدہ سے تو معذور ہو، مگر قیام پر قادر ہو، تو اس کو قیام کے وقت کھڑے ہونا چاہئے اور قیام کو ترک نہیں کرنا چاہئے، جبکہ وہ نماز فرض ہو۔

---

[1] ان حضرات کے نزدیک جو شخص حقیقی سجدہ سے عاجز ہو اس سے جس طرح قیام معاف ہو جاتا ہے، اسی طرح ایسے شخص سے حقیقی رکوع بھی معاف ہو جاتا ہے، اور اس کے لئے رکوع کا اشارہ کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

(یخیر ان شاء صلی قائما بالایماء وان شاء صلی قاعدا بالایماء)لکن الایماء قاعدا افضل لقربه من السجود ،قال الفقیر لو قیل ان الایماء قائما افضل للخروج من الخلاف لکان موجها ولکن لم ارمن ذکره ،وذکر الزاهدی انه یؤمی للرکوع قائما وللسجود جالسا ،ولو عکس لایصح (حلبی کبیر ص ۲۶۲،فرائض الصلاۃ)

ولهذا سقط الرکوع عمن سقط عنه السجود، وإن کان قادرا علی الرکوع، وکان الرکوع بمنزلة التابع له، فکذا القیام بل أولی؛ لأن الرکوع أشد تعظیما وإظهارا لذل العبودیة من القیام، ثم لما جعل تابعا له وسقط بسقوطه فالقیام أولی، إلا أنه لو تکلف وصلی قائما یجوز لما ذکرنا، ولکن لا یستحب؛ لأن القیام بدون السجود غیر مشروع، بخلاف ما إذا کان قادرا علی القیام والرکوع والسجود؛ لأنه لم یسقط عنه الأصل فکذا التابع(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۱۰۷، کتاب الصلاۃ، فصل ارکان الصلاۃ)

وبهذا ظهر أن تعذر أحدهما کاف للإیماء بهما وفی البدائع أن الرکوع یسقط عمن یسقط عنه السجود وإن کان قادرا علی الرکوع اهـ(البحرالرائق، ج۲ص ۱۲۲، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المریض)

بل یلزم من کلامه أیضا أن لا یسقط الرکوع عنه إذا عجز عن السجود فقط لأنه یمکنه أداؤه قائما کالقراءة مع أنه یسقط عنه کما مر عن البدائع وبعد هذا فإن کان ما ذکره منقولا فهو مقبول وإن کان قاله قیاسا علی ما إذا قدر علی بعض القیام حیث یلزمه وتلزمه القراءة فیه فالفرق جلی لا یخفی فلیراجع(منحة الخالق علی البحرالرائق، ج۲ص ۱۲۲، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المریض)

لان القیام والرکوع لم یشرعا قربة بنفسهما، بل لیکونا وسیلتین الی السجود اه (ردالمحتار، ج۲ص۹۷، کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ المریض)

معذور کو سجدہ کے اشارہ میں رکوع سے زیادہ جھکنے کا حکم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ وَھُوَ عَلٰی رَاحِلَتِہِ النَّوَافِلَ فِیْ کُلِّ جِھَۃٍ، وَلٰکِنَّہٗ یَخْفِضُ السُّجُوْدَ مِنَ الرَّکْعَۃِ، وَیُوْمِءُ إِیْمَاءً

(مسند احمد، رقم الحدیث ۱۴۱۵۶) [1]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرف رُخ کر کے اپنی سواری پر نفل نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، البتہ آپ رکوع کے مقابلہ میں سجدہ کے لئے زیادہ جھکتے تھے، اور اشارہ سے (نماز) پڑھتے تھے (مسند احمد)

سواری پر سنت ونفل نماز بیٹھ کر اور رکوع وسجدہ اشارہ سے کر کے پڑھنا جائز ہے، جیسا کہ تفصیلاً اس کا ذکر آگے آتا ہے، لیکن رکوع وسجدہ کے اشارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کا اشارہ رکوع کے مقابلہ میں زیادہ جُھک کر کیا۔

اس کے علاوہ کئی احادیث وروایات میں رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرنے والے کو سجدہ کے اشارہ میں رکوع سے زیادہ جھکنے کا حکم آیا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

جس سے متعدد فقہائے کرام نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جو شخص رکوع وسجدہ سے معذور ہو، اور وہ اشارے سے رکوع وسجدہ کر کے نماز پڑھے، تو اس پر یہ لازم ہے کہ وہ سجدہ کا اشارہ رکوع کے مقابلہ میں ممکنہ حد تک زیادہ جھک کر کرے، اور اگر رکوع وسجدہ دونوں کا اشارہ برابر یا سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارہ سے کم کرے گا، تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ [2]

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسنادہ صحیح علی شرط مسلم (حاشیۃ مسند احمد)

[2] (وإن تعذر الرکوع أو السجود أومأ برأسہ) أی یشیر إلی الرکوع والسجود (قاعدا) إن قدر علی القعود لأنہ وسعہ (وجعل سجودہ) بالإیماء (أخفض من رکوعہ) لأن نفس السجود أخفض من الرکوع فکذا الإیماء بہ (ولا یرفع إلی وجھہ شیئا للسجود) روی أن النبی -علیہ الصلاۃ والسلام -

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

معذور شخص کو سجدہ سے اٹھ کر جلسۂ استراحت کا حکم

سجدہ سے اٹھ کر جب قیام میں جانا ہو، تو حنفیہ کے نزدیک بلا کسی عذر کے عام حالات میں سجدہ کے بعد بیٹھنا اور کچھ دیر بیٹھ کر پھر کھڑا ہونا سنت نہیں، جس کو جلسۂ استراحت کہا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عاد مريضا فرآه يصلى على وسادة فأخذها فرمى بها وأخذ عودا ليصلى عليه فأخذه فرمى به وقال صل على الأرض إن استطعت وإلا فأوم واجعل سجودك أخفض من ركوعك (فإن فعل) ذلك (وهو يخفض رأسه صح إيماؤه) لوجود الإيماء (وإلا) أى وإن لم يخفضه (فلا) يصح لعدم الإيماء .

وفى الشمنى لو كان المريض يصلى بركوع وسجود فرفع إليه شيء فسجد عليه قالوا :إن كان إلى السجود أقرب منه إلى القعود جاز وإلا فلا.

وفى القهستانى لو سجد على شيء مرفوع موضوع على الأرض لم يكره ولو سجد على دكان دون صدره يجوز كالصحيح لكن لو زاد يومء ولا يسجد عليه(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ١،ص ١٥٤، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

والمومء يسجد للسهو بالإيماء ، كذا فى المحيط ويكره للمومء أن يرفع إليه عودا أو وسادة ليسجد عليه فإن فعل ذلك ينظر إن كان يخفض رأسه للركوع ثم للسجود أخفض من الركوع جازت صلاته، كذا فى الخلاصة ويكون مسيئا هكذا فى المضمرات.

وإن كان لا يخفض رأسه لكن يوضع العود على جبهته لم يجز هو الأصح فإن كانت الوسادة موضوعة على الأرض وكان يسجد عليها جازت صلاته، كذا فى الخلاصة(الفتاوى الهندية، ج ١،ص ١٣٦، كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر فى صلاة المريض)

(قوله فلو سجد) أى على شيء وضعه عنده أو على السرج اعتبر إيماء بعد أن يكون سجوده أخفض(رد المحتار على الدر المختار، ج٢،ص ٣٩،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل)

(قوله وجعل سجوده أخفض) أى أخفض من ركوعه لأنه قائم مقامهما فأخذ حكمهما وعن على -رضى الله عنه -أن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال فى صلاة المريض إن لم يستطع أن يسجد أومأ وجعل سجوده أخفض من ركوعه وروى عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه قال من لم يقدر على السجود فليجعل سجوده ركوعا وركوعه إيماء والركوع أخفض من الإيماء كذا فى البدائع وظاهره كغيره أنه يلزمه جعل السجود أخفض من الركوع حتى لو سواهما لا يصح ويدل عليه أيضا ما سيأتى(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج٢،ص ١٢٢ ،باب صلاة المريض)

واستدل للكراهة فى المحيط بنهيه -عليه السلام -عنه وهو يدل على كراهة التحريم وأراد بخفض الرأس خفضها للركوع ثم للسجود أخفض من الركوع حتى لو سوى لم يصح كما ذكره الولوالجى فى فتاويه ولو رفع المريض شيئا يسجد عليه ولم يقدر على الأرض لم يجز إلا أن يخفض

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جاتا ہے۔ ۱

البتہ شافعیہ کے نزدیک جلسۂ استراحت سنت ہے، کیونکہ بعض احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک اگر کسی عذر مثلاً جسم کے بھاری ہونے یا کمزوری یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے کوئی شخص جلسۂ استراحت کرے، تو بلا کراہت جائز ہے۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

برأسه لسجوده أكثر من ركوعه ثم يلزقه بجبينه فيجوز لأنه لما عجز عن السجود وجب عليه الإيماء والسجود على الشيء المرفوع ليس بالإيماء إلا إذا حرك رأسه فيجوز لوجود الإيماء لا لوجود السجود على ذلك الشيء اهـ.

وصححه فى الخلاصة قيد بكون فرضه الإيماء لعجزه عن السجود إذ لو كان قادرا على الركوع والسجود فرفع إليه شيء فسجد عليه قالوا إن كان إلى السجود أقرب منه إلى القعود جاز وإلا فلا كذا فى المحيط وفى السراج الوهاج ثم إذا وجد الإيماء فهو مصل بالإيماء على الأصح لا بالسجود حتى لا يجوز اقتداء من يركع ويسجد به(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج٢،ص ١٢٣،باب صلاة المريض)

۱ جلسة الاستراحة:

ذهب الحنفية والمالكية وهو مقابل الأصح لدى الشافعية، والصحيح من المذهب لدى الحنابلة إلى أن المصلى إذا قام من السجدة الثانية لا يجلس جلسة الاستراحة، ويكره فعلها تنزيها لمن ليس به عذر.

وروى ذلك عن عمر وعلى وابن مسعود، وابن عمر وابن عباس رضى الله عنهم، وبه قال الثورى وإسحاق، قال الترمذى :وعليه العمل عند أهل العلم، وقال أبو الزناد :تلك السنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٥،ص ٢٦٦،مادة "جلوس")

۲ ويرى الشافعية فى الأصح وهو رواية ثانية عن أحمد اختارها الخلال أنه يسن بعد السجدة الثانية جلسة للاستراحة فى كل ركعة تقوم عنها، لما روى مالك بن الحويرث :أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يجلس إذا رفع رأسه من السجود قبل أن ينهض فى الركعة الأولى.

وصفة الجلوس هنا كالجلوس بين السجدتين قدرا وهيئة، ويكره تطويله، وهذا يخالف قول الرافعى " :أنها خفيفة "وقول النووى فى مجموعه "أنها خفيفة جدا ."

ثم قطع الرافعى :بأنها للفصل بين الركعتين، وحكى النووى وجها أنها :من الثانية، وهناك وجه ثالث أبداه صاحب الذخائر وهو :أنها من الركعة الأولى

ومن خصائص جلسة الاستراحة عند من يقول بها -أنها لا يدعو فيها بشىء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٥،ص٢٦٧،مادة "جلوس")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پس جو لوگ زمین پر سجدہ کرنے پر قادِر ہوں، مگر انہیں دوسرے سجدہ سے فارغ ہوکر فوراً کھڑا ہونا مشکل ہو، تو انہیں کچھ دیر بیٹھ کر کھڑا ہونا جائز ہے، لہٰذا انہیں اسی طریقہ پر عمل کرنا چاہئے، اور صرف اس وجہ سے فرض نمازوں میں قیام کرنے اور زمین پر سجدہ کرنے کو ترک نہیں کرنا چاہئے، جیسا کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں، اور وہ صرف اس عذر کی بنیاد پر کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں۔

سجدہ یا قعدہ سے فارغ ہوکر سہارا لے کر کھڑا ہونا

اسی طرح عام حالات میں سجدہ یا قعدہ سے فارغ ہوکر زمین یا کسی چیز کا سہارا لئے بغیر کھڑا ہونا سنت ہے، لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے زمین یا دیوار وغیرہ کا سہارا لے کر کھڑا ہوا جائے، تو اس میں کوئی حرج اور کراہت نہیں۔[1]

لہٰذا جو لوگ جسم کے بھاری یا کمزور یا بیمار ہونے کی وجہ سے زمین سے سہارا لے کر اٹھ سکتے ہوں، انہیں اسی پر عمل کرنا چاہئے، اور صرف اس وجہ سے قیام اور زمین پر سجدہ کے فریضہ کو ترک کر کے کرسی پر بیٹھ کر نماز نہیں پڑھنی چاہئے، جیسا کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں، اور وہ زمین وغیرہ کا سہارا لے کر کھڑے ہونے پر قادر ہوتے ہیں، مگر وہ اپنے آپ کو معذور سمجھ کر کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، اس طرزِ عمل کے اصلاح کی ضرورت ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ جلسة الاستراحة: ذهب الشافعية إلى أنه يسن بعد السجدة الثانية جلسة للاستراحة في كل ركعة يقوم منها؛ لما روى مالك بن الحويرث: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يجلس إذا رفع رأسه من السجود قبل أن ينهض في الركعة الأولى.
وذهب جمهور الفقهاء -الحنفية والمالكية والحنابلة- إلى كراهة فعلها تنزيها لمن ليس به عذر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۱۰۰، مادة "سنن الصلاة")

[1] وكالاعتماد وجلسة الاستراحة السنة عندنا تركهما. ولو فعلهما لا بأس كما سيأتي في محله. فيكره فعلهما تنزيها مع أنهما سنتان عند الشافعي (ردالمحتار، ج۱ ص۱۴۷، كتاب الطهارة، باب سنن الوضوء)

www.idaraghufran.org

﴿فصل نمبر۴﴾

قعدہ کی فرضیت اور اس سے معذوری کے احکام

نماز کی ایک حالت قعدہ یا جلوس یعنی بیٹھنے کی کہلاتی ہے۔

مالکیہ، شافعیہ اور حنفیہ میں سے امام طحاوی اور کرخی کے نزدیک نماز میں پہلا قعدہ سنت ہے، جس کو قعدۂ اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔

اور حنفیہ کے مشہور قول اور حنابلہ کے مذہب کے مطابق نماز میں پہلا قعدہ واجب ہے۔ [1]

اور حنفیہ سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک نماز میں دوسرا قعدہ فرض ہے، جس کو قعدۂ اخیرہ بھی کہا جاتا ہے، خواہ وہ نماز فرض ہو یا واجب ہو یا سنت ہو یا نفل نماز ہو۔ [2]

نماز میں قعدہ یا جلوس کی حقیقت

نماز میں قعدہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ انسان کا دھڑ دو حصوں

---

[1] الجلوس فی التشهد: ذهب المالكية، والشافعية، والطحاوی والكرخی من الحنفية، وهو وجه عند الحنابلة إلى أن الجلوس فی التشهد الأول سنة، لأنه يسقط بالسهو فأشبه السنن.
وفی قول عند الحنفية وهو المذهب عند الحنابلة أنه واجب حتى يجب بتركه ساهيا سجود السهو، ولا يجب إلا بترک الواجب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵، ص۲۶۷، مادة "جلوس")

[2] وأما فی التشهد الأخير، فيرى الحنفية أن الجلوس فيه فرض، وقدره بقدر قراء ة التشهد إلى "عبده ورسوله"، لقوله صلى الله عليه وسلم فی حديث ابن مسعود : فإذا فعلت ذلک، أو قضيت هذا فقد تمت صلاتک علق التمام بالقعدة .
ويرى المالكية أن الجلوس للتشهدين سنة.
قال ابن جزی : وفی المذهب أن الجلوس الأخير واجب، والأصح أن الواجب منه مقدار السلام (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵، ص۲۶۷، مادة "جلوس")
وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن الجلوس فی القعدة الأخيرة ركن، وإليه ذهب عمر وابنه وأبو مسعود البدری رضی الله عنهم، والحسن.
وروى عن أحمد أنه سنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵، ص۲۶۸، مادة"جلوس")

www.idaraghufran.org

میں تقسیم ہے، ایک حصہ اوپر کا ہے (جسے نصفِ اعلیٰ کہا جاتا ہے) اور دوسرا نیچے کا ہے (جسے نصفِ اسفل کہا جاتا ہے)

نماز میں قعدہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے جسم کا اوپر والا آدھا حصہ (یعنی اوپر کا دھڑ) سیدھا ہو، اور نیچے والا آدھا حصہ (یعنی نیچے والا دھڑ) مڑا ہوا ہو کر سُرین کے واسطے سے زمین سے ملا اور ٹھہرا یا ٹکا ہوا ہو۔

نماز میں قعدہ کی حقیقت وماہیت یہی ہے۔

لہٰذا جو شخص اپنے اوپر والے دھڑ کو سیدھا رکھ کر اور اپنے نیچے والے دھڑ کو موڑ کر سُرین زمین پر رکھ کر اور ٹِکا کر بیٹھ جائے، تو اس کا قعدہ ادا ہو جائے گا۔ [1]

---

[1] چنانچہ امام کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ولو تبدل الانتصاب فی النصف الأسفل بما یضاده وهو انضمام الرجلین وإلصاق الألیة بالأرض یسمی قعودا، فکان القعود اسما لمعنیین مختلفین فی محلین مختلفین، وهما الانتصاب فی النصف الأعلی والانضمام والاستقرار علی الأرض فی النصف الأسفل (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۴۳، کتاب الصلاة، فصل شرائط ارکان الصلاة)

امام کاسانی رحمہ اللہ نے یہاں قعود کو قیام اور رکوع سے ممتاز کرنے کے لئے جسم کے نصفِ اعلیٰ اور نصفِ اسفل کو بنیاد بنایا ہے، یعنی نصفِ اعلیٰ کا انتصاب، اور نصفِ اسفل کے انضمامِ رِجلین کے ساتھ بواسطہ الیۃ، الصاق واستقرار علی الارض کو قعدہ قرار دیا ہے۔

اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انضمامِ رِجلین سے نصفِ اسفل کے انتصاب واستواء کا ختم ہو جانا اور نصفِ اسفل کا منثن ہو جانا مراد ہے، اسی نصفِ اسفل کے انتصاب واستواء کو ختم کرنے کے لئے انضمام کی قید لگائی گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دیگر فقہی عبارات میں قاعد کو قائم اور راکع سے جدا کرنے کے لئے نصفِ اسفل کے استواء وانتصاب کے ختم ہونے اور اس کے منثن ہو جانے کو امتیازی ماہیت میں شامل کیا گیا ہے، چنانچہ مبسوط سرخسی میں ہے کہ:

لأن حالة الرکوع کحالة القیام فإن القائم إنما یفارق القاعد فی النصف الأسفل؛ لأن النصف الأسفل من القاعد منثن ومن القائم مستو فأما النصف الأعلی فیهما سواء والراکع کالقائم فی استواء النصف الأسفل منه (المبسوط للسرخسی، ج ۲ ص ۹۴، کتاب الصلاة، باب نوادر الصلاة)

اور مبسوط میں ہی ایک مقام پر ہے کہ:

القائم کلا الجانبین منه مستو، فالقاعد أحد الجانبین منه منثن (المبسوط للسرخسی، ج ۱ ص ۲۱۵، کتاب الصلاة، باب صلاة المریض)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس جب تک مذکورہ تفصیل کے مطابق قعدہ کرنے کی قدرت ہو تو اس کو مذکورہ تفصیل کے مطابق قعدہ کرنا ضروری ہے۔

نماز میں قعدہ کی مسنون ہیئت

جہاں تک قعدہ یا جلوس کی مسنون ہیئت اور طریقہ کا تعلق ہے، تو اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک نماز کے پہلے اور دوسرے قعدہ میں مرد کو افتراش سنت ہے، اور عورت کو تورک سنت ہے۔

افتراش کا مطلب ہے رانوں اور پنڈلیوں کو باہم ملا کر دائیں پیر کو کھڑا کرنا اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا۔

اور تورک کا مطلب ہے سُرین پر بیٹھ کر پاؤں دائیں طرف نکالنا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ اور ہماری مذکورہ مراد کی وجہ یہ ہے کہ فقہائے کرام نے غیر مسنون اور مکروہ قعدہ کی ایسی متعدد ھیئات بیان فرمائی ہیں، کہ ان میں سے بعض صورتوں میں حقیقی انضمام نہیں پایا جاتا، کما سیجیئ.
اگر حقیقی انضمام قعدہ کی بنیادی ماہیت میں داخل ہوتا تو پھر ان ھیئات کو مکروہ وغیر مسنون قرار دینے کی بجائے قعدہ کی حقیقت سے ہی خارج قرار دیا جاتا۔
اب رہا الیتین کے ساتھ رکبتین کے زمین کے ساتھ الصاق واستقرار کا معاملہ تو ان میں بھی قعدہ کی حقیقت میں الیتین کا رکبتین کے مقابلہ میں اصل اور بنیادی دخل معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ امام کاسانی کی مندرجہ بالا عبارت میں الصاق الالیۃ بالارض کی صاف طور پر تصریح ہے۔ اس کے علاوہ فقہائے کرام نے اقعاء واحتباء وغیرہ کی صورت میں بیٹھنے کو خلافِ سنت قرار دیا ہے، اور ان صورتوں میں رکبتین زمین پر نہیں ہوتے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قعود کی حقیقت میں الیتین کے مقابلہ میں رکبتین کے الصاق الی الارض کا زیادہ دخل نہیں، اگرچہ مسنون ھیئت میں دخل ہو۔ اس تفصیل کی روشنی میں اب یہ نتیجہ نکالنا دشوار نہ رہا کہ کرسی پر مروجہ طریقہ پر بواسطہ الیتین استقرار والصاق کر کے بیٹھنے والا شخص حقیقی قعدہ کرنے والا ہے، اور اس طرح حقیقی قعدہ کی ادائیگی معتبر ہو جاتی ہے، لیکن اس میں سنت کے مطابق قعدہ کرنے کا ثواب نہیں ملتا۔

[1] وأما هيئة الجلوس فى التشهد فالافتراش للرجل، والتورک للمرأة عند الحنفية سواء أكان فى القعدة الأولى أم الأخيرة.
وعند المالكية هيئة الجلوس فى التشهد الأخير التورک .وصرح الشافعية بأنه لا يتعين للقعود هيئة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر بعض فقہائے کرام کے نزدیک مرد اور عورت دونوں کو نماز کے دونوں قعدوں میں اور بعض حضرات کے نزدیک قعدۂ اخیرہ میں تورک سنت وافضل ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾للإجزاء ، فكيفما قعد فى جلساته أجزأه، لكن السنة فى جلوس آخر الصلاة التورك وفى أثنائها الافتراش.

ويرى الحنابلة أن هيئة الجلوس فى التشهد الأول بالنسبة للرجل هى الافتراش، وفى الثانى التورك .وأما المرأة فلها الخيار فى أن تجلس متربعة، لأن ابن عمر رضى الله عنه كان يأمر النساء أن يتربعن فى الصلاة، أو أن تسدل رجليها فتجعلهما فى جانب يمينها، والمنصوص عن أحمد :أن السدل أفضل، لأنه غالب فعل عائشة رضى الله عنها، ولأنه أشبه بجلسة الرجل(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٥،ص٢٦٨،مادة"جلوس")

ل وقال الشافعية يسن التورك فى كل تشهد يسلم فيه وإن لم يكن ثانيا، كتشهد الصبح والجمعة، لأنه تشهد يسن تطويله فسن فيه التورك كالثانى.

ولا يتورك الرجل عند الحنابلة إلا فى التشهد الأخير من صلاة فيها تشهدان .واستدل الحنابلة بحديث عائشة رضى الله تعالى عنها قالت :كان النبى صلى الله عليه وسلم يقول :فى كل ركعتين التحية، وكان يفرش رجله اليسرى، وينصب رجله اليمنى، ولأن التشهد الثانى إنما تورك فيه للفرق بين التشهدين، وما ليس فيه إلا تشهد واحد لا اشتباه فيه، فلا حاجة إلى الفرق(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج١٥،ص٢٦٨،مادة"جلوس")

كيفية الجلوس:

اختلف الفقهاء فى هيئة الجلوس المسنونة فى الصلاة .فذهب الحنفية إلى التفريق بين الرجل والمرأة، فالرجل يسن له الافتراش، والمرأة يسن لها التورك.

لا فرق فى ذلك بين التشهد الأول أو الأخير، أو الجلسة بين السجدتين.

وذهب المالكية إلى أن هيئة الجلوس المسنونة فى جميع جلسات الصلاة هى التورك سواء فى ذلك الرجل أو المرأة.

وذهب الشافعية والحنابلة إلى أنه يسن التورك فى التشهد الأخير، والافتراش فى بقية جلسات الصلاة، لحديث أبى حميد :أن النبى صلى الله عليه وسلم كان إذا جلس فى الركعتين جلس على رجله اليسرى ونصب اليمنى، وإذا جلس فى الركعة الآخرة قدم رجله اليسرى ونصب الأخرى، وقعد على مقعدته وفى رواية فإذا كانت الرابعة أفضى بوركه اليسرى إلى الأرض، وأخرج قدميه من ناحية واحدة .

والحكمة فى المخالفة بين الأخير وغيره من بقية الجلسات :أن المصلى مستوفز فيها للحركة، بخلافه فى الأخير، والحركة عن الافتراش أهون.

والافتراش :أن ينصب قدمه اليمنى قائمة على أطراف الأصابع بحيث تكون متوجهة نحو القبلة، ويفرش رجله اليسرى بحيث يلى ظهرها الأرض، جالسا على بطنها.

والتورك :كالافتراش .لكن يخرج يسراه من جهة يمينه، ويلصق وركه بالأرض (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج٢٧،ص٩٩و١٠٠،مادة"سنن الصلاة")

www.idaraghufran.org

عذر کی وجہ سے تورُّک یا تربُّع کرنے کا حکم

اور اس بارے میں فقہائے کرام کا کوئی اختلاف نہیں کہ کوئی مرد اگر عذر کی وجہ سے نماز کے ایک یا دونوں قعدوں میں تورک کرے، یعنی پاؤں ایک طرف نکال کر سُرین پر بیٹھ جائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی عذر کی وجہ سے نماز میں تربع کرے یعنی چوکڑی مار کر بیٹھے خواہ عورت ہو یا مرد، تو بھی حرج نہیں، مگر بلا عذر چوکڑی مار کر بیٹھنا مکروہ ہے۔ [1]

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض احادیث وروایات سے تورک اور تربع کا ثبوت ملتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں روایت ہے کہ:

فَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُسْرٰى، وَنَصَبَ الْيُمْنٰى، وَإِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى، وَنَصَبَ

---

[1] أ -التربع فى الفريضة لعذر:

أجمع أهل العلم على أن من لا يطيق القيام، له أن يصلى جالسا، وقد قال النبى صلى الله عليه وسلم لعمران بن حصين رضى الله عنه :صل قائما، فإن لم تستطع فقاعدا، فإن لم تستطع فعلى جنب وفى رواية :فإن لم تستطع فمستلقيا.

ولأن الطاعة بحسب القدرة لقول الله تعالى :(لا يكلف الله نفسا إلا وسعها).

واختلفوا فى هيئة الجلوس إذا عجز المصلى عن القيام كيف يقعد؟

فذهب المالكية فى المشهور عندهم، والشافعية فى قول، والحنابلة إلى :أنه إذا قعد المعذور يندب له أن يجلس متربعا، وهو رواية عن أبى يوسف.

ويرى أبو حنيفة -فى رواية محمد عنه وهى ما صححها العينى -أن المعذور إذا افتتح الصلاة يجلس كيفما شاء ، لأن عذر المرض يسقط الأركان عنه، فلأن يسقط عنه الهيئات أولى.

وروى الحسن عن أبى حنيفة :أنه يتربع، وإذا ركع يفترش رجله اليسرى ويجلس عليها.

ويرى الشافعية فى الأظهر من القولين -وهو قول زفر من الحنفية -أنه يقعد مفترشا.

وذهب المالكية فى قول -وهو ما اختاره المتأخرون -أن المعذور يجلس كما يجلس للتشهد.

وهناك تفاصيل فيمن له أن يصلى جالسا، وفى هيئة الذى لا يقدر على الجلوس ولا على القيام تنظر فى مصطلحات :(صلاة المريض، عذر، وقيام) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١١، ص ١٦٠، ١٦١، مادة "تربع")

الْاُخْرٰی وَقَعَدَ عَلٰی مَقْعَدَتِہٖ(بخاری) [۱]

ترجمہ: پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتوں پر بیٹھتے تھے، تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھ جاتے تھے، اور دائیں پاؤں کو کھڑا کر دیتے تھے، اور جب آخری رکعت میں بیٹھتے تھے، تو اپنے بائیں پاؤں کو نیچے سے آگے نکال دیتے تھے، اور دائیں پاؤں کو بچھا کر اپنی سُرین پر بیٹھ جاتے تھے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ مرد کو نماز میں فی الجملہ تورک کرنے کی گنجائش ہے، بالخصوص جبکہ عذر کی وجہ سے ایسا کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ مُتَرَبِّعًا(سنن النسائی) [۲]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تربع کی حالت میں (یعنی چوکڑی مار کر) نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے (نسائی، حاکم)

حضرت عبداللہ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّہُ کَانَ یَرٰی عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا، یَتَرَبَّعُ فِی الصَّلَاۃِ إِذَا جَلَسَ، فَفَعَلْتُہُ وَأَنَا یَوْمَئِذٍ حَدِیْثُ السِّنِّ، فَنَهَانِیْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ، وَقَالَ: إِنَّمَا سُنَّۃُ الصَّلَاۃِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَکَ الْیُمْنٰی وَتَثْنِیَ الْیُسْرٰی، فَقُلْتُ: إِنَّکَ تَفْعَلُ ذٰلِکَ، فَقَالَ: إِنَّ رِجْلَیَّ لَا تَحْمِلَانِیْ(بخاری) [۳]

---

[۱] رقم الحدیث ۸۲۸، کتاب الاذان، باب سنۃ الجلوس فی التشھد.

[۲] رقم الحدیث ۱۶۶۱، کتاب قیام اللیل وتطوع النہار، باب کیف صلاۃ القاعد، مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۹۴۷.

قال الحاکم: ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین، ولم یخرجاہ.

وقال الذھبی فی التلخیص: علی شرطھما.

[۳] رقم الحدیث ۸۲۷، کتاب الاذان، باب سنۃ الجلوس فی التشھد.

www.idaraghufran.org

ترجمہ: انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نماز میں بیٹھنے کے وقت تربع کرتے (یعنی چوکڑی مار کر بیٹھتے) ہوئے دیکھا، تو میں نے بھی اس وقت سے ایسا ہی کرنا شروع کردیا، حالانکہ میں جوان تھا، تو مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کیا، اور فرمایا کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ آپ اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا کرلیں، اور بائیں پاؤں کو بچھالیں، میں نے عرض کیا کہ آپ بھی تو ایسا کرتے ہیں؟ تو حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاؤں میرا وزن برداشت نہیں کرسکتے (بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ عذر کے وقت نماز میں چوکڑی مار کر بیٹھنا بھی جائز ہے، بلکہ اگر عذر کی وجہ سے کسی اور طرح سے بھی بیٹھے، تو بھی جائز ہے۔

اور یہی حکم اس شخص کا بھی ہے، جو نماز میں قیام پر قادر نہ ہو کہ اس کو بھی حسبِ استطاعت جس طرح بھی ممکن ہو، بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ [1]

لہٰذا جو نمازی قیام، رکوع اور سجدہ تینوں ارکان پر قادر ہو، مگر سنت طریقہ پر دوزانو قعدہ کرنے سے عاجز ہو، لیکن تورک کرکے یا چوکڑی مار کر یا دونوں گھٹنے کھڑے کرکے یا دونوں پاؤں دائیں یا بائیں طرف نکال کر سُرین کے بَل یا پنجوں کو کھڑا کرکے ایڑیوں پر سرین رکھ کر کسی

---

[1] البتہ عذر کی صورت میں بیٹھنے کا افضل طریقہ کون سا ہے؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض حضرات نے تربع کو افضل قرار دیا ہے۔

المسألة الثانية : كيفية قعود من عجز عن القيام:

ذهب الفقهاء إلى أن من عجز عن القيام فى الصلاة المفروضة يؤديها قاعدا إن استطاع، لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل على عمران بن حصين رضى الله عنه يعوده فى مرضه فقال كيف أصلى؟ فقال صلى الله عليه وسلم :صل قائما فإن لم تستطع فقاعدا فإن لم تستطع فعلى جنب.

واختلف الفقهاء فى أفضلية القعود :فذهب المالكية والحنابلة إلى أن القعود على هيئة التربع مستحب، لأن القعود فى حالة العجز بدل عن القيام والقيام يخالف قعود الصلاة، فينبغى أن يكون بدله مخالفا له.

وذهب الشافعية -فى الأظهر عندهم -إلى أن الافتراش فى القعود أفضل من التربع لأن الافتراش قعود عبادة بخلاف التربع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۲۴۷، مادة "عاهة")

www.idaraghufran.org

بھی طریقہ پر قعدہ کرنے پر قادر ہو، تو اس کو کھڑے ہوکر اور باقاعدہ حقیقی رکوع وسجدہ کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری ہے، اور قعدہ کے لیے مذکورہ طریقوں میں سے جس طرح بھی بیٹھنا ممکن ہو قعدہ کرے۔ [1]

اور یہ شخص اگر باقاعدہ رکوع وسجدہ اور قیام ادا نہیں کرتا تو اس کی نماز درست نہ ہوگی (جیسا کہ آج کل کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے بہت سے لوگ اس طرح کی غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں)

البتہ اگر کوئی شخص زخم یا درد وغیرہ کی تکلیف کی وجہ سے اپنے پاؤں موڑنے سے عاجز ہو، تو اس کو سامنے کی طرف سیدھے پاؤں پھیلا کر یا دائیں بائیں طرف سیدھے پاؤں نکال کر بھی قعدہ کرنا جائز ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے سُرین زمین پر ٹیکنے سے عاجز ہو، لیکن گھٹنے ٹِکانے سے عاجز نہ ہو، مثلاً اس وجہ سے کہ اس کے سُرین یا رانوں وغیرہ میں زخم یا درد وغیرہ کی تکلیف ہے، تو اس کو اپنے گھٹنے زمین پر ٹیک کر اور سُرین اوپر اُٹھا کر قعدہ کرنا جائز ہے۔ [2]

---

[1] حنفیہ نے نماز میں بحالتِ قعدہ بلا عذر مرد کے لئے تورک (یعنی خواتین کی طرح دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر سرین پر بیٹھنے) اور تربع (یعنی چارزانو ہوکر بیٹھنے) اور احتباء (یعنی گھٹنے کھڑے کرکے سرین پر اس طرح بیٹھنے کو کہ دونوں بازوؤں سے گھٹنوں کے گرد حلقہ باندھا ہوا ہو) اور اقعاء (یعنی گھٹنے کھڑے کرکے سرین پر بیٹھنے) کو خلافِ سنت قرار دیا ہے، کیونکہ یہ ہیئتِ مسنونہ کے خلاف ہے۔

اقول ینبغی ان یقال ان کان جلوسه کما یجلس للتشهد ایسر علیه من غیره او مساویا لغیره کان اولیٰ والااختارالایسر فی جمیع الحالات ولعل ذالک محمل القولین واللہ اعلم (ردالمحتار ج۲ص ۹۲، کتاب الصلاۃ، بَابُ صَلَاةِ الْمَرِيضِ)

[2] بعض حضرات نے اس طرح بیٹھنے والے کو مستوفز قرار دیا ہے، جبکہ بعض حضرات نے قرآن مجید میں وارد ''جاثیۃ'' کو بھی اسی حالت پر بیٹھنا قرار دیا ہے۔

قال أبو معاذ :المستوفز الذی قد رفع ألیتیه ووضع رکبتیه؛ قاله فی تفسیر :وتری کل أمة جاثیة؛ قال مجاهد :علی الرکب مستوفزین(لسان العرب،ج۵ص ۴۳۰،فصل الواو،مادة ''وفز'')

وفی الجاثیة تأویلات خمس :الاول -قال مجاهد :مستوفزة.

وقال سفیان :المستوفز الذی لا یصیب الارض منه إلا رکبتاه وأطراف أنامله.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اگر کوئی شخص کمزوری یا بیماری کے باعث دیوار وغیرہ کے سہارے کے بغیر بیٹھ نہیں سکتا، تو اسے دیوار وغیرہ کا سہارا لگا کر بیٹھنا جائز ہے، اور اگر کسی طرح کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر بھی نماز پڑھنے کی قدرت نہ ہو تو اس کو لیٹ کر نماز پڑھنا جائز ہے، جس کا حکم آگے آتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الضحاک :ذلک عند الحساب (تفسیر القرطبی، ج۱۶ ص۱۷۴، سورۃ الجاثیۃ)

قال سفیان بن أبی عیینة ولا یکون المستوفز إلا علی رکبتیه وأطراف أصابعه قال الضحاک (معانی القرآن للنحاس، ج۶ ص۴۳۱، تفسیر سورۃ الجاثیۃ)

ثم إذا صلی المریض قاعدا کیف یقعد الأصح أن یقعد کیف یتیسر علیه، ھکذا فی السراج الوھاج (الفتاویٰ الھندیة، ج۱ ص۱۳۶، کتاب الصلاۃ، الباب الرابع عشر)

فعن ابی حنیفة ان شاء فکذلک قعد وان شاء تربع وان شاء احتبیٰ (الیٰ قوله) قال بعض المشائخ ان تعذر علیه فیجلس کما تیسر له (الفتاویٰ التتا رخانیة، ج۲ص۱۳۱، کتاب الصلاۃ)

روی عن أبی حنیفة أنه یجلس کیف شاء من غیر کراھة إن شاء محتبیا وإن شاء متربعا وإن شاء علی رکبتیه کما فی التشھد وقال زفر یفترش رجله الیسری فی جمیع صلاته والصحیح ما روی عن أبی حنیفة لأن عذر المرض أسقط عنه الأرکان فلأن یسقط عنه الھیئات أولی کذا فی البدائع (البحر الرائق ج۲ ص۱۲۲، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المریض)

(قوله :صلی قاعدا) یعنی یقعد کیف تیسر علیه، وإن قدر علی القعود مستندا إلی حائط أو إلی إنسان فإنه یجب علیه کذلک، ولا یجزئه مضطجعا کذا فی النھایة (الجوھرۃ النیرۃ ج۱ ص۷۹، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المریض)

(صلی قاعدا) ولو مستندا إلی وسادۃ أو إنسان فإنه یلزمه ذلک علی المختار (کیف شاء) علی المذھب لأن المرض أسقط عنه الأرکان فالھیئات أولی .وقال زفر :کالمتشھد، قیل وبه یفتی (الدر المختار)

(قوله کیف شاء) أی کیف تیسر له بغیر ضرر من تربع أو غیرہ إمداد (ردالمحتار ج۲ ص۹۷، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المریض)

والمصلی قاعدا تطوعا أو فریضة بعذر یتربع ویقعد کیف شاء من غیر کراھة، إن شاء محتبیا، وإن شاء متربعا؛ لأنه لما جاز له ترک أصل القیام فترک صفة القعود أولی (المبسوط للسرخسی، ج۱ ص۲۱۰، کتاب الصلاۃ)

ثم إذا صلی المریض قاعدا برکوع وسجود أو بإیماء کیف یقعد؟ أما فی حال التشھد :فإنه یجلس کما یجلس للتشھد بالإجماع.

وأما فی حال القراءۃ وفی حال الرکوع :روی عن أبی حنیفة أنه یقعد کیف شاء من غیر کراھة إن شاء محتبیا، وإن شاء متربعا، وإن شاء علی رکبتیه کما فی التشھد.

وروی عن أبی یوسف أنه إذا افتتح تربع، فإذا أراد أن یرکع فرش رجله الیسری وجلس علیھا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

کرسی پر بیٹھنا غیر مسنون قعدہ ہے

اس سے پہلے قعدہ کی جو حقیقت بیان کی گئی، اس کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کرسی پر سُرین ٹِکا کر بیٹھا ہوا شخص قعدہ کرنے والا تو شمار ہوگا، کیونکہ کرسی پر سُرین ٹِکا کر اور نیچے پیر لٹکا کر بیٹھنے والے شخص کے جسم کا اوپر والا دھڑ سیدھا ہوتا ہے، اور اس کی سُرین بھی کرسی پر ٹِکی ہوئی ہوتی ہے، اور اس کا نیچے والا دھڑ آدھا مڑا ہوا بھی ہوتا ہے۔

لیکن سنت کے مطابق قعدہ کرنے والا شمار نہیں ہوگا، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر موجودہ صدی تک مختلف قسم کے معذور و مریض حسبِ قدرت مختلف طریقوں سے زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرتے رہے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وروی عنه أنه يتربع على حاله، وإنما ينقض ذلك إذا أراد السجدة وقال زفر يفترش رجله اليسرى فی جميع صلاته والصحيح ما روی عن أبی حنيفة؛ لأن عذر المرض أسقط عنه الأركان فلأن يسقط عنه الهيئات أولى(بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۱۰۶ ،كتاب الصلاة، فصل اركان الصلاة)

قال السروجی -رحمه الله- ثم المصلی قاعدا تطوعا أو فريضة بعذر كيف يقعد؟ قال فی الذخيرة يقعد فی التشهد كسائر الصلوات إجماعا أما فی حالة القراء ة فعن أبی حنيفة أنه إن شاء قعد كذلک، وإن شاء تربع، وإن شاء قعد محتبيا؛ لأنه لما سقط عنه الركن للتخفيف فالتخفيف فی هيئة القعود أولى(حاشية الشلبی علىٰ تبيين الحقائق، ج ۱ ص ۲۰۲ ، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

والأصح أنه يقعد كيف شاء اهـ(حاشية الشرنبلالی علىٰ درر الحكام شرح غرر الاحكام، ج ۱ ص ۱۲۷ ،كتاب الصلاة،باب صلاة المريض)

(قوله هو السنة) فلو تربع أو تورک خالف السنة(ردالمحتار، ج ۱ ص ۵۰۸ ،كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

(و) كره (التربع) تنزيها لترک الجلسة المسنونة (بغير عذر)(الدر المختار)

(قوله لترک الجلسة المسنونة) علة لكونه مكروها تنزيها إذ ليس فيه نهی خاص ليكون تحريما بحر (قوله بغير عذر) أما به فلا، لأن الواجب يترک مع العذر فالسنة أولى .وعليه يحمل ما فی صحيح ابن حبان من صلاته -عليه الصلاة والسلام- متربعا أو تعليما للجواز بحر(رد المحتار ج ۱ ص ۶۲۴ ،كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

لہٰذا مناسب اور سنت کے قریب طریقہ یہی ہے کہ اگر نماز میں زمین پر کسی بھی حالت میں بیٹھنا ممکن ہو، تو اسی پر عمل کیا جائے، اور حتی الامکان کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے سے پرہیز کیا جائے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾(يكره للمصلي أن يعبث بثوبه) لقوله -صلى الله عليه وسلم :-إن الله كره لكم العبث في الصلاة ، ولأنه يخل بالخشوع، ورأى رسول الله -صلى الله عليه وسلم -رجلا يعبث في صلاته فقال " :أما هذا لو خشع قلبه لخشعت جوارحه .

(أو يفرقع أصابعه) لما ذكرنا ولنهيه -عليه الصلاة والسلام -عن ذلك.

(أو يتخصر) لأن فيه ترك الوضع المسنون، ولنهيه -عليه الصلاة والسلام -عن ذلك وهو وضع اليد على الخاصرة.

(أو يعقص شعره) وهو أن يجمعه وسط رأسه أو يجعله ضفيرتين فيعقده في مؤخر رأسه كما يفعله النساء ، لأنه -صلى الله عليه وسلم -نهى أن يصلي الرجل ورأسه معقوص .

(أو يسدل ثوبه) لنهيه -عليه الصلاة والسلام -عن السدل وهو أن يجعله على رأسه، ثم يرسل أطرافه من جوانبه لأنه من صنيع أهل الكتاب.

(أو يقعي) لحديث أبي ذر -رضي الله عنه -، قال :نهاني خليلي -صلى الله عليه وسلم -عن ثلاث: عن أن أنقر نقر الديك، أو أقعي إقعاء الكلب، أو أفترش افتراش الثعلب .

والإقعاء :أن يقعد على أليتيه وينصب فخذيه ويضم ركبتيه إلى صدره ويضع يديه على الأرض.

(أو يلتفت) لأنه -صلى الله عليه وسلم -نهى عن الالتفات في الصلاة، وقال " :تلك خلسة يختلسها الشيطان من صلاتكم .

(أو يتربع بغير عذر) لأنه يخل بالقعود المسنون،ولأنها جلسة الجبابرة حتى قالوا :يكره خارج الصلاة أيضا(الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۶۱،۶۲، كتاب الصلاة،باب مايكره للمصلي)

ويكره أن يقعي في التشهد أو بين السجدتين .كذا في فتاوى قاضي خان والإقعاء أن يضع أليتيه على الأرض وينصب ركبتيه نصبا هو الصحيح كذا في الهداية وهو الأصح هكذا في الكافي والنهاية ناقلا عن المبسوط والإقعاء أن يقعد على عقبيه وقيل على أطراف أصابعه وقيل أن يجمع ركبتيه إلى صدره وقيل هذا ويعتمد بيديه على الأرض وهو الأشبه بإقعاء الكلب وكل ذلك مكروه .كذا في الزاهدي(الفتاویٰ الهندية ، ج ۱ ص ۱۰۶ ، كتاب الصلاة، الباب السابع، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة ومالايكره)

[1] علاوہ ازیں عرف ورواج میں کرسی پر مروجہ طریقہ سے بیٹھنے والے کو قاعد یعنی بیٹھنے والا سمجھا اور کہا جاتا ہے نہ کہ کھڑے ہونے والا یا رکوع وسجدہ کرنے والا۔

نیز کرسی پر بیٹھنے والے کی حالت دابہ (چوپائے) پر بیٹھنے والے کے مشابہ ہے کیونکہ دونوں کے سرین خاص سطح پر اور پاؤں نیچے ہوتے ہیں اور دابہ (چوپائے) پر سوار شخص کی نماز کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فقہائے کرام نے قاعد (یعنی بیٹھنے والے) کے الفاظ سے اس کی حالت کو تعبیر فرمایا ہے۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہاں یہ البتہ ضرور ہے کہ کرسی پر مروجہ طریقہ سے بیٹھنا سنت کے مطابق اور شریعت کی طرف سے بتلایا ہوا طریقہ نہیں، اور کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے میں بعض ارکان وواجبات (مثلاً قیام، باقاعدہ رکوع اور سجدہ) کی ادائیگی یا تو دشوار ہوجاتی ہے؛ یا لوگ ان کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کرتے، جس کی وجہ سے نماز میں خلل یا فساد پیدا ہوجاتا ہے، لیکن بہرحال کرسی پر بیٹھنے سے نماز کا فرض وواجب درجہ میں قعدہ ادا ہوجاتا ہے۔

اور قیام، رکوع اور سجدہ وغیرہ اپنے اپنے موقع پر شریعت کی بتلائی ہوئی تفصیل کے مطابق حسبِ قدرت ادا کرنا پھر بھی ضروری رہتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور سواری پر سوار شخص کا سجدہ اشارہ سے متعین ہے، اور احادیث سے دابہ پر اشارہ سے نفل نماز پڑھنا خلافِ قیاس ثابت ہے، جو اپنے مورد کے ساتھ خاص ہے۔

اگر شبہ کیا جائے کہ کرسی کا سہارا ہٹا دیا جائے تو اس طرح کی ہیئت بن جائے گی جس طرح کہ بچوں کو سزا کے طور پر کرسی بنایا جاتا ہے، اور اس ہیئت والے شخص کو قاعد (بیٹھنے والا) نہیں قرار دیا جاتا، بلکہ قائم (کھڑے ہونے والا) قرار دیا جاتا ہے، تو یہ شبہ درست نہیں، کیونکہ قطع نظر دیگر فروق کے، یہاں کرسی کی ٹیک ہی پر تو قعود کے حکم کا مدار ہے، کرسی پر بیٹھنے والے کے جسم کا وزن اور مشقت سرین پر ہوتا ہے، قدموں پر نہیں، اور اس پر استقرار علی الارض یا وضع الالیۃ علی الارض کی حقیقت صادق آتی ہے، جبکہ سزا کے طور پر کرسی بننے والے شخص کا وزن اور مشقت یا استقرار سُرین کے بجائے قدموں پر ہوتا ہے، اور اس پر وضع الالیۃ واستقرار علی الارض بواسطۃ الالیۃ کی حقیقت صادق نہیں آتی، اور رہی پیچھے کمر کی ٹیک تو اس کا قعود میں دَخل نہیں، کیونکہ یہ ٹیک تو اصل قیام کی حالت میں بھی ہوسکتی ہے، جس سے قیام کی حقیقت ختم نہیں ہوتی۔ فافترقا۔

اسی لیے اگر کوئی شخص مثلاً قسم کھالے کہ "وہ بیٹھے گا نہیں" اور پھر وہ کرسی پر بیٹھ جائے، تو وہ فقہی اعتبار سے حانث شمار ہوگا، یعنی اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، لیکن بایں ہمہ یہ حالت نماز کے مسنون ومشروع اور معروف طریقہ پر قعدہ کرنے سے مختلف ضرور ہے۔

واذا حلف علی ان لا یقعد فانہ علی ثلاثۃ اوجہ: احدھا ان یقعد علی الیتیہ فانہ یحنث. والثانی ان یقعد علی رجلیہ فانہ یحنث ایضا الا ان یرید القعود علی الیتیہ فانہ لا یحنث، والثالث ان یضطجع من غیر ان یقعد فانہ لا یحنث وکذلک لو اتکأ فانہ لا یحنث (النتف فی الفتاویٰ، ج ۱ ص ۴۰۷، کتاب الایمان والکفارات، حلف علی الکلام)

اس عبارت میں الیتین پر بیٹھنے کو بوجہ قعود کے مطلقاً حانث اور اسی طرح بغیر وضع الیتین ورکبتین کے اتکاء کو بوجہ عدمِ قعود کے مطلقاً غیر حانث قرار دیا گیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ اتکاءِ محض کا قعود کی حقیقت میں دخل نہیں۔ محمد رضوان

[1] فقہائے کرام نے قعود واقرب الی القعود کی بحث فرمائی ہے، اور اس میں اکثر مشائخ حنفیہ کے نزدیک اور اصح قول کے مطابق جب تک نصفِ اسفل سیدھا نہ ہو، سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا، کیونکہ اس وقت وہ اقرب الی القعود ہوتا ہے۔ جبکہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا اس کا یہ مطلب سمجھنا درست نہیں کہ اگر کسی کو کرسی پر قعدہ کرنا معتبر ہے، تو اسے قیام اور رکوع اور زمین پر سجدہ وغیرہ بھی ترک کرنا جائز ہے۔

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

امام ابو یوسف کی امالی کی روایت کے مطابق جب تک رکبتین زمین پر ہوں اس وقت تک اقرب الی القعود ہوتا ہے، اور اس وقت تک سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا، اور الیتین زمین پر ہونے کی صورت میں حقیقی قاعد ہوتا ہے۔

اگر مذکورہ مسئلہ میں اقرب الی القعود کو حقیقی قعود سے مغایر بھی قرار دیا جائے تو اقرب الی القعود کہنے کی کم از کم وجہ الیتین کا زمین سے اٹھ جانا ہے، اور اگر الیتین زمین پر ہی ہوں تو پھر کسی کے نزدیک بھی وہ اقرب الی القعود نہیں، بلکہ حقیقی قعود میں داخل ہے، چنانچہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی امالی کی روایت میں بھی (جس کا مفہوم دوسری روایت کے مقابلہ میں تنگ ہے) رفع الیتین کی صورت کو اقرب الی القعود قرار دیا گیا ہے۔

اس روایت میں بھی قعود سے اقرب الی القعود کی حالت بننے کا مدار الیتین کے رفع پر رکھا گیا ہے، کہ اگر الیتین کا ارتفاع ہو جائے تو وہ اقرب الی القعود ہے، اس لئے اس روایت کے مطابق اس پر سجدہ سہو واجب نہیں، اور کرسی پر بیٹھنے والے کے الیتین کرسی پر ہوتے ہیں، لہٰذا وہ قاعد شمار ہوگا، تاہم اس کے الیتین زمین سے غیر معمولی اونچے ہوتے ہیں اور قدمین نیچے ہوتے ہیں، اس لئے کرسی کے نشست کے مساوی یا اس سے قدرے اونچی چیز پر سجدہ معتبر نہ ہونے سے ہمیں بھی اتفاق ہے، اور دار العلوم کراچی کے اہلِ علم حضرات بھی اس طرف رجوع کر چکے ہیں، اور اب یہ ہماری معلومات کے مطابق کسی معتبر اہلِ علم کا قول باقی نہیں رہا، لہٰذا ہم نے بھی اپنے اس مضمون سے اس قول کا مستقل ذکر حذف کر دیا اور رجوع کی وضاحت کر دی ہے۔

ومن سها عن القعدة الأولى ثم تذكر وهو إلى القعود أقرب عاد وتشهدوإن كان إلى القيام أقرب لم يعد ويسجد للسهو (الاختيار لتعليل المختار ج ا ص ۱۱۲، ۱۱۳، باب سجود السهو)

(وسجود السهو يتعلق بأشياء) منها إذا قعد فيما يقام فيه أو قام فيما يجلس فيه وهو إمام أو منفرد أراد بالقيام إذا استتم قائماً أو كان إلى القيام أقرب فإنه لا يعود إلى القعدة وإن لم يكن كذلك قعد ولا سهو عليه وفي رواية إذا قام على ركبته لينهض يقعد وعليه السهو يستوى فيه القعدة الأولى والثانية وعليه الاعتماد وإن رفع إليتيه من الأرض وركبتاه على الأرض ما لم يرفعهما يقعد ولا سهو عليه فكذا روى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى (فتاوى قاضى خان على هامش الهندية، ج ا ص ۱۲۰، فصل فيما يوجب السهو ومالايوجب)

www.idaraghufran.org

﴿فصل نمبر ۵﴾

لیٹ کر اور اشارہ سے نماز پڑھنے کا حکم

جب کوئی مریض یا معذور شخص نہ تو کسی طرح کھڑے ہو کر اور نہ ہی کسی طرح بیٹھ کر نماز پڑھنے پر قادر ہو، تو اس کو لیٹ کر اور اشارہ سے نماز پڑھنا جائز ہوتا ہے، جس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

مرض یا عذر میں لیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم

جو مریض یا معذور کھڑے ہو کر اور کسی طرح بیٹھ کر بھی نماز نہ پڑھ سکتا ہو، اس کے لئے لیٹ کر نماز پڑھنا درست ہے، خواہ وہ نماز فرض ہو یا سنت و نفل ہو یا واجب نماز ہو۔

لیکن معذور و مریض کو لیٹ کر کس طرح سے نماز پڑھنا افضل ہے، اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک لیٹ کر نماز پڑھنے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ چت لیٹ جائے اور دونوں ٹانگیں قبلے کی طرف پھیلا لے، لیکن اگر بآسانی ممکن ہو تو دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر لے تاکہ پیروں کا رخ سیدھا قبلہ کی طرف ہونے کی وجہ سے قبلہ کی بے ادبی لازم نہ آئے، اور اپنے سر کے نیچے تکیہ رکھ کر سر اونچا کر لے اور رکوع اور سجدہ اور قعدہ اشارہ سے کرے۔

ایسا مریض و معذور اگر دائیں یا بائیں کروٹ کے بل لیٹے اور منہ اور سینہ قبلے کی طرف کر کے اشارہ سے نماز پڑھے، تو بھی جائز ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک مذکورہ تفصیل کے مطابق چت لیٹ کر نماز پڑھنے کا طریقہ دوسرے طریقوں کے مقابلہ میں افضل ہے، اور بعض دوسرے فقہائے کرام کے نزدیک کروٹ پر لیٹ کر نماز پڑھنا افضل ہے۔ [1]

---

[1] (وإن تعذر القعود) ولو حكما (أومأ مستلقيا) على ظهره (ورجلاه نحو القبلة) غير أنه ينصب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک لیٹ کر نماز پڑھنے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ دائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے، پھر دوسرے درجہ میں افضل یہ ہے کہ بائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے۔

اور اگر کوئی چت لیٹ کر حنفیہ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر نماز پڑھے، تو ان کے نزدیک بھی اس طرح لیٹ کر مریض کو نماز پڑھنا جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ركبتيه لكراهة مد الرجل إلى القبلة ويرفع رأسه يسيرا ليصير وجهه إليها (أو على جنبه الأيمن) أو الأيسر ووجهه إليها (والأول أفضل) على المعتمد (الدر المختار)

(قوله الأيمن أو الأيسر) والأيمن أفضل وبه ورد الأثر إمداد.

(قوله والأول أفضل) لأن المستلقي يقع إيماؤه إلى القبلة والمضطجع يقع منحرفا عنها بحر (ردالمحتار، ج۲ ص ۹۹، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

[1] المسألة الثالثة :حكم من عجز عن القعود:

ذهب الجمهور إلى أن من عجز عن القعود صلى على جنبه مستقبلا القبلة وندب على الجنب الأيمن واستدلوا بقوله صلى الله عليه وسلم في حديث عمران السابق فإن لم تستطع فعلى جنب.

وظاهر كلام مالك في المدونة وأحمد أنه لو صلى مستلقيا مع إمكان الصلاة على جنبه أنه يصح ، والدليل يقتضي ألا يصح؛ لأنه خالف أمر النبي صلى الله عليه وسلم فعلى جنب ولأنه نقله إلى الاستلقاء عند عجزه عن الصلاة على جنب، فهي مرتبة كما جاء في الحديث الذي رواه عمران بن حصين رضي الله عنه قال :كانت بي بواسير، فسألت النبي صلى الله عليه وسلم فقال :صل قائما، فإن لم تستطع فقاعدا، فإن لم تستطع فعلى جنب .

وذهب الحنفية :إلى أن من لم يستطع القعود استلقى على قفاه، ورجلاه إلى القبلة، وأومأ بالركوع والسجود، لقوله صلى الله عليه وسلم :يصلي المريض قائما، فإن لم يستطع فقاعدا، فإن لم يستطع فعلى قفاه يومء إيماء .

وقد جوز المرغيناني أنه إذا استلقى على جنبه ووجهه إلى القبلة جاز .

فالأصل في صلاة المريض كما يقول السرخسي قوله تعالى :(الذين يذكرون الله قياما وقعودا وعلى جنوبهم . قال الضحاك في تفسيره :هو بيان حال المريض في أداء الصلاة على حسب الطاقة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۲۴۸، مادة"عاهة")

العجز عن القيام والجلوس:

إن تعذر على المريض القيام والجلوس في آن واحد صلى على جنبه دون تحديد للشق الأيمن أو الأيسر، وهذا هو مذهب المالكية، والشافعية، والحنابلة، وذهب المالكية، والحنابلة إلى أنه من الأفضل أن يصلي على جنبه الأيمن ثم الأيسر، فإن لم يستطع على جنبه يصلي مستلقيا على قفاه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

بلا عذر لیٹ کر نفل وسنت نماز پڑھنے کا حکم

سنت ونفل نماز کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا تو جائز ہے، اور عذر میں لیٹ کر پڑھنا بھی جائز ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا۔

لیکن جہاں تک سنت ونفل نماز کو بلا عذر لیٹ کر پڑھنے کا تعلق ہے، تو حنفیہ سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک بلا عذر لیٹ کر سنت ونفل نماز پڑھنا جائز نہیں۔

جبکہ بعض دوسرے فقہاء کے نزدیک جس طرح کھڑے ہونے پر قدرت ہونے کے باوجود بیٹھ کر سنت ونفل نماز پڑھنا جائز ہے، اسی طرح بیٹھ کر نماز پڑھنے پر قدرت ہوتے ہوئے لیٹ کر سنت ونفل نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

البتہ لیٹ کر نماز پڑھنے کی صورت میں ثواب بیٹھ کر نماز پڑھنے کے مقابلہ میں آدھا ملتا ہے۔

پھر بلا عذر لیٹ کر سنت ونفل نماز جائز ہونے کے قائل بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ رکوع وسجدہ کے وقت بیٹھنا اور زمین پر پیشانی ٹیک کر سجدہ کرنا ضروری ہوگا؛ لیٹے لیٹے اشارہ سے رکوع وسجدہ کرنا جائز نہیں ہوگا، مگر یہ کہ کوئی زمین پر پیشانی ٹیک کر سجدہ کرنے سے معذور ہو، تو الگ بات ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ورجلاه إلى القبلة وأومأ بطرفه. والدليل عليه ما سبق قول النبي -صلى الله عليه وسلم- لعمران بن حصين: صل قائما، فإن لم تستطع فقاعدا، فإن لم تستطع فعلى جنب.

وقال المالكية: إن لم يستطع أن يصلي مستلقيا على ظهره صلى على بطنه ورأسه إلى القبلة، فإن قدمها على الظهر بطلت. وذهب الحنفية إلى أنه إن تعسر القعود أومأ مستلقيا على قفاه، أو على أحد جنبيه والأيمن أفضل من الأيسر، والاستلقاء على قفاه أولى من الجنب إن تيسر، والمستلقي يجعل تحت رأسه شيئا كالوسادة؛ ليصير وجهه إلى القبلة لا إلى السماء، وليتمكن من الإيماء.

وصلاة المريض بالهيئة التي ذكرها الفقهاء فيما سبق لا ينقص من أجره شيئا؛ لحديث أبي موسى -رضي الله عنه- مرفوعا: إذا مرض العبد أو سافر كتب له مثل ما كان يعمل مقيما صحيحا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۲۶۳ و ۲۶۴، مادة ”صلاة المريض“)

[1] (ولا يصح) النفل (من مضطجع لغير عذر) لعموم الأدلة على افتراض الركوع والسجود والاعتدال عنهما، ولم ينقل عنه -صلى الله عليه وسلم- فعل ذلك ليخصص به العموم (و) التنفل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

سر یا آنکھوں وغیرہ کے اشارہ سے نماز پڑھنے کا حکم

جب کوئی مریض یا معذور شخص قیام، قعدہ، جلسہ، رکوع اور سجدہ کسی چیز کی بھی طاقت نہ رکھے، اور وہ سر کے اشارہ سے یعنی سر کو ہلا کر نماز پڑھنے پر قادر ہو، تو اس کو سر کے اشارہ سے نماز پڑھنا تمام فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے، یعنی وہ قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ کا سر سے اشارہ کر کے نماز پڑھے گا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(له) أى لعذر مضطجعا (يصح) كالفرض وأولى (ويسجد) المتنفل مضطجعا (إن قدر عليه) أى على السجود (وإلا) بأن لم يقدر على السجود (أومأ) به لحديث إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم (كشاف القناع عن متن الاقناع، ج ١ ص ٤٤١، كتاب الصلاة، باب صلاة التطوع)

الصلاة مضطجعا: وأما صلاة التطوع مضطجعا فظاهر قول أصحاب أبى حنيفة عدم الجواز لعموم الأدلة على افتراض الركوع والسجود والاعتدال عنهما.

وقول الجواز مروى عن الحسن البصرى لقوله صلى الله عليه وسلم :من صلى نائما فله نصف أجر القاعدوقد قال الحسن :إن شاء الرجل صلى صلاة التطوع قائما أو جالسا أو مضطجعا وقال ابن تيمية :التطوع مضطجعا لغير عذر لم يجوزه إلا طائفة قليلة من أصحاب الشافعى وأحمد، ولم يبلغنا عن أحد منهم أنه صلى مضطجعا بلا عذر، ولو كان هذا مشروعا لفعلوه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧ ص ١٦٣، مادة"صلاة التطوع"، الصلاة مضطجعا)

ولو تنفل مضطجعا بالإيماء بالرأس مع قدرته على القيام والقعود فوجهان.

(أحدهما)لا تصح صلاته لأنه يذهب صورتها بغير عذر وهذا أرجحهما عند إمام الحرمين والثانى وهو الصحيح صحتها لحديث عمران ولو صلى النافلة قاعدا أو مضطجعا للعجز عن القيام والقعود فثوابه ثواب القيام بلا خلاف كما فى صلاة الفرض قاعدا أو مضطجعا للعجز فإن ثوابها ثواب القائم بلا خلاف والحديث ورد فيمن يصلى النفل قاعدا أو مضطجعا مع قدرته على القيام يستوى فيما ذكرناه جميع النوافل المطلقة والراتبة وصلاة العيد والكسوف والاستسقاء وحكى الخراسانيون وجها أنه لا يجوز العيد والكسوف والاستسقاء قاعدا مع القدرة كالفرائض وبه قطع ابن كج وهذا شاذ ضعيف...........قال الرافعى إذا جوزنا الاضطجاع فى النفل مع قدرته فهل يجزء الاقتصار على الإيماء بالركوع والسجود أم يشترط أن يركع ويسجد كالقاعد فيه وجهان أصحهما الثانى.

قال إمام الحرمين عندى أن من جوز الاضطجاع لا يجوز الاقتصار فى الأركان الذكرية كالتشهد والتكبير وغيرهما على ذكر القلب وهذا الذى قاله إمام الحرمين لابد منه فلا يجزى ذكر القلب قطعا لأنه حينئذ لا يبقى للصلاة صورة أصلا وإنما ورد الحديث بالترخيص فى القيام والقعود فيبقى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اگر کوئی اتنا بیمار، کمزور یا معذور ہو کہ وہ سر کو بھی نہ ہلا سکے، لیکن وہ ہوش وحواس میں ہو، تو کیا اسے آنکھوں، بھنوؤں یا دل کے اشارہ سے نماز پڑھنا جائز ہے؟

تو حنفیہ کا کہنا یہ ہے ایسی حالت میں وہ نماز نہیں پڑھے گا، بلکہ صحت یاب ہونے کا انتظار کرے گا، خواہ کتنا ہی وقت اس حالت میں گزر جائے، اور جب ادنیٰ درجہ کا صحت یاب (یعنی کم از کم سر کے اشارہ سے نماز پڑھنے کے قابل) ہو جائے گا، تو پھر نماز پڑھے گا، اور گذشتہ زمانہ کی نمازوں کو بھی قضاء کرے گا۔ [1]

جبکہ حنفیہ کے علاوہ کئی دیگر فقہائے کرام کے نزدیک جو شخص سر کے اشارہ سے نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو، بلکہ آنکھوں یا بھنوؤں یا دل کے اشارہ سے نماز پڑھنے پر قادر ہو تو اس کو حسبِ قدرت نماز پڑھنے کا حکم ہے، اگر آنکھوں کے اشارہ سے نماز پڑھنا ممکن ہو، تو آنکھوں کے اشارہ سے قیام رکوع، اور قعدہ وغیرہ کا اشارہ کرکے، نماز پڑھے، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو، تو

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ما عداهما على مقتضاه والله أعلم (المجموع شرح المهذب، ج۳ص ۲۷۵ وص ۲۷۶، كتاب الصلاة، مسائل تتعلق بالقيام)

اتفق الفقهاء على جواز التنفل قاعدا لعذر أو غير عذر، أما الاضطجاع فقد ذهب الحنفية والمالكية والحنابلة ومقابل الأصح عند الشافعية إلى أنه لا يجوز للقادر على القيام أو الجلوس أن يصلى النفل مضطجعا إلا لعذر، وذهب الشافعية إلى جواز التنفل مضطجعا مع القدرة على القيام فى الأصح، لحديث عمران بن الحصين أنه سأل النبى صلى الله عليه وسلم عن صلاة الرجل قاعدا قال: من صلى قائما فهو أفضل ومن صلى قاعدا فله نصف أجر القائم، ومن صلى نائما فله نصف أجر القاعد. والأفضل أن يصلى على شقه الأيمن فإن اضطجع على الأيسر جاز ويلزمه أن يقعد للركوع والسجود قيل: يومء بهما أيضا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴ص ۱۰۹، مادة"قيام")

[1] البتہ اگر ایسا شخص بے ہوش بھی رہا ہو، اور اس کی بے ہوشی ایک دن اور ایک رات (یعنی چوبیس گھنٹے) سے زیادہ تک جاری رہی ہو، تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک بے ہوشی کے زمانہ کی نمازوں کو قضا کرنا واجب نہیں ہوگا۔
جبکہ امام محمد کے نزدیک چھ نمازوں سے زیادہ وقت گزر کر ساتویں نماز کا وقت بھی بے ہوشی کی حالت میں داخل ہو جائے، تو پھر اس بے ہوشی کے زمانہ کی نمازوں کو قضا کرنا واجب نہیں ہوگا، اور اس سے کم وقت تک بے ہوش رہنے کی صورت میں بے ہوشی کے زمانہ کی نمازوں کو قضا کرنا واجب ہوگا، اور دیگر فقہائے کرام کے اقوال اس میں مختلف ہیں، جس کی تفصیل آگے ''مجنون اور بے ہوش پر نماز کے حکم'' میں آتی ہے۔

www.idaraghufran.org

بھنووں کے اشارہ سے نماز پڑھے، اور اس طرح بھی ممکن نہ ہو، تو دل کے اشارہ سے نماز پڑھے، کیونکہ ہر شخص اپنی وسعت اور حیثیت کے مطابق ہی شرعی احکام کا مکلّف ہوا کرتا ہے، اور اب یہ شخص اسی حیثیت کے مطابق مکلّف ہے، جس کو اپنی وسعت کے مطابق عمل کرنے سے سبکدوشی حاصل ہونی چاہیے۔ ل

اور جمہور فقہائے کرام کے علاوہ حنفیہ میں سے امام زفر رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے، اور بظاہر اس قول میں زیادہ احتیاط ہے کہ مبادا، بیماری سے افاقہ حاصل نہ ہو یا افاقہ کے بعد پڑھنے کا

ل کيفية الإيماء :

إن لـم يستـطـع الـمـريـض القيام والقعود أو الركوع أو الجلوس أو جميعها فاحتاج إلى الإيماء فهل يومء برأسه لها أم بعينه أم بقلبه؟

فـالـجمهور أن المريض يومء بما يستطيعه وذلك لحديث :إذا أمـرتـكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم والأصـل أن الـمـريـض إذا لم يستطع إلا الإيماء فيومء برأسه، فإن عجز عن الإيماء برأسه أومأ بطرفه (عينه) نـاويـا مستـحـضـرا تيسيرا له للفعل عند إيمائه، وناويا القول إذا أومأ له، فإن عجز عن القول فبقلبه مستحضرا له، كالأسير، والخائف من آخرين إن علموا بصلاته يؤذونه.

أما الحنفية -ما عدا زفر -فإن الذى لا يستطيع الإيماء برأسه فعليه أن يؤخر الصلاة، ولا يومء بعينه ولا بقلبه ولا بحاجبه

وعندهم لا قياس على الرأس؛ لأنه يتأدى به ركن الصلاة دون العين وغيرها وإن كان العجز أكثر من يـوم وليـلـة إذا كـان مـفـيـقـا؛ لأنـه يـفـهم مضمون الخطاب بخلاف المغمى عليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧،ص ٢٦٣، مادة"صلاة المريض")

المسألة الخامسة :من عجز عن الإيماء برأسه:

مـن عـجز عن الإيماء برأسه يومء بطرفه، فإن عجز أجرى أفعال الصلاة على قلبه، ولا يترك الصلاة ما دام عقله ثابتا، وهذا هو قول الجمهور، مستدلين على ذلك بما رواه الحسين بن على رضى الله عـنـهـما أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :فإن لم يستطع أومأ بطرفه ولا تسقط عنه الصلاة، لأنه مسلم بالغ عاقل، أشبه القادر على الإيماء برأسه.

وفى رواية عن أحمد تسقط الصلاة فى هذه الحالة، واختاره الشيخ تقى الدين.

والراجح من مذهب الحنفية :أنه إن لم يستطع الإيماء برأسه أخرت الصلاة عنه، ولا يومء بعينه ولا بـقلبه ولا بحاجبيه، خلافا لزفر ورواية عن أبى يوسف، وعن محمد قال :لا أشك أن الإيماء برأسه يجزئه، ولا أشك أنه بقلبه لا يجزئه، وأشك فيه بالعين.

والـمـختـار عـنـد الـحـنـفية أن الصلاة لا تسقط عنه، حتى ولو زادت عن أكثر من يوم وليلة إذا كان مـفـيـقـا، وصـحـح قـاضـى خـان أنـه لا يـلـزمـه الـقـضاء إذا كثر؛ لأن مجرد العقل لا يكفى لتوجه الخطاب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٩،ص ٢٦٨و ٢٦٩، مادة"عاهة")

موقع میسر نہ آئے۔ ۱؎

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَ عِلْمُهٗ اَتَمّ وَاَحْكَمُ.

۱؎ وقد اختلفوا فيمن عجز عن الإيماء بتحريك رأسه، واختلافهم هنا يحسن معه إيراد كل مذهب على حدة.

المعتمد عند الحنفية أن المصلى لو عجز عن الإيماء وهو تحريك الرأس فلا شىء عليه؛ لما روى عن ابن عباس عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :يصلى المريض قائما، فإن نالته مشقة صلى جالسا، فإن نالته مشقة صلى نائما يومء برأسه، فإن نالته مشقة سبح .

أخبر النبى صلى الله عليه وسلم أنه معذور عند الله تعالى فى هذه الحالة، فلو كان عليه الإيماء بغير تحريك الرأس كالحاجب لما كان معذورا، ولأن الإيماء

ليس بصلاة حقيقية، ولهذا لا يجوز التنفل به فى حالة الاختيار، ولو كان صلاة لجاز كما لو تنفل قاعدا إلا أنه أقيم مقام الصلاة بالشرع، والشرع ورد بالإيماء بالرأس فلا يقام غيره مقامه.

وقال زفر :لو عجز عن الإيماء بتحريك الرأس يومء بالحاجبين أولا، فإن عجز فبالعينين، فإن عجز فبقلبه؛ لأن الصلاة فرض دائم لا يسقط إلا بالعجز، فما عجز عنه يسقط وما قدر عليه يلزمه بقدره، فإذا قدر بالحاجبين كان الإيماء بهما أولى لأنهما أقرب إلى الرأس، فإن عجز يومء بعينيه لأنهما من الأعضاء الظاهرة، وجميع البدن ذو حظ من هذه العبادة فكذا العينان، فإن عجز فبالقلب؛ لأنه فى الجملة ذو حظ من هذه العبادة وهو النية، ألا ترى أن النية شرط صحتها، فعند العجز تنتقل إليه.

وقال الحسن بن زياد :يومء بعينيه وحاجبيه ولا يومء بقلبه؛ لأن أركان الصلاة تؤدى بالأعضاء الظاهرة، أما الباطنة فلا حظ لها من أركانها بل لها حظ من الشرط وهو النية، وهى قائمة أيضا عند الإيماء فلا يؤدى به الأركان والشرط جميعا .

وقال المازرى من المالكية :مقتضى المذهب أنه إن لم يقدر إلا على النية مع قدرته على الإيماء بطرفه أو حاجبه فإنه يفعل ما يقدر عليه وجوبا ويكون مصليا بذلك، وإن لم يقدر إلا على النية وجبت.

وقال الشافعية :إن عجز المكلف عن أركان الصلاة بهيئتها الأصلية أومأ برأسه، والسجود أخفض من الركوع، فإن عجز عن الإيماء برأسه فبطرفه، ومن لازمه الإيماء بجفنه وحاجبه، وظاهر كلامهم أنه لا يجب هنا إيماء للسجود أخفض وهو متجه.

وقال الحنابلة :إن عجز عن الركوع والسجود أومأ بهما برأسه ما أمكنه، ويكون سجوده أخفض من ركوعه، فإن عجز أومأ بطرفه ونوى بقلبه، وظاهر كلام جماعة لا يلزمه، وصوبه فى الفروع .

ولم نقف على نص لهم فى الإيماء بالحاجب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٦، ص٢٤٤، مادة"حاجب")

Idara Ghufran

﴿باب نمبر۲﴾

کرسی پر بیٹھ کرنماز پڑھنے کا شرعی حکم

قیام، رکوع اور سجدہ وقعدہ سے متعلق جو اصولی باتیں ذکر کی گئیں، ان سے کافی حد تک کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم معلوم ہو چکا، اب خاص کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا شرعی حکم بیان کیا جاتا ہے۔

کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا خلافِ سنت ومکروہ ہے

آج کل یہ بات کثرت سے دیکھنے میں آرہی ہے کہ ذرا سے عذر اور بہانے کی خاطر ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی بہت سے لوگ کرسی پر بیٹھ کر نہ صرف نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، بلکہ اس کی ایک مستقل عادت اور معمول بنا لیتے ہیں۔

حالانکہ اوّلاً تو کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ذکر صراحتاً قرآن وسنت میں نہیں ملتا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دوسروں کے سہارے چل کر آنے والے معذور و بیمار نمازی بھی جماعت میں شامل ہوتے تھے، اور اُس زمانہ میں مریض اور بیماروں کے نماز پڑھنے کا تناسب اور اہتمام آج کے دور سے کہیں زیادہ تھا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ أَوْ مَرِيضٌ إِنْ كَانَ الْمَرِيضُ لَيَمْشِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَأْتِيَ الصَّلَاةَ (مسلم)[1]

ترجمہ: بلاشبہ ہم نے دیکھا ہے کہ نماز سے پیچھے رہنے والا صرف ایسا منافق ہی

---

[1] رقم الحدیث ۶۵۴ "۲۵۶" کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب فضل صلاۃ الجماعۃ وبیان التشدید فی التخلف عنہا۔

Idara Ghufran

ہوتا تھا، جس کا نفاق معلوم ہوتا تھا، یا وہ (سخت) مریض ہوتا تھا، ورنہ مریض بھی دو آدمیوں کے سہارے سے نماز کے لئے آتا تھا (مسلم)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری کے واقعہ میں مروی ہے کہ:

فَلَمَّا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً فَقَامَ يُهَادِىْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ، وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِي الْأَرْضِ، قَالَتْ: فَلَمَّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ سَمِعَ أَبُوْ بَكْرٍ حِسَّهُ، ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قُمْ مَكَانَكَ، فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى جَلَسَ عَنْ يَّسَارِ أَبِىْ بَكْرٍ قَالَتْ: فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّىْ بِالنَّاسِ جَالِسًا (مسلم) [1]

ترجمہ: پھر جب نماز کھڑی ہوگئی (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم دے دیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں کچھ خفت محسوس کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کے سہارے سے (مسجد میں) آئے، اور آپ کے پیر زمین میں گھسٹ رہے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے، تو حضرت ابوبکر نے آپ کی آہٹ کو سن لیا، اور پیچھے ہٹنے لگے، تو ان کی طرف رسول اللہ علیہ وسلم نے وہیں موجود رہنے کا اشارہ کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بائیں طرف بیٹھ گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی (مسلم)

مرض الوفات کے اس آخری مرض وعذر کی حالت میں بھی سہارے سے آکر نبی صلی اللہ علیہ

---

[1] رقم الحديث ۹۵۴۱۸ "كتاب الصلاة، باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من مرض وسفر، وغيرهما.

وسلم نے کرسی یا کسی دوسری چیز پر بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی، بلکہ زمین پر بیٹھ کر نماز اداء فرمائی۔
خلاصہ یہ کہ اتنا شدید مرض اور مسلمانوں کی طرف سے نمازوں کی پابندی کا اہتمام ہوتے ہوئے بھی اُس پاکیزہ دور میں کسی مریض کا کرسی وغیرہ پر بیٹھ کر نماز پڑھنا ثابت نہیں۔
اور فقہائے کرام وسلفِ صالحین سے بھی مریضوں کے لئے اس طرح پیر لٹکا کر اور اونچی چیز پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔
حالانکہ نہ تو امراض اور مریضوں اور اعذار کا سلسلہ کوئی نئی چیز ہے، اور نہ ہی کرسی کوئی آج کے دَور کی نئی ایجاد ہے، بلکہ پہلے زمانوں میں بھی یہ پائی جاتی تھی ورنہ، پھٹّے، تخت، چارپائی وغیرہ تو یقیناً تھے۔
پھر فقہائے کرام نے مریض ومعذور کی نماز کے مستقل احکام بیان فرمائے ہیں، اور اس پر تفصیلی بحث فرمائی ہے، اور مریض ومعذور کے لیے ممکنہ حد تک سہولتوں اور رُخصتوں کا ذکر فرمایا ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی بیٹھ کر بھی نماز کی قدرت نہ رکھتا ہو تو لیٹ کر اور اشارہ سے نماز پڑھنے کی صورتوں کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔
مگر اس پوری بحث میں فقہائے کرام نے کرسی وغیرہ پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں فرمایا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا سنت کے قریب اور خیرُ القرون کے دور اور سلفِ صالحین کے طریقہ کے مطابق نہیں، بلکہ یہ بہت بعد کی ایجاد ہے۔
دوسرے نماز کی جتنی بھی حالتیں ہیں یعنی قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ، تو کرسی پر بیٹھنا ان مذکورہ حالتوں میں سے کسی بھی مسنون حالت میں داخل نہیں، بلکہ یہ ان سب حالتوں سے مختلف اور جُدا حالت ہے۔
اس لیے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا نماز کی مسنون ومشروع حالتوں سے مختلف حالت ہونے کی وجہ سے عام حالات میں ناپسندیدہ اور مکروہ عمل ہے۔
تیسرے نماز اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری ہے، اس لئے اس کو حتی الامکان تواضع اور

عاجزی کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

خود ارکانِ نماز (قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ) کی ہیئت وحالت سے تواضع وعاجزی نمایاں ہے اور کرسی پر بیٹھنے کی ہیئت تواضع اور عاجزی والی نہیں ہے، بلکہ ایک گونہ ترفع اور تکبر والی حالت ہے، خاص طور پر کسی بڑے کے سامنے کرسی پر بیٹھنا ادب کی شان کے خلاف ہے، پھر اللہ کے حضور کرسی پر بیٹھنا کیسے ادب اور تواضع میں داخل ہوسکتا ہے، اور اس کے برعکس زمین پر بیٹھنے کی حالت زیادہ عاجزی وتواضع والی ہے، جس کا مشاہدہ اور احساس دیکھنے والوں کو بھی ہوتا ہے اور خود بیٹھنے والے کو بھی، اور فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق بھی زمین پر بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے کے مقابلہ میں زیادہ متواضع سمجھا گیا ہے، بوجہ زمین سے قریب ہونے کے۔

اور زمین پر بیٹھنے والا ظاہر ہے کہ کرسی پر بیٹھنے والے کے مقابلہ میں زمین سے زیادہ قریب ہوتا ہے، اس لئے بھی وہ کرسی پر بیٹھنے والے کے مقابلے میں زیادہ متواضع اور عاجزی والا شمار ہوگا۔

اور نماز کی ھیئت وحالت کو نماز کی درستگی اور انسان کی اصلاح میں بڑا دخل ہے۔

چوتھے کرسی پر نماز کی ادائیگی اور جواز کی کئی شرائط ہیں، اور اُن پر عوام الناس بلکہ بہت سے خواص اور اہلِ علم حضرات کا بھی عام طور پر عمل نہیں۔ [1]

---

[1] بعض حضرات نے اس موقع پر یہ اعتراض اُٹھایا تھا کہ نصوص سے مریض کے لئے جو اصول سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ مریض جیسے نماز پڑھنے کی استطاعت رکھتا ہو، پس اسی طرح نماز پڑھ لے، اتنی گہرائی اور تدقیق کی ضرورت نہیں کہ ان کو کرسی پر نماز کے جائز وناجائز ہونے کی شرائط بتلا کر الجھن میں مبتلا کیا جائے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ بات تو درست ہے کہ جتنی استطاعت ہو شریعت کی طرف سے اس کے مطابق ہی انسان مکلّف ہوا کرتا ہے، لیکن جب لوگ اپنی کم علمی اور لا ابالی پن بلکہ لاعلمی کے باعث استطاعت وعدمِ استطاعت کی حدود کا لحاظ نہ کریں اور زمین پر نماز پڑھنے کی قدرت ہوتے ہوئے کرسی پر نماز پڑھنے کا تکلف اختیار کریں (جس کا شریعت نے ان کو مکلّف نہیں کیا) تو ان کو تفاصیل سے آگاہ کرنا اہلِ علم حضرات کی ذمہ داری ہے، جیسا کہ فقہائے کرام نے بھی مریض کی نماز کے متعلق مفصل بحث فرمائی ہے، اور قدرت وعدمِ قدرت کی ہر ہر رکن وشرط کے اعتبار سے قسمیں بتلا کر الگ الگ حکم بیان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پانچویں مریض مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور ان کے احکام بھی جُدا جُدا ہوتے ہیں، کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے خاص ایک ہیئت وحالت کے مطابق نماز پڑھنے کے پابند ہوجاتے ہیں، اور ایک عذر کی بنیاد پر کئی ایسے ارکان اور واجبات چھوڑ بیٹھتے ہیں، جن کی ادائیگی سے وہ معذور نہیں ہوتے، مثلاً قیام، باقاعدہ رکوع اور سجدہ وغیرہ۔

اس کے علاوہ کرسیوں پر نماز پڑھنے کے رواج میں اور بھی چند خرابیاں ہیں، مثلاً معذور افراد کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فرمایا ہے، تو کیا فقہائے کرام کی اس مفصل بحث کو بھی فضول اور طولِ لاطائل وغیرہ کہا جائے گا؟

ظاہر ہے کہ نہیں، اور جب کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کے احکام کی تفصیل بھی فقہائے کرام کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق ہوگی تو اس کو بھی فضول قرار نہیں دیا جاسکتا۔

لوگوں کے حالات میں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والے حضرات میں بلا مبالغہ اکثر لوگ ایسے ہیں جو قیام، رکوع وسجود اور قعدہ یا ان میں سے بعض ارکان کے فرض وواجب اور مسنون درجہ کی شرائط کا لحاظ کر کے نماز ادا کرنے پر قادر ہیں، مگر رواج کے عام ہوجانے اور مزید براں اہلِ علم کے اس پر سکوت رکھنے یا جواز کی گنجائش دینے یا حوصلہ افزائی کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں نماز کے کئی ارکان واحکام کو ضائع کرنے کا رواج روز بروز بڑھتا جارہا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جس شخص کی زندگی کے تمام معمولات جاری ہوں اور وہ خود سے چل کر مسجد میں آنے اور اُٹھنے بیٹھنے پر قادر ہو، ایسے شخص کا نماز کی حالت میں ایسا معذور بن جانا کہ جو نماز کے ارکان کی ادائیگی پر ہی قادر نہ رہے، عقل سے بالاتر ہے اور ایسے لوگوں کی مثال بالکل اُن لوگوں کی طرح ہے جو دور دراز مُلک سے سفر کر کے اور ہر قسم کی مشقتیں برداشت کر کے حج کرنے کے لئے مکہ، مدینہ، عرفات، مزدلفہ اور منیٰ پہنچ جاتے ہیں لیکن منیٰ میں موجود ہوتے ہوئے رمی کرنے سے اپنے آپ کو معذور سمجھتے ہیں، اور جس طرح وہاں غیر ہجوم کے وقت مثلاً رات کو رمی کرنا ممکن وسہل ہوتا ہے اسی طرح یہاں کرسی کے علاوہ دوسرے طریقوں سے ارکان کی ادائیگی کے ساتھ نماز پڑھنا ممکن ہوتا ہے۔

بہت سی مساجد میں کرسیوں کی بہت زیادہ کثرت ہوگئی ہے، اور ایسے لوگ جو زمین پر بیٹھ کر اور باقاعدہ زمین پر سجدہ کر کے، بلکہ قیام اور رکوع جیسے تمام ارکان ادا کرنے پر قادر ہوتے ہیں، وہ بے دھڑک کرسیوں پر بیٹھ کر اشارہ سے رکوع وسجود کر کے نماز پڑھتے ہیں، جس میں بعض علماء بلکہ بڑے بڑے مشائخ عظام ومفتیانِ کرام بھی داخل ہیں۔

ہمیں تو لوگوں کے اس طرزِ عمل کی فکر پہلے سے ہی بہت زیادہ تھی، لیکن دیگر اہلِ علم حضرات کی طرف سے اس پر نکیر نہ ہونے، بلکہ بعض حضرات کی طرف سے جواز کے فتاویٰ جاری ہونے کی وجہ سے لوگوں کو کرسی پر نماز پڑھنے کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی تھی، مگر بحمد اللہ تعالیٰ اب کئی علمائے کرام اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں اور اب وہ بھی اس سلسلہ میں کافی فکر مند ہیں اور اس طرح کی بلکہ مزید براں خرابیوں کے قائل ہیں۔ فللہ الحمد والشکر۔ محمد رضوان۔

کرسی پر نماز پڑھتے یا کرسی کو موجود دیکھ کر غیر معذور اور معمولی عذر والوں کا بھی کرسی پر بیٹھ کر نماز شروع کر دینا، کرسیوں کا صفوں کے سیدھا اور متصل ہونے میں مخل ہونا، کسی وقت معذور افراد کے مسجد نہ آنے کی صورت میں باقی نمازیوں کے لئے مسجد میں موجود کرسیوں کا تشویش اور صفوں میں رخنہ اندازی کا باعث ہونا، اور کرسیوں پر بیٹھ کر نماز پڑھنے میں عیسائیوں کے گرجا گھروں اور متکبرین کی مشابہت کا لازم آنا، اور مساجد میں کرسی پر بیٹھنے والے کی موجودگی میں نیچے بیٹھ کر قرآن مجید لے کر تلاوت کرتے وقت بے ادبی کا لازم آنا، وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام وجوہات کی بناء پر عوام الناس میں کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بڑھتے ہوئے رواج کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی۔

بلکہ عام حالات میں کرسی پر نماز پڑھنا خلافِ سنت اور مکروہ طریقہ ہے، اور بہت سی صورتوں میں نماز کے ضیاع کا بھی باعث ہے۔

اوران حالات میں اہلِ علم حضرات کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلہ میں حکمت کے ساتھ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بڑھتے ہوئے رجحان کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے لوگوں کو اصل حقائق اور مسائل سے آگاہ فرمائیں، تاکہ نفس وشیطان کو نماز جیسے اہم فریضہ کی اضاعت کا موقع نہ مل سکے۔

البتہ جب زمین پر کسی طرح بیٹھ کر نماز پڑھنا ممکن نہ ہو، یا سخت تکلیف کا باعث ہو، تو پھر نماز کے دوران کرسی پر بیٹھنے کی گنجائش ہوگی، اور کراہت نہ ہوگی، مگر نماز صحیح ہونے کی شرائط کا لحاظ کرنا پھر بھی ضروری ہوگا کہ جس رکن، مثلاً قیام، رکوع اور سجدہ کی ادائیگی کی ان کو قدرت ہو، اس کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام نہ لیں۔ [1]

---

[1] اس پر بعض حضرات کا یہ فرمانا کہ کرسی پر نماز پڑھنے کے جو مفاسد ذکر کئے گئے، ان میں سے اکثر خود ساختہ معلوم ہوتے ہیں، اور یہ کہ جہاں کرسی پر نماز پڑھنے میں کچھ مفاسد ہیں وہاں اس میں خوبیاں بھی ہیں مثلاً یہ کہ بعض لوگوں کو عذر ہوتا ہے، ان کے لئے اس کی گنجائش دینی چاہئے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ پہلے تو اکثر اہلِ علم حضرات کی اس طرح کی خرابیوں کی طرف توجہ نہیں تھی، بلکہ متعدد حضرات کرسی پر نماز کے جائز ہونے کا اس طرح فتویٰ دیتے تھے کہ جس سے لوگوں کو کرسی پر نماز کے بڑھتے ہوئے رجحان کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی، اور کرسیوں پر نماز پڑھنے کے عمل کو رواج ملتا تھا، مگر اب بحمداللہ تعالیٰ کئی اہلِ علم حضرات اس طرف متوجہ ہوگئے ہیں۔

فجزاھم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء۔

کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی جائز وناجائز صورتیں

اب کرسی پر نماز کے جائز وناجائز ہونے کی صورتوں کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

قیام پر قادر کو نماز میں کرسی پر بیٹھنے کا حکم

(۱)...... جو شخص شرعی اعتبار سے قیام کرنے یعنی کھڑے ہونے پر قادر ہو، اگرچہ سہارے سے ہی قیام کرسکتا ہو، یا زمین سے اٹھتے وقت سہارا لے کر کھڑا ہوسکتا ہو، یا جلسۂ استراحت کرکے (یعنی سجدہ سے فارغ ہوکر کچھ دیر بیٹھ کر) کھڑا ہوسکتا ہو، یا صرف ایک رکعت میں قیام کرسکتا ہو، یا تھوڑی دیر کے لئے مثلاً تکبیرِ تحریمہ کی بقدر قیام کرسکتا ہو، تو اس کو فرض نماز میں اپنی استطاعت وحیثیت کے مطابق قیام کرنا ضروری ہے، اور ایسے شخص کو اپنی حسبِ قدرت قیام ترک کرکے کرسی پر بیٹھے بیٹھے نماز پڑھنا جائز نہیں، اور ایسی صورت میں اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔

کیونکہ کرسی پر مروجہ طریقے سے (یعنی پاؤں نیچے لٹکا کر) بیٹھنے والے کے جسم کا زور پاؤں پر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ان حضرات کا مندرجہ بالا مفاسد کو خودساختہ قرار دینا تو حقائق کو نظرانداز کردینے کے مترادف یا حقائق سے بے خبری پر مبنی ہے، کمالایخفیٰ علی صاحب المشاھدۃ۔

اور صاحبِ اعذار لوگوں کے لئے گنجائش دینے کا حکم فرمانا ہماری مندرجہ بالا بحث کے مخالف نہیں ہے، کیونکہ شرعی اصولوں کے مطابق جب کسی کے لئے گنجائش ہوگی تو ہم اس گنجائش کے مخالف نہیں، جیسا کہ مذکورہ تفصیل سے ظاہر ہے، اور اگر شرعی اصولوں کے مطابق کسی کے لئے گنجائش نہ ہوگی یا مصالح سے زیادہ مفاسد ہوں گے، تو اس کی کیونکر گنجائش دی جاسکتی ہے۔

Idara Ghufran

نہیں ہوتا، بلکہ وہ سُرین کے سہارے سے بیٹھا ہوتا ہے، اور اس کا نیچے والا دھڑ بھی سیدھا نہیں ہوتا، اور اس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں، لہٰذا شرعی اعتبار سے اس پر نماز میں قیام کرنے کی حقیقت صادق نہیں آتی، اور اس حالت میں بیٹھے ہوئے شخص سے نماز کے قیام کا فریضہ اور قیام کی حقیقت ادا نہیں ہوتی۔ [1]

سجدہ پر قادر کو نماز میں کرسی پر بیٹھ کر سجدہ کرنے کا حکم

(۲)...... جو شخص زمین پر سجدہ کرنے پر قادر ہو، اس کو زمین پر سجدہ کرنا ضروری ہے، اور اس کو زمین پر سجدہ ترک کر کے کرسی پر بیٹھے بیٹھے اشارہ سے سجدہ کرنا یا کرسی کی نشست کے برابر یا اس سے کسی قدر اونچی چیز، ٹیبل وغیرہ پر پیشانی ٹیک کر سجدہ کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ بھی اشارہ سے ہی سجدہ کہلاتا ہے، اور اگر وہ ایسا کرے گا، تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی، خواہ وہ نماز فرض ہو یا نفل نماز ہو، یا سنت نماز ہو، یا واجب نماز ہو۔

کیونکہ جو شخص زمین پر سجدہ کرنے پر قادر ہو، اسے فرض، واجب، سنت اور نفل کسی طرح کی نماز میں اشارہ سے سجدہ کرنا جائز نہیں ہوتا، بلکہ زمین پر پیشانی اور ناک ٹیک کر سجدہ کرنا ضروری ہوتا ہے، اور اگر وہ سجدہ کے وقت ہاتھ، پاؤں اور گھٹنے زمین پر ٹیکنے پر قادر ہو، تو ان اعضاء کا زمین پر ٹیکنا بھی واجب ہوتا ہے، کیونکہ یہ تمام اعضاء بھی سجدہ کرتے ہیں، اور کرسی پر بیٹھے بیٹھے سجدہ کرنے میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں۔ [2]

---

[1] كيفية القيام: اتفق الفقهاء على أن القيام المطلوب شرعا فى الصلاة هو الانتصاب معتدلا، ولا يضر الانحناء القليل الذى لا يجعله أقرب إلى أقل الركوع بحيث لو مد يديه لا ينال ركبتيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴ص۱۰۷، مادة "قيام")

(وإن قدر على بعض القيام) ولو متكئا على عصا أو حائط (قام) لزوما بقدر ما يقدر ولو قدر آية أو تكبيرة على المذهب لأن البعض معتبر بالكل (الدرالمختار مع ردالمحتار ج۲ص۹۷، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

[2] اس سلسلہ میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے مفتیانِ کرام کی رائے پہلے یہ تھی کہ کرسی پر بیٹھ کر سامنے نشست گاہ کے برابر یا اس سے ایک بالشت اونچی کسی چیز پر سجدہ کرنا معتبر ہو جاتا ہے، مگر اب ان حضرات نے اس سے رجوع کر لیا ہے، اور

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یاد رہے کہ اگر کوئی نفل نماز پڑھ رہا ہے تو قیام پر قدرت ہونے کے باوجود اس سے قیام معاف ہے، مگر نفل نماز میں سجدہ کرنے کا حکم فرضوں کی طرح ہے۔

لہٰذا سنت اور نفل نمازوں کے درست ہونے کے لئے بھی فرضوں کی طرح باقاعدہ سجدہ کرنا ضروری ہے، صرف سجدے کا اشارہ کردینے یا کرسی پر بیٹھ کر کوئی چیز سامنے رکھ کر اس پر پیشانی ٹیکنے سے سجدے کا فرض ادا نہ ہوگا اور سنت و نفل نماز بھی درست نہ ہوگی۔

البتہ سواری پر سوار ہونے کی حالت میں نفل وسنت نماز پڑھتے ہوئے سواری پر بیٹھ کر رکوع وسجدہ اشارہ سے کرنا جائز ہوتا ہے (جس کی تفصیل آگے سفر سے متعلق احکام میں بیان کردی گئی ہے، وہاں ملاحظہ کرلی جائے)

قیام، رکوع اور سجدہ پر قادر اور قعدہ سے عاجز کو کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم

(۳)...... جو شخص قیام کرنے اور قیام کی حالت میں رکوع کرنے پر قادر ہو، اور زمین پر سجدہ کرنے پر بھی قادر ہو، اس کو فرض نماز میں باقاعدہ قیام کرنا اور قیام کی حالت میں باقاعدہ رکوع کرنا اور زمین پر سجدہ کرنا، یہ تمام چیزیں ضروری ہیں، اور ایسے شخص کو قیام ترک کر کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اب ان حضرات کے نزدیک بھی اس طرح سجدہ کرنا حقیقی سجدہ میں داخل نہیں ہے، بلکہ اشارہ سے سجدہ میں داخل ہے، اور جو شخص زمین پر سجدہ کرنے پر قادر ہے، تو اس طرح سجدہ کرنے سے اس کی نماز ادا نہیں ہوتی، جیسا کہ ماقبل میں باحوالہ گزرا۔

وتتحقق السجدة شرعاً بوضع الجبهة مع وضع إحدى اليدين وإحدى الركبتين وشيء من أطراف أصابع إحدى القدمين على ظاهر من الأرض .وهذا أقل ما يطلق عليه اسم السجود فتصح به الصلاة مع الكراهة.أما تمام السجود فيكون بوضع الأنف واليدين والركبتين وأطراف القدمين موجهاً نحو القبلة(فقه العبادات على المذهب الحنفي،للحاجة نجاح الحلبي، ج ا ص ۸۲، كتاب الصلاة، الباب الثالث،الفصل الثانى اركان الصلاة)

(و) الخامس :(السجود) بوضع الجبهة وإحدى اليدين وإحدى الركبتين وشيء من أطراف أصابع إحدى القدمين على ما يجد حجمه، وإلا لم تتحقق السجدة وكماله بوضع جميع اليدين والركبتين والقدمين والجبهة مع الأنف، كما ذكره المحقق ابن الهمام وغيره، ومن اقتصر على بعض عبارت أئمتنا مما فيه مخالفة لما قاله الفقيه أبو الليث والمحققون فقد قصر، وتمامه فى الأمداد(اللباب فى شرح الكتاب،لعبد الغنى الدمشقى، ج ا ،ص ۶۵ ،باب صفة الصلاة)

Idara Ghufran

کرسی پر بیٹھنا، اور کرسی پر بیٹھ کر رکوع کرنا اور کرسی پر بیٹھے بیٹھے اشارہ سے یا کرسی کے سامنے کوئی چیز، ٹیبل وغیرہ رکھ کر سجدہ کرنا کوئی بھی چیز جائز نہیں۔

البتہ یہ شخص جو کہ قیام، رکوع اور سجدہ تینوں ارکان پر قادر ہے، فقط گھٹنوں میں درد وغیرہ کی وجہ سے وہ اگر زمین پر دوزانو، چارزانو یا خواتین کے نماز میں بیٹھنے کی طرح یا کسی اور طرح، غرضیکہ کسی بھی مسنون وغیر مسنون طریقہ سے قعدہ کرنے پر قادر نہیں، تو اس کے لئے کرسی پر نماز پڑھنا اس طریقے سے درست ہے کہ قیام کی حالت میں باقاعدہ کھڑا ہو، قیام سے فارغ ہوکر کمر جھکا کر رکوع کرے، اور سجدہ کے وقت زمین پر سجدہ بھی کرے، اور سجدہ کے وقت اپنے ہاتھ، پاؤں اور گھٹنے زمین پر ٹیکے، البتہ قعدہ کے وقت کرسی پر بیٹھ جائے۔ [۱]

سجدہ سے عاجز اور رکوع وقیام پر قادر کو کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم

(۴)...... جو شخص زمین پر سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو، لیکن رکوع اور قیام پر قادر ہو، تو اس کو اکثر اور جمہور فقہائے کرام اور متعدد حنفیہ کے نزدیک قیام ترک کرنا، اور کرسی یا زمین پر بیٹھ کر رکوع کرنا جائز نہیں، البتہ اسے سجدہ اشارہ سے کرنا جائز ہے، اور وہ سجدہ کا اشارہ جتنی حد تک جھک کر کرسکتا ہے، بہت سے فقہاء کے نزدیک اتنی حد تک جھکنا ضروری ہے۔ [۲]

---

[۱] اور دونوں سجدوں کے درمیان بھی کم از کم اتنا اٹھنا واجب ہے کہ وہ قعدہ کے قریب ہو جائے، پھر اگر یہ شخص زمین پر کسی طرح بیٹھنے پر قادر ہے، مگر وہ زمین پر بیٹھنے کے بجائے کرسی پر بیٹھتا ہے، تو یہ اگر قیام اور رکوع وسجدہ باقاعدہ مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق ادا کرتا ہے، تو بھی اس کی نماز کا فریضہ ادا ہو جائے گا، تاہم اس کو زمین پر کسی بھی طرح بیٹھ کر نماز کا طریقہ ترک کرنے کی وجہ سے سنت والا ثواب نہیں ملے گا، کیونکہ احادیث وسنت سے کرسی کے بجائے زمین پر ہی کسی بھی طرح بیٹھنے کا ثبوت پایا جاتا ہے، جیسا کہ آگے نمبر ۶ میں آتا ہے۔ محمد رضوان۔

الحد الفاصل بين السجدتين أن يكون إلى القعود أقرب (ردالمحتار، ج ا ص ۴۵۴، باب صفة الصلاة) ومقتضى الدليل وجوب الطمأنينة في الأربعة أي في الركوع والسجود وفي القومة والجلسة، ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين (ايضاً، ج ا ص ۴۶۴)

[۲] (وإن تعذر الركوع أو السجود أومأ برأسه) أي يشير إلى الركوع والسجود (قاعدا) إن قدر على القعود لأنه وسعه (وجعل سجوده) بالإيماء (أخفض من ركوعه) لأن نفس السجود أخفض من الركوع فكذا الإيماء به (مجمع الأنهر، ج ا، ص ۱۵۴، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور ایسا شخص اگر قیام ترک کر کے کرسی پر بیٹھ کر فرض نماز پڑھتا ہے، تو ان حضرات کے نزدیک اس کی نماز درست نہیں ہوتی، بلکہ اس نماز کو با قاعدہ قیام اور رکوع کر کے دوبارہ پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔

اور دلائل کے لحاظ سے یہی قول زیادہ قوی اور احتیاط پر مبنی ہے۔

البتہ سجدہ سے معذور کو متعدد مشائخِ حنفیہ کے نزدیک قیام اور کھڑے ہو کر رکوع کرنا معاف

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والموء يسجد للسهو بالإيماء، كذا في المحيط ويكره للموء أن يرفع إليه عودا أو وسادة ليسجد عليه فإن فعل ذلك ينظر إن كان يخفض رأسه للركوع ثم للسجود أخفض من الركوع جازت صلاته، كذا في الخلاصة ويكون مسيئا هكذا في المضمرات.

وإن كان لا يخفض رأسه لكن يوضع العود على جبهته لم يجز هو الأصح فإن كانت الوسادة موضوعة على الأرض وكان يسجد عليها جازت صلاته، كذا في الخلاصة (الفتاوى الهندية، ج ١، ص ١٣٦، كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر في صلاة المريض)

(قوله فلو سجد) أي على شيء وضعه عنده أو على السرج اعتبر إيماء بعد أن يكون سجوده أخفض (رد المحتار على الدر المختار، ج ٢، ص ٣٩، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

(قوله وجعل سجوده أخفض) أي أخفض من ركوعه لأنه قائم مقامهما فأخذ حكمهما وعن علي - رضي الله عنه - أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال في صلاة المريض إن لم يستطع أن يسجد أومأ وجعل سجوده أخفض من ركوعه وروي عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال من لم يقدر على السجود فليجعل سجوده ركوعا وركوعه إيماء والركوع أخفض من الإيماء كذا في البدائع وظاهره كغيره أنه يلزمه جعل السجود أخفض من الركوع حتى لو سواهما لا يصح ويدل عليه أيضا ما سيأتي (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ٢، ص ١٢٢، باب صلاة المريض)

واستدل للكراهة في المحيط بنهيه - عليه السلام - عنه وهو يدل على كراهة التحريم وأراد بخفض الرأس خفضها للركوع ثم للسجود أخفض من الركوع حتى لو سوى لم يصح كما ذكره الولوالجي في فتاويه ولو رفع المريض شيئا يسجد عليه ولم يقدر على الأرض لم يجز إلا أن يخفض برأسه لسجوده أكثر من ركوعه ثم يلزقه بجبينه فيجوز لأنه لما عجز عن السجود وجب عليه الإيماء والسجود على الشيء المرفوع ليس بالإيماء إلا إذا حرك رأسه فيجوز لوجود الإيماء لا لوجود السجود على ذلك الشيء اهـ.

وصححه في الخلاصة قيد بكون فرضه الإيماء لعجزه عن السجود إذ لو كان قادرا على الركوع والسجود فرفع إليه شيء فسجد عليه قالوا إن كان إلى السجود أقرب منه إلى القعود جاز وإلا فلا كذا في المحيط وفي السراج الوهاج ثم إذا وجد الإيماء فهو مصل بالإيماء على الأصح لا بالسجود حتى لا يجوز اقتداء من يركع ويسجد به (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ٢، ص ١٢٣، باب صلاة المريض)

ہوجاتا ہے، اور اسے کھڑے ہوکر رکوع کرنا اور اشارہ سے سجدہ کرکے نماز پڑھنا جائز ہوتا ہے، اور زمین پر بیٹھ کر بھی رکوع کرنا اور اشارہ سے سجدہ کرکے نماز پڑھنا بھی جائز ہوتا ہے۔ [۱]

---

[۱] وكذلك لو عجز عن الركوع والسجود دون القيام "لزماه عند غير الحنفية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۰، ص ۷۹، مادة "تبعيض")

فإن عجز عن الركوع وقدر على القيام لم يسقط عنه فرض القيام .وقال أبو حنيفة هو بالخيار إن شاء صلى قاعدًا وإن شاء صلى قائمًا .هكذا نقل هذه المسألة عن أبي حنيفة بعض أصحاب الشافعي .ونقلها بعض أصحابنا إذا عجز عن السجود دون القيام فقال أبو حنيفة صلاته كلها جلوس .ونقل بعض أصحاب أبي حنيفة إذا عجز عن الركوع والسجود دون القيام لم يلزمه القيام وإن شاء صلى قاعدًا يومء إيماء .وبالجملة فإن مذهبنا أن فرض القيام لا يسقط بالعجز عن غيره . وقد قدمنا ما قيل في قيام العاجز عن القراء ة .وإنما تكلمنا ها هنا على فرض القيام على الجملة في حق القادر على القراء ة.

والدليل على أن القيام لا يسقط بالعجز عن غيره أن الأصل فيما يسقط لعذر أن يتقدر بقدر عذره. فإن كان العجز هو العذر تعذر الساقط بمقدار العجز .لأن العجز كعلة في السقوط والحكم يتقدر بقدر علته .ألا ترى أن العاجز عن القيام خاصة لا يسقط عنه الركوع والسجود .وكذلك القراء ة لا يسقطها العجز عن غيرها .والمريض إذا قدر على القعود لم يصل مضطجعًا.

وقد قال -صلى الله عليه وسلم " :-صل قائمًا فإن لم تستطع فقاعدًا فإن لم تستطع فعلى جنب " فأمر بالقيام على الإطلاق بشرط الاستطاعة.

وأما أبو حنيفة فإنه يحتج بأن القيام تبع لهذه الأركان فإذا سقط المتبوع سقط التابع .وإذا كان القيام إنما أريد لها فإن لم تكن فلا معنى لإيجابه .ألا ترى أن النافلة لما سقط فيها الركوع سقط فيها القيام والقراء ة لم تجب لأجل غيرها فتسقط بالعجز عن ذلك الغير(شرح التلقين،لابى عبد الله محمد بن علي بن عمر التَّمِيمي المازري المالكي، ج ۱، ص ۸۶۳،فصل صلاة المريض)

ولو عجز عن الركوع والسجود دون القيام لعلة بظهره تمنع الانحناء لزمه القيام ويأتي بالركوع والسجود بحسب الطاقة فيحني صلبه قدر الإمكان فإن لم يطق حنى رقبته ورأسه فإن احتاج فيه إلى شيء يعتمد عليه أو ليتكء إلى جنبه لزمه ذلك فإن لم يطق الانحناء أصلا أومأ إليهما(المجموع شرح المهذب، ج ۳، ص ۲۶۳ ،باب صفة الصلاة،فرع في مسائل تتعلق بالقيام)

وإن أمكنه القيام وعجز عن الركوع والسجود صلى قائمًا، فأومأ بالركوع، ثم جلس فأومأ بالسجود؛ لأن سقوط فرض لا يسقط فرضًا غيره(الكافي في فقه الإمام أحمد، ج ۱، ص ۳۱۴،باب صلاة المريض)

وفي النهر ما يفيد أنه عند العجز عن السجود يفترض عليه أن يقوم للقراء ة فإذا جاء أوان الركوع والسجود يقعد ويومىء بهما(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ج ۱، ص ۴۳۱،باب صلاة المريض)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور ایسا شخص اگر کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھے، تو ان حضرات کے نزدیک اس طرح بھی نماز ادا ہوجائے گی، لیکن اگر یہ شخص زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہو، تو یہ زیادہ بہتر اور سنت ہے۔

مگر یہ قول خلافِ احتیاط ہے، اور پہلا قول احتیاط پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ دلائل کے لحاظ سے بھی زیادہ قوی ہے۔

پس جس شخص کو زمین پر پیشانی یا ناک ٹیک کر سجدہ کرنے کی قدرت نہیں، تو اس کو صرف سجدہ سے معذور ہونے کی بنیاد پر فرض نمازوں میں قیام اور رکوع ترک نہیں کرنا چاہئے، اور رکوع کی قدرت نہ ہو، تو بھی قیام کو ترک نہیں کرنا چاہئے، اور رکوع وسجدہ میں سے جس کو باقاعدہ ادا کرنے کی قدرت نہ ہو، اس کو ممکنہ حد تک جھک کر اشارہ سے کرنا چاہئے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قوله" :صلى قاعدا بالإيماء "لو قال أومأ قاعدا لكان أولى إذ يفترض عليه أن يقوم فإذا جاء أوان الركوع والسجود أومأ قاعدا وإنما لم يلزمه القيام عند الإيماء للركوع والسجود لا مطلقا على ما ذكره فى النهر وإن كان ظاهر الزيلعي يقتضى سقوط ركنية القيام أصلا(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ج ۱، ص ۴۳۴،باب صلاة المريض)

الثانى :عند الحنفية أن القيام يسقط عن المريض حال الركوع، ولو قدر على القيام مع عدم القدرة على الركوع فيصلى قاعدا يومء إيماء ؛ لأن ركنية القيام للتوصل به إلى السجدة؛ لما فيها من نهاية التعظيم، فإذا كان لا يتعقبه السجود لا يكون ركنا فيتخير، والأفضل عندهم هو الإيماء قاعدا؛ لأنه أشبه بالسجود (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص ۲۶۱و۲۶۲،مادة"صلاة المريض")

وقال خواهر زاده يومء للركوع قائما وللسجود قاعدا(تبيين الحقائق، ج ۱، ص ۲۰۲، باب صلاة المريض)

قوله وللسجود قاعدا) أى اعتبارا لأصلهما .اهـ .غاية(حاشية الشلبى علىٰ تبيين الحقائق، ج ۱ ص ۲۰۲، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

والاحوط عندى ماذكره فى النهر من وجوب القيام عليه للقراء ة ، وانما الخلاف فى وجوب القيام للايماء بالركوع والسجود ، فالافضل عندنا الايماء بهما قاعدا، ولايجب القيام للايماء بواحد منهما، وعند الشافعية ومن وافقهم يؤمى للركوع قائما وللسجود قاعدا كما، وهذا، وان تفرد صاحب النهر بذكره، ولم يوافقه عليه احد من ناقلى المذهب، ولكنه قوى من حيث الدليل، فان ظاهر حديث عمران مؤيد له كما لايخفى، والله تعالىٰ اعلم (اعلاء السنن، ج۷ص۲۰۳، باب حكم صلاة المريض)

رجل بحلقه جراح لا يقدر على السجود ويقدر علىٰ غيرها من الافعال فانه يصلى قاعدا بايماء لان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رکوع سے عاجز اور قیام وسجدہ پر قادر کو کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم

(۵)...... جو شخص کھڑے ہو کر رکوع کرنے پر قادر نہ ہو، مگر وہ قیام کرنے پر قادر ہو، اور سجدہ بھی زمین پر کرنے پر قادر ہو، تو اکثر اور جمہور فقہائے کرام اور متعدد حنفیہ کے نزدیک اس سے قیام معاف نہیں ہوتا، اور اس کو کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہوتا، بلکہ اس کو قیام کے وقت باقاعدہ قیام کرنا اور کھڑے ہو کر رکوع اشارہ سے کرنا اور باقاعدہ سجدہ کرنا ضروری ہوتا ہے، اور ایسا شخص اگر قیام ترک کر کے کرسی پر بیٹھ کر فرض نماز پڑھتا ہے، تو ان حضرات کے نزدیک اس کی نماز درست نہیں ہوتی، بلکہ اس کو باقاعدہ قیام کر کے اور قیام کی حالت میں رکوع کا اشارہ کر کے اور زمین پر باقاعدہ سجدہ کر کے نماز پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔

اور دلائل کے لحاظ سے یہی قول زیادہ قوی اور احتیاط پر مبنی ہے۔

البتہ ایسی صورت میں متعدد مشائخِ حنفیہ کے نزدیک قیام اور کھڑے ہو کر رکوع کرنا معاف ہو جاتا ہے، اور اسے کھڑے ہو کر اشارہ سے رکوع کر کے بھی نماز پڑھنا جائز ہوتا ہے، اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

القيام والركوع شرعا وسيلة الى السجود ولهذا شرع السجود قربة خارج الصلاة دون القيام والركوع فاذا سقط السجود لمكان العجز سقط الوسيلة والتبع تحقيقا للتبعية (شرح الزيادات لقاضى خان ج ا ص ۲۳۵، ۲۳۶، باب من الصلاة التى يكون فيها العذران)

ولهذا سقط الركوع عمن سقط عنه السجود وان كان قادرا على الركوع وكان الركوع بمنزلة التابع له فكذا القيام بل اولىٰ لان الركوع اشد تعظيما واظهارا لذل العبودية من القيام ثم لما جعل تابعا له وسقط بسقوطه فالقيام اولىٰ (بدائع الصنائع ج ا ص ۱۰۷، كتاب الصلاة، فصل اركان الصلاة)

وأما إذا كان قادرا على القيام وعاجزا عن الركوع والسجود، فإنه يصلي قاعدا بإيماء وسقط عنه القيام؛ لأن هذا القيام ليس بركن؛ لأن القيام إنما شرع لافتتاح الركوع والسجود به، فكل قيام لا يعقبه سجود لا يكون ركنا، ولأن الإيماء إنما شرع للتشبه بمن يركع ويسجد والتشبه بالقعود أكثر، ولهذا قلنا بأن الموميء يجعل السجود أخفض من ركوعه؛ لأن ذلك أشبه بالسجود إلا أن بشرا يقول :إنما سقط عنه بالمرض ما كان عاجزا عن إتيانه، فأما فيما هو قادر عليه لا يسقط عنه، ولكن الانفصال عنه على ما بينا(المبسوط للسرخسي، ج ا ص ۲۱۳، كتاب الصلاة ،باب صلاة المريض)

www.idaraghufran.org

زمین پر بیٹھ کر بھی اشارہ سے رکوع کر کے نماز پڑھنا جائز ہوتا ہے۔

تاہم یہ قول خلافِ احتیاط ہے، اور پہلا قول احتیاط پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ دلائل کے لحاظ سے بھی زیادہ قوی ہے۔

تاہم مذکورہ شخص کو زمین پر پیشانی ٹکا کر سجدہ کرنا تمام حضرات کے نزدیک ضروری ہے، اور اگر ایسا شخص کرسی پر بیٹھے بیٹھے اشارہ سے یا کرسی کے سامنے کوئی چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرے گا، تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی، خواہ وہ نماز فرض ہو یا واجب ہو یا سنت ہو یا نفل نماز ہو۔

کرسی پر بیٹھنے والے کے قعدہ کا حکم

(۶)...... کرسی پر بیٹھنے والا کم از کم سنت کے مطابق نماز میں قعدہ کرنے والا نہیں، اور وہ قعدہ کے وقت زمین پر پاؤں لٹکا کر بیٹھے گا، تو قعدہ کی فرضیت تو بے شک ادا ہو جائے، لیکن کرسی پر بیٹھا ہوا شخص سنت کے مطابق نماز کا قعدہ کرنے والا شمار نہیں ہوگا، اور نماز کے مسنون قعدہ کے فضائل وبرکات سے محروم رہے گا۔

پس جو شخص نہ تو قیام پر قادر ہو، اور نہ قیام کی حالت میں رکوع کرنے پر قادر ہو، اور نہ ہی زمین پر سجدہ کرنے پر قادر ہو، مگر وہ زمین پر کسی بھی حالت میں بیٹھنے پر قادر ہو، تو اس کو زمین پر بیٹھ کر اشارہ سے رکوع وسجدہ کے ساتھ نماز ادا کرنا سنت اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، لیکن اگر یہ شخص کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرے، یا یہ شخص زمین پر بیٹھنے پر قادر نہ ہو، تو کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے سے نماز ادا ہو جائے گی، جبکہ وہ رکوع وسجدہ اشارہ سے کرے، اور سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکے، اور اس کو سامنے سجدہ کرنے کے لئے کوئی چیز رکھنا ضروری نہیں، بلکہ اگر وہ سجدہ میں اس رکھی ہوئی چیز سے زیادہ جھک سکتا ہو، تو اسے اس چیز پر سجدہ کرنے سے بہت سے حضرات کے نزدیک نماز ہی ادا نہیں ہوگی۔

اور کرسی پر نماز پڑھنے سے متعلق متعدد اہلِ علم حضرات کے چند جدید فتاویٰ ہماری دوسری

کتاب ''کرسی پر نماز کا شرعی حکم'' میں ملاحظہ فرمائیں۔ [1]

ملحوظ رہے کہ اگر کوئی مریض ومعذور شخص اپنے گھر میں رہ کر نماز پڑھنے کی صورت میں قیام، رکوع اور سجدہ وقعدہ کی شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے نماز پڑھنے پر قادر ہے، مثلاً گھر میں سہارے سے کھڑا ہونے کے لئے کوئی سہارے کی چیز میسر ہے، یا تنہا نماز پڑھنے کی صورت میں مختصر قیام کر کے نماز پڑھنے پر قادر ہے، مگر مسجد میں آ کر نماز باجماعت پڑھنے کی صورت میں ان شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے نماز پڑھنے پر قادر نہیں، مثلاً نماز باجماعت میں طویل قیام پر قادر نہیں، یا وہاں کوئی چیز قیام کے لئے سہارے کی میسر نہیں، تو ایسے شخص کو قیام، رکوع اور سجدہ وقعدہ کی ادائیگی کی شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے تنہا نماز پڑھنا ایسی باجماعت نماز پڑھنے سے زیادہ اہم ہے، جس میں صرف جماعت کی فضیلت تو حاصل ہوجائے، مگر قیام، رکوع وسجدہ وغیرہ جیسے فرائض کی ادائیگی کی شرائط فوت ہوجائیں، کیونکہ قیام، رکوع اور سجدہ وغیرہ فرض اور رکن ہے اور جماعت سے نماز ادا کرنا سنتِ مؤکدہ یا واجب ہے اور فرائض وارکان کی ادائیگی سنتِ مؤکدہ یا واجب کی ادائیگی سے زیادہ ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ اصلاح فرمائے۔ آمین۔

جیسا کہ آگے ''مریض ومعذور کی امامت وجماعت سے متعلق احکام'' میں آتا ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

---

[1] فنقول :أصل الصلاة وإن كانت تطوعا لكن لها أركان لا تقوم بدونها، وواجبات تنتقص بفواتها وتغييرها عن محلها، فيحتاج إلى الجابر، مع أن النفل يصير واجبا عندنا بالشروع ويلتحق بالواجبات الأصلية فى حق الأحكام على ما يبين فى مواضعه(بدائع الصنائع ،ج ۱ ص ۱۶۴، كتاب الصلاة،فصل الواجبات الأصلية فى الصلاة)

ولو صلى التطوع بالإيماء من غير عذر لا يجوز(الفتاوىٰ الهندية، ج ۱ ص ۱۱۴، كتاب الصلاة، الباب التاسع)

﴿باب نمبر ۳﴾

مرض وعذر سے متعلق نماز کے چند متفرق مسائل

اب نماز سے متعلق پیش آمدہ بعض متفرق امراض اور اعذار کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مجنون اور بے ہوش پر نماز کی فرضیت کا حکم

اس میں تو شک نہیں کہ جو شخص مجنون وپاگل ہو، اُس پر نماز فرض نہیں، خواہ وہ بالغ اور بڑی عمر کا آدمی اور فرد ہی کیوں نہ ہو۔ [1]

اور اگر کسی شخص کو جنون کا دورہ پڑنے کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہوگئی، تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کی یہ بے ہوشی زیادہ سے زیادہ ایک دن اور ایک رات (یعنی چوبیس گھنٹے) یا اس سے کم وقت تک جاری رہی، پھر وہ ہوش میں آ گیا، تو اس کو ہوش میں آنے کے بعد بے ہوشی کے زمانہ کی نمازیں قضا کرنا واجب ہوگا، اور اگر ایک دن اور ایک رات (یعنی چوبیس گھنٹے) سے زیادہ تک مسلسل بے ہوشی جاری رہی، تو پھر ہوش میں آنے کے بعد بے ہوشی کے زمانہ کی نمازیں قضا کرنا واجب نہیں ہوگا۔ [2]

---

[1] لا خلاف بين الفقهاء في أن المجنون غير مكلف بأداء الصلاة في حال جنونه، فلا تجب الصلاة على مجنون لا يفيق؛ لأن أهلية الأداء تفوت بزوال العقل لحديث عائشة رضى الله تعالى عنها مرفوعا :رفع القلم عن ثلاثة :عن النائم حتى يستيقظ، وعن الصبى حتى يحتلم، وعن المجنون حتى يعقل(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١٦، ص ١٠٢، مادة "جنون")

يشترط لوجوب الصلاة على المرء أن يكون عاقلا، فلا تجب على المجنون باتفاق الفقهاء لقول النبى صلى الله عليه وسلم :رفع القلم عن ثلاث :عن النائم حتى يستيقظ، وعن المبتلى وفى رواية : المعتوه حتى يبرأ، وعن الصبى حتى يكبر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٧، ص ٥٦، مادة "صلاة")

[2] مندرجہ بالا قول امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا ہے، جبکہ امام محمد کے نزدیک چھ نمازوں سے زیادہ وقت گزر کر ساتویں نماز کا وقت بھی بے ہوشی کی حالت میں داخل ہوجائے، تو پھر اس بے ہوشی کے زمانہ کی نمازوں کو قضا کرنا واجب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

اور حنابلہ کے نزدیک جو نماز جنون وغیرہ کی وجہ سے بے ہوشی کی حالت میں قضا ہوگئی، وہ معاف ہوجاتی ہے، خواہ وہ ایک نماز ہو یا اس سے زیادہ، البتہ اگر کسی نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے اسے افاقہ ہوجائے، اور وہ ہوش میں آ جائے، تو پھر اس کو اس نماز کا پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نہیں ہوتا، اور اس سے کم وقت تک بے ہوش رہنے کی صورت میں بے ہوشی کے زمانہ کی نمازوں کو قضا کرنا واجب ہوتا ہے۔

واختلفوا فی وجوب القضاء علیه بعد الإفاقة:

فذهب الحنفية ما عدا محمدا إلى أن من جن يوما وليلة، ثم أفاق قضى الخمس، وإن زاد الجنون وقت صلاة سادسة لا يقضي؛ لأن ذلک يدخل فی التكرار فسقط القضاء للحرج، وقال محمد: يسقط القضاء إذا صارت الصلوات ستا ودخل فی السابعة؛ لأن ذلک هو الذی يحصل به التكرار. وأما أبو حنيفة وأبو يوسف فأقاما الوقت فی دخول الصلوات فی حد التكرار مقام الصلاة تيسيرا، فتعتبر الزيادة بالساعات(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۶، ص ۱۰۲، مادة "جنون")

[1] جبکہ شافعیہ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر پوری نماز کا وقت جنون میں مستغرق ہوجائے، تو نہ تو وہ نماز واجب ہوتی ہے، اور نہ اس کی قضاء ضروری ہوتی ہے، اور اگر نماز کے پہلے وقت میں جنون طاری ہو، اور آخری وقت میں افاقہ ہوجائے، تو دیکھا جائے گا کہ اگر ایک رکعت کے بقدر وقت باقی ہو، اور طہارت حاصل کرنے کا بھی وقت باقی ہو، تو اس وقت کی نماز فرض ہوجائے گی۔

اور اگر کوئی نماز کے اول وقت میں یا درمیانی وقت میں صحیح تھا، پھر جنون طاری ہوگیا، تو اگر اتنے وقت صحیح رہا کہ اس نماز کو ادا کرسکتا تھا، تو ان کے نزدیک اس کی قضاء واجب ہوگی، ورنہ واجب نہیں ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ويرى المالكية أن الجنون إذا ارتفع، وقد بقي من الوقت ما يسع أقل من ركعة سقطت الصلاتان، هذا إذا كان فی وقت مشترک بين الصلاتين وإن بقی ما يسع ركعة فأكثر إلى تمام صلاة واحدة وجبت الأخيرة وسقطت الأولى، وإن بقی زيادة على ذلک بمقدار ركعة من الصلاة الأخرى وجبت الصلاتان، وإن ارتفع فی وقت مختص بصلاة واحدة وجبت المختصة بالوقت.

وقد فصل الشافعية الكلام فقالوا :الجنون مانع من وجوب الصلاة وله ثلاثة أحوال:

۱ ۔ لا تجب على المجنون الصلاة ولا قضاؤها إذا استغرق الوقت جميعا، قل الجنون أو كثر.

۲ ۔ أن يوجد فی أول الوقت، ويخلو آخره :فينظر إن بقی الوقت قدر ركعة، وامتدت السلامة من الجنون قدر إمكان الطهارة، وتلک الصلاة، لزمه فرض الوقت.

۳ ۔ أن يخلو أول الوقت أو أوسطه عن الجنون ثم يطرأ، ففی القدر الماضی من الوقت :إن كان قدرا يسع تلک الصلاة وجب القضاء على المذهب .وخرج ابن سريج قولا :أنه لا يجب إلا إذا أدرک جميع الوقت، أما إذا كان الماضی من الوقت لا يسع تلک الصلاة، فلا يجب على المذهب، وبه قطع جمهور الشافعية.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور جس شخص پر جنون کے علاوہ کسی اور وجہ سے بے ہوشی طاری یا عقل مغلوب ہوگئی، مثلاً کسی اور بیماری کی وجہ سے یا بے ہوشی وغیرہ کی کوئی چیز استعمال کرنے کی وجہ سے اس کے ہوش وحواس غائب ہوئے، تو اس سلسلہ میں فقہائے کرام کے نزدیک تفصیل ہے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ اگر اپنی کسی حرکت کے بغیر قدرتی طور پر مثلاً بیماری کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہوئی، تو اس کا حکم جنون کی طرح ہے، اور جنون کا حکم پہلے گزر چکا ہے۔

اور اگر شراب وغیرہ پینے یا کسی نشہ آور چیز یا دوا کے استعمال کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہوئی، تو پھر بے ہوشی کے زمانہ کی نمازیں قضا کرنا ضروری ہوگا، خواہ وہ کتنی زیادہ نمازیں کیوں نہ ہوں، اور بے ہوشی کتنے ہی وقت کے لئے کیوں نہ ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما عند الحنابلة فلا يقضى المجنون الصلاة إذا أفاق لعدم لزومها له، إلا أن يفيق فى وقت الصلاة فيصير كالصبى يبلغ، وذلك لحديث النبى صلى الله عليه وسلم :رفع القلم عن ثلاثة الحديث ولأن مدته تطول غالبا، فوجوب القضاء عليه يشق فعفى عنه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۶، ص ۱۰۳، مادة ”جنون“)

[1] اور حنفیہ میں سے امام محمد کے نزدیک اگر نشہ آور چیز کو جائز دوا کے طور پر استعمال کی وجہ سے عقل زائل ہوئی ہو، تو پھر اس کا حکم مجنون کی طرح ہے۔

واختلفوا فيمن تغطى عقله أو ستر بمرض أو إغماء أو دواء مباح.

فذهب الحنفية :إلى التفريق بين أن يكون زوال العقل بآفة سماوية، أو بصنع العبد .فإن كان بآفة سماوية كأن جن أو أغمى عليه ولو بفزع من سبع أو آدمى نظر، فإن كانت فترة الإغماء يوما وليلة فإنه يجب عليه قضاء الخمس، وإن زادت عن ذلك فلا قضاء عليه للحرج، ولو أفاق فى زمن السادسة إلا أن تكون إفاقته فى وقت معلوم فيجب عليه قضاء ما فات إن كان أقل من يوم وليلة مثل أن يخف عنه المرض عند الصبح مثلا فيفيق قليلا ثم يعاوده فيغمى عليه، فتعتبر هذه الإفاقة، ويبطل ما قبلها من حكم الإغماء إذا كان أقل من يوم وليلة، وإن لم يكن لإفاقته وقت معلوم لكنه يفيق بغتة فيتكلم بكلام الأصحاء ثم يغمى عليه فلا عبرة بهذه الإفاقة.

وإن كان زوال العقل بصنع الآدمى كما لو زال عقله ببنج أو خمر أو دواء لزمه قضاء ما فاته وإن طالت المدة، وقال محمد :يسقط القضاء بالبنج والدواء ، لأنه مباح فصار كالمريض.

وقال ابن عابدين :إن المراد شرب البنج لأجل الدواء ، أما لو شربه للسكر فيكون معصية بصنعه كالخمر .ومثل ذلك النوم فإنه لا يسقط القضاء ؛ لأنه لا يمتد يوما وليلة غالبا، فلا حرج فى القضاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۷، ص ۵۶، وص ۵۷، مادة ”صلاة“)

Idara Ghufran

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں۔

لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جو نمازیں نیند میں مشغول رہنے یا بھول جانے کی وجہ سے قضاء ہوئیں، ان کو بہر حال بیدار ہونے اور یاد آنے کے بعد ادا کرنا ضروری ہوگا، خواہ وہ نمازیں کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ [1]

---

[1] وذهب المالكية :إلى سقوط وجوب الصلاة على من زال عقله بجنون أو إغماء ونحوه، إلا إذا زال العذر وقد بقى من الوقت الضرورى ما يسع ركعة بعد تقدير تحصيل الطهارة المائية أو الترابية، فإذا كان الباقى لا يسع ركعة سقطت عنه الصلاة .ويستثنى من ذلك من زال عقله بسكر حرام فإنه تجب عليه الصلاة مطلقا، وكذا النائم والساهى تجب عليهما الصلاة، فمتى تنبه الساهى أو استيقظ النائم وجبت عليهما الصلاة على كل حال سواء أكان الباقى يسع ركعة مع فعل ما يحتاج إليه من الطهر أم لا، بل ولو خرج الوقت ولم يبق منه شىء.

وعند الشافعية :لا تجب الصلاة على من زال عقله بالجنون أو الإغماء أو العته أو السكر بلا تعد فى الجميع؛ لحديث عائشة :رفع القلم عن ثلاث :عن النائم حتى يستيقظ، وعن المعتوه حتى يبرأ، وعن الصبى حتى يكبر.

فورد النص فى المجنون، وقيس عليه من زال عقله بسبب يعذر فيه، وسواء قل زمن ذلك أو طال. إلا إذا زالت هذه الأسباب وقد بقى من الوقت الضرورى قدر زمن تكبيرة فأكثر؛ لأن القدر الذى يتعلق به الإيجاب يستوى فيه الركعة وما دونها، ولا تلزمه بإدراك دون تكبيرة .وهذا بخلاف السكر أو الجنون أو الإغماء المتعدى به إذا أفاق فإنه يجب عليه قضاء ما فاته من الصلوات زمن ذلك لتعديه.

قالوا :وأما الناسى للصلاة أو النائم عنها والجاهل لوجوبها فلا يجب عليهم الأداء ؛ لعدم تكليفهم، ويجب عليهم القضاء ، لحديث :من نسى صلاة أو نام عنها فكفارتها أن يصليها إذا ذكرها ويقاس على الناسى والنائم :الجاهل إذا كان قريب عهد بالإسلام .

وقصر الحنابلة عدم وجوب الصلاة على المجنون الذى لا يفيق، لحديث عائشة -رضى الله عنها - مرفوعا :رفع القلم عن ثلاث :عن النائم حتى يستيقظ، وعن المعتوه حتى يفيق، وعن الصبى حتى يكبر ولأنه ليس من أهل التكليف أشبه الطفل، ومثله الأبله الذى لا يفيق.

وأما من تغطى عقله بمرض أو إغماء أو دواء مباح فيجب عليه الصلوات الخمس؛ لأن ذلك لا يسقط الصوم، فكذا الصلاة؛ ولأن عمارا -رضى الله عنه " -غشى عليه ثلاثا، ثم أفاق فقال :هل صليت؟ فقالوا :ما صليت منذ ثلاث، ثم توضأ وصلى تلك الثلاث، وعن عمران بن حصين وسمرة بن جندب نحوه، ولم يعرف لهم مخالف، فكان كالإجماع؛ ولأن مدة الإغماء لا تطول -غالبا -ولا تثبت عليه الولاية، وكذا من تغطى عقله بمحرم -كمسكر -فيقضى؛ لأن سكره معصية فلا يناسب إسقاط الواجب عنه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نماز کے آخری وقت میں مکلّف نہ رہنے پر حکم

جو شخص نماز کے شروع وقت میں تو نماز کا مکلّف تھا، لیکن نماز کے آخری وقت میں نماز کا مکلّف نہیں رہا، مثلاً وہ نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے مجنون و پاگل ہوگیا، یا کسی عورت کو حیض ونفاس آ گیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر اس وقت کی وہ نماز معاف ہوجاتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكذا تجب الصلوات الخمس على النائم :بمعنى يجب عليه قضاؤها إذا استيقظ لقوله صلى الله عليه وسلم :من نسى صلاة أو نام عنها فكفارتها أن يصليها إذا ذكرها ولو لم تجب عليه حال نومه لم يجب عليه قضاؤها كالمجنون، ومثله الساهى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٧، ص٥٧، وص ٥٨، مادة "صلاة")

[1] پھر مجنون و پاگل ہونے کی صورت میں اس سے نماز کے معاف ہونے میں وہی تفصیل ہوگی، جو اس سے پہلے پانچ نمازیں یا اس سے زیادہ تک بے ہوش رہنے کے سلسلہ میں ذکر کی گئی۔ محمد رضوان۔

الوقت الموسع عند الحنفية لكل من الفرائض هو :من أول الوقت إلى ألا يبقى من الوقت أكثر مما يسع تكبيرة الإحرام للصلاة، فإذا لم يبق من الوقت إلا ما يسع تكبيرة الإحرام للصلاة فهو وقت مضيق، يحرم التأخير عنه .وعند زفر :يتضيق الوقت إذا لم يبق إلا ما يتسع لركعات الصلاة.

أما وقت الوجوب فهو من أول الوقت إلى ما قبل خروجه بزمن يسع تكبيرة الإحرام أو ثلاث ركعات المغرب مثلا.

وأما وقت وجوب الأداء فهو الوقت الباقى الذى يسع تكبيرة الإحرام أو ثلاث ركعات المغرب.

هذا الذى ذكرناه هو مذهب الحنفية ، ومنه يتبين أن وجوب الأداء يتعلق بآخر الوقت، وقبل آخر الوقت يكون المكلف مخيرا بين أداء الصلاة فى أى جزء من أجزاء الوقت وبين عدم أدائها.

وذهب الشافعية والحنابلة إلى أن وجوب الأداء يتعلق بأى جزء من أجزاء الوقت ولا يتعلق بآخر الوقت .

ويظهر أثر الخلاف فى مقيم سافر فى آخر وقت الظهر، فعند الحنفية حين يقضى الظهر يقضيه ركعتين؛ لأن وجوب الأداء يتعلق بآخر الوقت، وهو فى آخر الوقت كان مسافرا، فيقضى صلاة المسافرين .وعند غير الحنفية يقضى الظهر أربعا؛ لأن وجوب الأداء يتعلق بالجزء الأول من الوقت وما بعده، وهو فى الجزء الأول من الوقت كان مقيما فوجب عليه قضاء صلاة المقيمين.

ومثل ذلك عند الحنفية إذا حاضت المرأة أو نفست فى آخر الوقت أو جن العاقل أو أغمى عليه فى آخر الوقت لا يجب عليهم قضاء هذا الفرض إذا زال المانع؛ لأن وجوب الأداء يتعلق بآخر الوقت، وهؤلاء جميعا ليسوا أهلا للخطاب فى آخر الوقت، وحيث لم يجب عليهم الأداء لم يجب عليهم القضاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٧، ص ١٧٦ ، مادة "أوقات الصلاة")

Idara Ghufran

دارُالحرب میں اسلام لانے والے پرنماز کا حکم

جو شخص دارُالحرب یعنی کافروں کے ایسے ملک میں مسلمان ہوا، جہاں دین کے فرائض کا علم حاصل کرنے کے ذرائع میسر نہیں تھے، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر اس وقت تک نماز فرض نہیں ہوتی، جب تک اسے نماز کی فرضیت کا علم نہ ہو، اور علم ہونے کے بعد اسے اس زمانہ کی نمازیں قضاء کرنا بھی ضروری نہیں ہوتا، جب تک اسے علم نہیں ہوا تھا۔

لیکن دوسرے فقہائے کرام اور حنفیہ میں سے امام زفر کے نزدیک علم ہونے کے بعد گزشتہ زمانہ کی نمازیں قضاء کرنا ضروری ہوتا ہے۔ [1]

ملحوظ رہے کہ آج کل دنیا کے مختلف اطراف سے فاصلے سمٹ جانے اور گلوبلائزیشن (GLOBALIZATION) ہو جانے کی وجہ سے اکثر دارُالحربوں اور غیر اسلامی ملکوں میں سفر و اسفار اور ذرائع ابلاغ کے واسطے سے نماز کی فرضیت کا حکم پہنچ چکا ہے، بلکہ وہاں مختلف شکلوں میں تبلیغ وتدریس کے سلسلے و حلقے بھی قائم ہیں، نیز ذرائع ابلاغ کے واسطے سے دیگر علاقوں کے اہلِ علم سے شریعت کے حکم کا علم حاصل کرنا بھی اس دور میں ممکن اور سہل ہو گیا ہے۔

جبکہ فقہائے کرام کے نزدیک ایک دو مستند اور ذمہ دار، اور بعض حضرات کے نزدیک عام

---

[1] أما من أسلم في دار الحرب فترك صلوات أو صياما لا يعلم وجوبه، لزمه قضاؤه عند الحنابلة، وهو المفهوم من كلام الشافعية وإطلاقات المالكية.

ويرى الحنفية أنه يعذر من أسلم بدار الحرب فلم يصم ولم يصل ولم يزك وهكذا، لجهله الشرائع، جاء في الفتاوى الهندية :لا قضاء على مسلم أسلم في دار الحرب ولم يصل مدة لجهله بوجوبها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴، ص ۳۰، مادة "قضاء الفوائت")

فالعلم بوجوبها حال الفوات شرط لوجوب قضائها، حتى أن الحربي إذا أسلم في دار الحرب ومكث فيها سنة ولم يعلم أن عليه الصلاة فلم يصل ثم علم -لا يجب عليه قضاؤها في قول أصحابنا الثلاثة وقال زفر :عليه قضاؤها (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج۱، ص۱۳۵، كتاب الصلاة، فصل شرائط اركان الصلاة)

افراد کی طرف سے بھی نماز کی فرضیت کی خبر پہنچنا مکلّف ہونے کے لئے کافی ہے۔ [1]

اس لئے اس طرح کے ممالک میں کوئی شخص اسلام لے آئے، تو وہ اسلام لاتے ہی حنفیہ کے نزدیک بھی نماز کا مکلّف ہوجائے گا، اور اگر اس نے نماز کی فرضیت کا علم حاصل نہ کیا، تب بھی اس پر نماز فرض ہوجائے گی۔

استقبالِ قبلہ کی فرضیت اور اس سے معذوری کا حکم

جب مریض یا معذور شخص قبلہ کی طرف رخ کرنے پر قادر نہ ہو اور نہ کوئی قبلہ کی طرف رخ کرانے والا میسر ہو یا کوئی میسر تو ہو، مگر وہ باوجود کہنے کے قبلہ کی طرف رخ نہ کرائے یا وہ اس کام کا غیر معمولی معاوضہ طلب کرے، تو ایسی صورت میں قبلہ کی طرف رخ کئے بغیر جس

---

[1] ولمن فی دار الحرب بإخبار رجلین أو رجل وامرأتین، ولو مستورین أو واحد عدل وعندهما لا تشترط العدالة والبلوغ والحرية فيه (البحرالرائق، ج۲، ص ۳۳۱، کتاب الحج)

ولمن فی دار الحرب بإخبار رجلین أو رجل وامرأتین، ولو مستورین أو واحد عدل وعندهما لا تشترط العدالة والبلوغ والحرية فيه كذا فی البحر الرائق(الفتاوی الهندية، ج ۱ ص ۲۱۸، کتاب المناسک، الباب الاول)

فإن بلغه فی دار الحرب رجل واحد فعليه القضاء فيما يترک بعد ذلک فی قول أبی يوسف ومحمد، وهو إحدى الروايتين عن أبی حنيفة، وفی رواية الحسن عنه لا يلزمه ما لم يخبره رجلان أو رجل وامرأتان.

(وجه) هذه الرواية أن هذا خبر ملزم، ومن أصله اشتراط العدد فی الخبر الملزم، كما فی الحجر على المأذون، وعزل الوكيل، والإخبار بجناية العبد.

(وجه) الرواية الأخرى وهی الأصح أن كل واحد مأمور من صاحب الشرع بالتبليغ، قال النبی - صلى الله عليه وسلم :-ألا فليبلغ الشاهد الغائب وقال -صلى الله عليه وسلم :-نضر الله امرء ا سمع منا مقالة فوعاها كما سمعها ثم أداها إلى من لم يسمعها ، فهذا المبلغ نظير الرسول من المولى والموكل، وخبر الرسول هناک ملزم فههنا كذلک والله أعلم(بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، ج ۱، ص ۱۳۵، کتاب الصلاة، فصل شرائط ارکان الصلاة)

(قوله بالعلم) فإذا بلغه فی دار الحرب رجل واحد فعليه قضاء ما تركه بعده عندهما، وهو إحدى الروايتين عن الإمام وفی رواية الحسن عنه لا يلزمه حتى يخبره رجلان عدلان مسلمان أو رجل وامرأتان؛ وأما العدالة ففی المبسوط أنها شرط عندهما .وروى أبو جعفر فی غريب الرواية أنها غير شرط عندهما، حتى إذا أخبره رجل فاسق أو صبی أو امرأة أو عبد فإن الصلاة تلزمه تتارخانية(رد المحتار على الدر المختار، ج ۲، ص ۷۵، کتاب الصلاة)

Idara Ghufran

طرف ممکن ہو، رخ کر کے نماز پڑھنا درست ہوجاتا ہے۔

البتہ اگر قبلہ کی طرف خود رخ کرنا ممکن ہو اور کوئی ضرر لاحق نہ ہوتا ہو، یا دوسرے کی مدد لینی پڑتی ہو اور کوئی دوسرا رُخ کرانے والا میسر ہو، مگر دوسرے کو قبلہ کی طرف رُخ کرانے کو نہیں کہا، اور ویسے ہی نماز پڑھ لی، تو اس صورت میں بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک نماز درست نہیں ہوگی۔ [1]

---

[1] فإن كان يعرف القبلة ولكن لا يستطيع أن يتوجه إلى القبلة ولم يجد أحدا يحوله إلى القبلة فى ظاهر الرواية أنه يصلى كذلك ولا يعيد فإن وجد أحدا يحوله إلى القبلة ينبغى أن يأمره حتى يحوله فإن لم يأمره وصلى على غير القبلة لا يجوز(الفتاوىٰ الهندية، ج ا ص۱۳۷، كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر فى صلاة المريض)

عدم القدرة على استقبال المريض للقبلة:

المريض العاجز عن استقبال القبلة ولا يجد من يحوله إليها -لا متبرعا ولا بأجرة مثله وهو واجدها - فإنه يصلى على حسب حالته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۲۶۳ ،مادة"صلاة المريض")

أما من به عاهة أخرى كالمشلول ومن لا يستطيع مفارقة سريره لعاهة فى عينيه، أو لجرح فى جسده لو حرك لنزف، فإن هؤلاء ونحوهم إذا وجدوا من يوجههم إلى القبلة دون ضرر يلحق بهم وجب عليهم التوجه إلى القبلة، فلو صلوا إلى غير القبلة فى هذه الحالة بطلت صلاتهم وهذا باتفاق الفقهاء أما من لم يجد من يوجهه إلى القبلة، أو وجد ولكن لا يمكن تحويله إلى القبلة لعاهة تمنع من ذلك، يخشى عليه من الضرر إن تحرك سريره، فقد اختلف الفقهاء فيه على ثلاثة أقوال:

أولها :أنه يصلى على حالة ويعيد، وهو قول الشافعية، ومحمد بن مقاتل الرازى من الحنفية.

ودليلهم أن الله سبحانه أوجب التوجه إلى القبلة على العموم بقوله تعالى :(وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره) ولم يبح للمريض أن يترك استقبال القبلة بحال من الأحوال، فيلزمه أن يصلى على حسب حاله، وإذا وجد من يحوله إلى القبلة أعاد.

وثانيها :قول المالكية الذين يرون أن من هذه حاله ولا يستطيع التوجه إلى القبلة لا بنفسه ولا بمساعد صلى على حسب حاله، ويعيد إذا وجد من يحوله إلى جهة القبلة فى الوقت

وجاء فى المدونة فى المريض الذى لا يستطاع تحويله إلى القبلة لمرض به أو جرح أنه لا يصلى إلا إلى القبلة، ويحتال له فى -ذلك، فإن هو صلى إلى غير القبلة أعاد فى الوقت، وهو فى ذلك بمنزلة الصحيح.

ثالثها :قول الحنفية والحنابلة وهو :أن العاجز عن استقبال القبلة يصلى على حسب حاله، ولا يعيد صلاته ما دام لا يستطيع التحول إلى القبلة ولا يجد من يحوله إليها، نقله السرخسى عن ظاهر الرواية.

واستدل لذلك بأن التوجه إلى القبلة شرط جواز الصلاة، والقيام والقراء ة والركوع والسجود

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جو شخص خود سے قبلہ کی طرف رخ کرنے کی قدرت نہ رکھے، وہ معذور شمار ہوتا ہے، اور اسے دوسرے سے قبلہ کی طرف رخ کرانے کی مدد لینا ضروری نہیں ہوتا۔ لے

ملحوظ رہے کہ جو لوگ بیتُ اللہ کے سامنے نہ ہوں، بلکہ اس سے غائب اور دور ہوں، ان کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ أركان، ثم ما سقط عنه من الأركان بعذر المرض لا يجب عليه إعادة الصلاة، فكذلك ما سقط عنه من الشروط بعذر المرض لا يجب عليه إعادة الصلاة . ولقوله تعالى :(لا يكلف الله نفسا إلا وسعها .ولقوله صلى الله عليه وسلم :إذا أمرتكم بشيء فأتوا منه ما استطعتم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٩، ص ٢٤٤ و ٢٤٥، مادة"عاهة")

لے اگر کوئی ہسپتال میں ہے، جہاں باقاعدہ مریضوں کے لئے بیڈ بچھے ہوئے ہوتے ہیں، اور ان کا رخ تبدیل کرنا بآسانی ممکن نہیں ہوتا، یا وہاں کے قاعدہ وقانون کے مطابق اس کی اجازت نہیں ہوتی، ایسی صورت میں مریض کو جس طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی قدرت ہو، اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا درست ہو جائے گا "خصوصاً علیٰ قولِ ابی حنیفة"

ذهب الأئمة الأربعة إلى أن من به عذر حسي يمنعه من الاستقبال كالمريض، والمربوط يصلي على حسب حاله، ولو إلى غير القبلة، لأن الاستقبال شرط لصحة الصلاة وقد عجز عنه فأشبه القيام.

واشترط الشافعية، والصاحبان من الحنفية لسقوط القبلة عنه أن يعجز أيضا عمن يوجهه ولو بأجر المثل، كما استظهره .الشيخ إسماعيل النابلسي وابن عابدين .وبالنسبة لإعادة الصلاة فإن في ذلك خلافا تفصيله في مباحث الصلاة.

وأما أبو حنيفة فذهب إلى أنه لا يشترط ذلك، لأن القادر بقدرة غيره عاجز .وبقولهما جزم في المنية والمنح والدر والفتح بلا حكاية خلاف.

ولو وجد أجيرا بأجرة مثله فينبغي أن يلزمه استئجاره إذا كانت الأجرة دون نصف درهم، والظاهر أن المراد به أجرة المثل كما فسروه في التيمم .

أما من به عذر شرعي يمنعه من الاستقبال فقد تعرض الفقهاء للصور الآتية منه وهي:

الخوف على النفس، وذكره الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة، وذلك كالخوف من سبع وعدو، فله حينئذ أن يتوجه إلى أي جهة قدر عليها، ومثله الهارب من العدو راكبا يصلي على دابته.

وذكر الحنفية من صور العذر :الخوف من الانقطاع عن رفقته، لما في ذلك من الضرر.

وذكر الشافعية من ذلك :الاستيحاش وإن لم يتضرر بانقطاعه عن رفقته.

وذكر الحنفية والمالكية من الأعذار :الخوف من أن تتلوث ثيابه بالطين ونحوه لو نزل عن دابته.

واشترط الحنفية عجزه عن النزول، فإن قدر عليه نزل وصلى واقفا بالإيماء ، وإن قدر على القعود دون السجود أومأ قاعدا.

وعد الحنفية والشافعية من الأعذار :ما لو خاف على ماله -ملكا أو أمانة -لو نزل عن دابته.

وذكر الحنفية والشافعية من الأعذار :العجز عن الركوب فيمن احتاج في ركوبه بعد نزوله للصلاة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لئے اس سمت کا رخ کرنا کافی ہے، جس سمت میں بیتُ اللہ اور مسجدِ حرام واقع ہے۔

مثلاً مشرقی ممالک (ہندوستان وپاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ) کے لئے مغرب کی طرف رخ کر لینے سے قبلہ کی طرف رخ کرنے کا فریضہ ادا ہوجاتا ہے۔

البتہ جو لوگ بیتُ اللہ کے عین سامنے (مثلاً مطاف میں) کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے ہوں، انہیں عین کعبہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

اور فنِ ریاضی کے اصول سے چار جہات (مشرق ومغرب، شمال وجنوب) میں سے پوری ایک جہت جو کہ چوتھائی دائرہ کہلاتی ہے، اور وہ نوے درجات پر مشتمل ہوتی ہے، اس کی رُو سے بیت اللہ سے دائیں بائیں پینتالیس، پینتالیس درجے انحراف تک نماز درست ہوجاتی ہے۔ [1]

تکبیر کے لئے ہاتھ اٹھانے سے عاجز کا حکم

جو شخص نماز میں قرائت واذکار کے ادا کرنے پر تو قدرت رکھتا ہو، لیکن تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانے پر قدرت نہ رکھتا ہو، یا قدرت تو رکھتا ہو، مگر اسے سخت تکلیف پیش آتی ہو، یا مرض پیدا ہونے یا دیر سے ٹھیک ہونے کا اندیشہ ہو (مثلاً ہاتھ کا آپریشن ہوا ہو، یا پلستر چڑھا ہوا یا ہڈی ٹوٹی ہوئی ہونے کی وجہ سے ہاتھ کو اوپر اٹھانا مشکل ہو) تو اس کو نماز کے لئے زبان سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إلى معين ولا يجده، كأن كانت الدابة جموحا، أو كان هو ضعيفا فله ألا ينزل .

ومن الأعذار :الخوف وقت التحام القتال، فقد اتفقت المذاهب الأربعة على أن يسقط شرط الاستقبال فى حال المسايفة وقت التحام الصفوف فى شدة الخوف إذا عجز المصلى عنه .ولمعرفة ماهية هذا القتال، وما يلحق به، ووقت صلاته، وإعادتها حين الأمن(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴ص ۷۴، مادة "استقبال")

[1] ثم انه قدر تلك السعة فى الجهة بقدر ربع الدائرة وصرحوا بفساد صلاة من خرج عن مقدار الربع واذن يتحمل الانحراف فى الجهة عن الكعبة نفسها نحو خمس واربعين درجة كماحققهٔ الغزالى وغيره من المحققين ونظرا الىٰ تعريف الفقهاء (معارف السنن ج۳ص۳۷۷، باب ماجاء ان مابين المشرق والمغرب قبلة)

Idara Ghufran

صرف تکبیر کہنے پر اکتفاء کرنا اور ہاتھ نہ اٹھانا جائز ہے۔
اور اگر ایک ہاتھ اٹھانا ممکن ہو، مگر دوسرا ہاتھ اٹھانا ممکن نہ ہو، یا مذکورہ تفصیل کے مطابق تکلیف یا بیماری لاحق ہوتی ہو، تو ایسی صورت میں صرف ایک ہاتھ اٹھانے پر اکتفاء کرنا بھی جائز ہے۔ [1]

نماز کے بعض حصہ میں قادر اور بعض حصہ میں عاجز کا حکم

اگر کوئی شخص قیام پر قادر نہیں تھا، جس کی وجہ سے وہ بیٹھ کر فرض نماز پڑھ رہا تھا، پھر وہ نماز ہی کے دوران قیام پر قادر ہو گیا، تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اسے فرض نماز کا باقی حصہ کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری ہے۔ [2]
اور اگر کھڑے ہو کر فرض نماز پڑھ رہا تھا، پھر نماز کے دوران کھڑے ہونے پر قادر نہ رہا، مثلاً

---

[1] عدم القدرة على رفع اليدين فى التكبير عند القيام أو غيره:
يستحب رفع اليدين مع تكبيرة الإحرام حذو منكبيه؛ لما ورد عن ابن عمر -رضى الله عنهما -أن النبى صلى الله عليه وسلم كان إذا افتتح الصلاة رفع يديه حذو منكبيه، وإذا كبر للركوع، وإذا رفع رأسه من الركوع فإن لم يمكنه رفعهما، أو أمكنه رفع إحداهما، أو رفعهما إلى ما دون المنكب رفع ما أمكنه لقوله صلى الله عليه وسلم :إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم.
فإن كان به علة إذا رفع اليد جاوز المنكب رفع؛ لأنه يأتى بالمأمور به وزيادة هو مغلوب عليها .
ويجوز للمريض غير القادر على أداء ركن من أركان الصلاة الاتكاء على شيء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷،ص ۲۶۱،مادة"صلاة المريض")

[2] صور العجز والمشقة:
عدم القدرة على القيام:
القيام ركن فى الصلاة المفروضة لما ورد عن عمران بن حصين -أنه قال :-كانت بى بواسير، فسألت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فقال :صل قائما، فإن لم تستطع فقاعدا، فإن لم تستطع فعلى جنبك فإن عجز عن القيام صلى قاعدا؛ للحديث المذكور؛ ولأن الطاعة بحسب الطاقة.
فإن صلى مع الإمام قائما بعض الصلاة، وفتر فى بعضها فصلى جالسا صحت صلاته .
ومن صلى قاعدا يركع ويسجد ثم برء بنى على صلاته قائما عند الحنفية، والحنابلة ، وجاز عند المالكية أن يقوم ببعض الصلاة ثم يصلى على قدر طاقته ثم يرجع فيقوم ببعضها الآخر، وكذلك الجلوس إن تقوس ظهره حتى صار كأنه راكع، رفع رأسه فى موضع القيام على قدر طاقته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷،ص ۲۶۰،مادة"صلاة المريض")

Idara Ghufran

چکر آنے لگے، یا کوئی اور وجہ پیش آ گئی، تو فقہائے کرام کے نزدیک اس کو بیٹھ کر نماز پوری کرنا جائز ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی بیٹھ کر فرض نماز پڑھ رہا تھا، پھر نماز کے دوران بیٹھنے سے عاجز ہو گیا، تو اس کو لیٹ کر نماز پوری کرنا جائز ہوتا ہے۔ [1]

اور اگر کوئی رکوع وسجدہ اشارہ سے کر کے نماز پڑھ رہا تھا، پھر وہ نماز کے دوران باقاعدہ رکوع وسجدہ پر قادر ہو گیا، تو حنفیہ میں سے امام زفر اور دیگر فقہائے کرام کے نزدیک اس صورت میں بھی اس کو باقی نماز حسبِ قدرت ادا کر کے پڑھنا جائز ہے، کیونکہ اس کو جس وقت جس طرح کی قدرت حاصل ہو، وہ اس وقت اسی کا مکلّف ہوتا ہے۔

مگر امام زفر کے علاوہ دیگر حنفیہ کے نزدیک اس کو یہ نماز نئے سرے سے پڑھنے کا حکم ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] العجز المؤقت :قد يعجز المريض بعض الوقت عن قيام، أو قعود، أو ركوع، أو سجود، ثم يستطيعه بعد ذلك .فالجمهور على أنه يجوز أن يؤدى صلاته بقدر طاقته، ويرجع إلى ما يستطيعه بعد ذلك، فلو افتتح الصلاة قائما ثم عجز فقعد وأتم صلاته جاز له ذلك .وإن افتتحها قاعدا ثم قدر على القيام قام وأتم صلاته؛ لأنه يجوز أن يؤدى جميع صلاته قاعدا عند العجز، وجميعها قائما عند القدرة، فجاز أن يؤدى بعضها قاعدا عند العجز وبعضها قائما عند القدرة.

وإن افتتح الصلاة قاعدا ثم عجز اضطجع، وإن افتتحها مضطجعا ثم قدر على القيام أو القعود قام أو قعد (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص ۲۶۴، و ۲۶۵ مادة"صلاة المريض")

المسألة الرابعة :من كان عاجزا فقدر أو كان قادرا فعجز فى أثناء الصلاة:

ذهب جمهور الفقهاء إلى أن من كان عاجزا فاستطاع فى أثناء الصلاة، أو كان مستطيعا فعجز، صلى كل حسب الحالة التى صار إليها، والله أولى بعذره وأعلم، فمن كان عاجزا عن القيام ثم استطاعه انتقل إليه وبنى على ما مضى من صلاته، ولا يستأنفها، وكذلك من كان قادرا على القيام ثم عجز عنه فى أثناء صلاته انتقل إلى الجلوس، وبنى على ما مضى من صلاته، والله أعلم به وبحاله التى صار إليها ، لأنه يجوز أن يؤدى صلاته كلها قاعدا عند العجز، ويؤديها جميعا قائما عند القدرة، فتأخذ كل حالة حكمها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۲۴۸، مادة"عاهة")

[2] وذهب الحنفية إلى التفرقة بين صور ثلاث فى الحكم:

أولاها :إن صلى الصحيح بعض صلاته قائما، ثم حدث به مرض يتمها قاعدا، يركع ويسجد أو يومء إن لم يقدر، أو مستلقيا إن لم يقدر، لأنه بناء الأدنى على الأعلى، فصار كالاقتداء ، فيبنى على ما مضى من صلاته۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

جس کو لباس میسر نہ ہو، اس کی نماز کا حکم

نماز میں مرد اور عورت دونوں کو ستر وشرمگاہ کا چھپانا اور اس کا پردہ کرنا ضروری ہے۔

لیکن جس کو ستر چھپانے کے لئے لباس میسر نہ ہو، مثلاً وہ کسی ایسی جگہ ہو، جہاں لباس میسر نہیں ہو، یا اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ جانے کی وجہ سے لباس موجود نہ رہا ہو، تو اس سے نماز معاف نہیں ہوتی، اور اسے اسی حال میں نماز پڑھنے کا حکم ہوتا ہے۔

البتہ ایسا شخص کس طریقہ سے نماز پڑھے گا؟ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنے میں اختیار ہے۔

اگر وہ بیٹھ کر نماز پڑھے، تو اس کے لئے بیٹھے بیٹھے رکوع اور سجدہ کو اشارہ سے کرنا افضل ہے، اگرچہ مکمل رکوع وسجدہ کرنا بھی جائز ہے۔

اور اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے، تو حنفیہ کے نزدیک اسے رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرنا چاہئے، کیونکہ اس میں اس کی شرمگاہ کا زیادہ پردہ پایا جاتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وثانيتها :من صلى قاعدا يركع ويسجد لمرض، ثم صح، بنى على صلاته قائما عند أبى حنيفة وأبى يوسف، وقال محمد بن الحسن استقبل.

وثالثتها :إن صلى بعض صلاته بإيماء ، ثم قدر على الركوع والسجود، استأنف عند الثلاثة، لأنه لا يجوز اقتداء الراكع بالموميء، فكذا البناء .

أما زفر فجوزه بناء على أصله من تجويز اقتداء الراكع بالموميء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۹، ص ۲۴۸، مادة "عاهة")

لو صلى بعض صلاته بإيماء ثم قدر على الركوع والسجود يستأنف الصلاة وذكر الشراح أن ذلك باتفاق أئمتنا الثلاثة خلافا لزفر وأن هذا الخلاف مبنى على الخلاف فى جواز اقتداء الراكع الساجد بالموميء فعندنا لا يجوز الاقتداء فكذا البناء هنا، وعند زفر يجوز(ردالمحتار، ج ۱ ص ۲۰۹، ۲۱۰، كتاب الصلاة، باب الاستخلاف)

[1] اتفق الفقهاء على أن الصلاة لا تسقط عمن عدم الساتر للعورة، واختلفوا فى كيفية صلاته؟ فذهب الحنفية والحنابلة إلى أنه مخير بين أن يصلى قاعدا أو قائما، فإن صلى قاعدا فالأفضل أن يومىء بالركوع والسجود؛ لما روى ابن عمر -رضى الله تعالى عنهما " :-أن قوما انكسرت بهم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک مذکورہ شخص کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے، اور اس کو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں، اور ان میں سے بعض حضرات کے نزدیک اس کو نماز میں با قاعدہ رکوع وسجدہ کرنا بھی ضروری ہے۔ [1]

پھر بعد میں جب ایسے شخص کو لباس میسر آ جائے، تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو برہنہ حالت میں پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کرنا ضروری ہوتا ہے، اور امام محمد اور امام ابو یوسف اور شافعیہ کے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

مركبهم، فخرجوا عراة .قال :يصلون جلوسا، يومئون إيماء برء وسهم فإن ركع وسجد جاز له ذلك .وعند الحنفية يكون قعوده كما في الصلاة فيفترش الرجل وتتورك المرأة، وعند الحنابلة يتضام، وذلك بأن يقيم إحدى فخذيه على الأخرى؛ لأنه أقل كشفا.

وإن صلى قائما فإنه يومء كذلك بالركوع والسجود عند الحنفية؛ لأن الستر أهم من أداء الأركان، لأنه فرض في الصلاة وخارجها، والأركان فرائض الصلاة لا غير، وقد أتى ببدلها، وقال الحنابلة: إذا صلى قائما لزمه أن يركع ويسجد بالأرض(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص ١٣٠، مادة"مبطلات الصلاة")

ذهب الحنفية والحنابلة إلى أن من لم يجد ثوبا يستر به عورته صلى عريانا قاعدا يومء بالركوع والسجود، ويجعل السجود أخفض من الركوع ، وإن صلى قائما أو جالسا وركع وسجد بالأرض جاز له ذلك إلا أن الأول أفضل؛ لأن الستر وجب لحق الصلاة وحق الناس (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠ص ٦٩، مادة " عريان")

[1] وذهب المالكية والشافعية إلى أنه يصلى قائما، ولا يجوز له أن يجلس .وتجب عليه الإعادة في الوقت عند المالكية، وقال الشافعية والحنابلة :لا إعادة عليه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص ١٣٠ ،مادة"مبطلات الصلاة")

ما اختلف فيه كالعارى هل يصلى قائما؟ ويتم الركوع والسجود محافظة على الأركان، أو يصلى قاعدا موميا محافظة على ستر العورة، أو يتخير بينهما؟ والأصح الأول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٨ ص ٢٢، مادة "حق")

لو لم يكن فرضه الإيماء بأن كان قادرا على الركوع والسجود فإنه يصلى عريانا قائما راكعا ساجدا (حاشية العدوى على شرح مختصر خليل للخرشي، ج ١ ص ٢٤٥، باب الوقت المختار، فصل في حكم ستر العورة وصفة الساتر)

وأما المصلى عريانا لعدم السترة ففي كيفية صلاته قولان أصحهما وأشهرهما تجب الصلاة قائما بإتمام الركوع والسجود والثاني يصلى قاعدا فعلى هذا هل يتم الركوع والسجود أم يقتصر على أدنى الجبهة من الأرض فيه قولان وحكى إمام الحرمين والغزالي وجها أنه يتخير بين القيام والقعود (المجموع شرح المهذب ، ج٢ ص ٣٣٥، فصل في حكم الصلوات المأمور بهن في الوقت مع خلل للضرورة)

Idara Ghufran

اصح قول اور حنابلہ کے راجح قول کے مطابق اس کو برہنہ حالت میں پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کرنا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ برہنہ حالت میں پڑھی گئی نماز کافی اور معتبر ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ اس وقت جس چیز کے مطابق مکلّف تھا، اس نے اس کے مطابق عمل کرلیا، پھر نماز کے لوٹانے کی ضرورت نہیں، اور یہی قول دلیل کے اعتبار سے زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔ [۱]

جس کو پاک وحلال لباس میسر نہ ہو، اس کی نماز کا حکم

اگر کسی کو لباس میسر ہے، لیکن وہ ناپاک ہے، یا اس کا پہننا حرام ہے، جیسا کہ مرد کو ریشم کا لباس، اور اس کے علاوہ اس وقت دوسرا لباس میسر نہیں، مثلاً کوئی جنگل یا سفر میں ہے، اور لباس ناپاک ہونے کی صورت میں پاک کرنے کا انتظام نہیں، تو حنفیہ سمیت اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس کو اسی لباس میں نماز پڑھنا جائز بلکہ ضروری ہے، اور برہنہ حالت میں نماز پڑھنا یا پاک وحلال لباس کے انتظار میں نماز کو قضاء کر دینا جائز نہیں۔ [۲]

---

[۱] هل يعيد العريان إذا وجد ساترا بعد الصلاة؟إذا صلى العاجز عن ستر العورة عريانا، ثم وجد ما يسترها به من الثياب ونحوها فهل يعيد الصلاة أم لا؟ للفقهاء فيه اتجاهان:
الأول :يعيد الصلاة، وهذا مذهب أبی حنيفة، وبه قال المازری من المالكية، وقال :هو المذهب عندهم، وهو مقابل الأصح عند الشافعية، ونقل البهوتی عن الرعاية :أنه هو الأقيس عند الحنابلة.
الثانی :تمت صلاته ولا يعيدها، وهذا قول الصاحبين من الحنفية وابن القاسم من المالكية، وهو الأصح عند الشافعية، والظاهر من مذهب الحنابلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰، ص ۷۱، مادة"عريان")

[۲] وذهب جمهور الفقهاء -الحنفية والمالكية والحنابلة -إلى أنه إذا لم يجد عادم الستر إلا ثوب حرير، أو ثوبا نجسا وجب عليه لبسه، ولا يصلی عاريا؛ لأن فرض الستر أقوى من منع لبس الحرير والنجس فی هذه الحالة، ويعيد فی الوقت عند المالكية، وقال الحنابلة .لا يعيد إذا صلى فی ثوب حرير؛ لأنه مأذون فی لبسه فی بعض الأحوال كالحكة والبرد، ويعيد إذا صلى فی ثوب نجس. وفرق الشافعية بين الثوب الحرير والثوب النجس، فإذا لم يجد المصلی إلا ثوبا نجسا، ولم يقدر على غسله فإنه يصلی عاريا ولا يلبسه، وإذا وجد حريرا وجب عليه أن يصلی فيه؛ لأنه طاهر يسقط الفرض به، وإنما يحرم فی غير محل الضرورة، وتجب عليه الإعادة إذا صلى فی ثوب نجس .
واختلفوا فی وجوب التطين إذا لم يجد إلا الطين، كما أن عند الفقهاء تفصيلا فيما إذا لم يجد إلا ما يستر به أحد فرجيه أيهما يستر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص ۱۳۰، مادة"مبطلات الصلاة")

Idaraghufran

کسی رکن کی ادائیگی سے حدث لاحق ہوتا ہو، تو کیا حکم ہے؟

اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ اسے نماز کا کوئی مخصوص رکن ادا کرنے کی وجہ سے حدث لاحق ہوجاتا ہے، مثلاً اگر وہ سجدہ کرتا ہے، تو پیشاب کا قطرہ برآمد ہوجاتا ہے، یا ریح خارج ہوجاتی ہے، تو مشائخِ حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص سے نماز کے اس رکن کی ادائیگی معاف ہوجاتی ہے، اور اسے وہ رکن اشارہ سے ادا کرنا جائز ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] مشائخِ حنفیہ نے اس اصول کو بیان کرتے وقت زخم سے خون یا مواد بہنے کی مثال کو بھی ذکر کیا ہے، اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اشارہ سے نماز کی ادائیگی فی الجملہ مشروع ہے، جیسا کہ چلتی سواری پر نفل نماز پڑھنا، لیکن بغیر وضو کے نماز پڑھنا مشروع نہیں۔

مگر اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اگر اس پر غور کیا جائے کہ غیر سبیلین سے خون یا مواد نکلنے سے وضو ٹوٹنے یا حدث لاحق ہونے کا مسئلہ مختلف فیہ ومجتہد فیہ ہے، اور اس کے برعکس ارکان کی ادائیگی مختلف فیہ ومجتہد فیہ نہیں، اب اگر کوئی غیر سبیلین سے خون یا مواد نکلنے کے باوجود وضو کئے بغیر نماز پڑھتا ہے، تو وہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اور کم مقدار میں نکلے تو حنابلہ کے نزدیک بھی نماز کی صحیح ادائیگی کرنے والا شمار ہوتا ہے، جبکہ کسی رکن پر ادائیگی پر قادر شخص کے اس رکن کو ترک کر کے نماز پڑھنے والا کسی کے نزدیک بھی نماز کی صحیح ادائیگی کرنے والا شمار نہیں ہوتا، اور بعض کے نزدیک رکن کی ادائیگی اہون ہے، بہ نسبت اس کے کہ کسی کے نزدیک بھی رکن کی ادائیگی معتبر نہ ہو، تو اس اصول کی بناء پر غیر سبیلین سے خون یا مواد نکلنے کی صورت میں اس رکن کے ترک کرنے کا حکم لگانا بظاہر راجح معلوم نہیں ہوتا، البتہ پیشاب یا ریح کے خروج کی صورت میں یہ حکم لگانا درست معلوم ہوتا ہے، اس وجہ سے متن میں بھی اسی مثال پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

جہاں تک سواری پر اشارہ سے نماز کی مشروعیت کا تعلق ہے، تو یہ مشروعیت سواری کے ساتھ ساتھ تطوع کے ساتھ خاص ہے، اور فرائض کو اس پر قیاس کرنا درست معلوم نہیں ہوتا، اور ما نحن فیہ والا مسئلہ فرائض اور سواری کے علاوہ عام حالات سے متعلق ہے۔ محمد رضوان۔

ولو كان جريح لو سجد سال جرحه وإن لم يسجد لم يسل فإنه يصلي قاعدا موميًا؛ لأن ترك السجود أهون من الصلاة مع الحدث، ألا ترى أن ترك السجود جائز حالة الاختيار في التطوع على الدابة ومع الحدث لا يجوز بحال(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج ا ،ص ۲۸۹،باب شروط الصلاة)

وكذا من يسيل جرحه لو سجد .وقد يتحتم القعود كمن يسيل جرحه إذا قام أو يسلس بوله أو يبدو ربع عورته أو يضعف عن القراء ة أصلا أو عن صوم رمضان، ولو أضعفه عن القيام الخروج لجماعة صلى في بيته قائما به يفتى خلافا للأشباه(الدر المختار)

(قوله وكذا) أي يندب إيماؤه قاعدا مع جواز إيمائه قائما لعجزه عن السجود حكما لأنه لو سجد لزم فوات الطهارة بلا خلف، ولو أومأ كان الإيماء خلفا عن السجود.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مریض کے نماز میں رونے اور کراہنے کا حکم

اگر کسی مریض کو نماز کے دوران تکلیف، دُکھ، درد وغیرہ کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر رونا آ جائے، یا کراہنے کی آواز مثلاً آہ یا اُوہ یا اُف نکل جائے، تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

لیکن اگر اسے اس کے روکنے پر قدرت واختیار حاصل ہو، مگر وہ اپنے اختیار سے رونے اور کراہنے کو نہ روکے، تو اگر رونے اور کراہنے سے کم از کم دو حروف کی آواز نکل جائے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے، اور اس سے کم مثلاً ایک حرف کی آواز نکلے، تو نماز نہیں ٹوٹتی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قوله وقد يتحتم القعود إلخ) أى يلزمه الإيماء قاعدا لخلفيته عن القيام الذى عجز عنه حكما إذ لو قام لزم فوت الطهارة أو الستر أو القراءة أو الصوم بلا خلف، حتى لو لم يقدر على الإيماء قاعدا كما كان بحال لو صلى قاعدا يسيل بوله أو جرحه، ولو صلى مستلقيا لا يسيل منه شىء فإنه يصلى قائما بركوع وسجود كما نص عليه فى المنية .قال شارحها لأن الصلاة بالاستلقاء لا تجوز بلا عذر كالصلاة مع الحدث فيترجح ما فيه الإتيان بالأركان .وعن محمد أنه يصلى مضطجعا ولا إعادة فى شىء مما تقدم إجماعا .اهـ.(رد المحتار على الدر المختار، ج ۱، ص ۴۴۶، باب صفة الصلاة)

لو سجد سال من خراجه شىء فتصير صلاته بغير طهارة، ولو لم يسجد كانت صلاته بطهارة ولكن من غير سجود.

قلنا :الصلاة مع الحدث لم تشرع فى حالة الاختيار بحال، فأما الصلاة قاعدا وبإيماء مشروع فى حالة الاختيار، حتى أن المتنفل إذا صلى قاعدا أو على الدابة بإيماء جاز، فكان ترك السجود أهون من تحمل الحدث، وقد عرف أن من ابتلى ببليتين يختار أهونهما(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج ۲، ص ۱۵۱، كتاب الصلاة، الفصل الحادى والثلاثون فى صلاة المريض)

[1] ذهب الحنفية والشافعية إلى أن الأنين (وهو قول :أه بالقصر) والتأوه (وهو قول :آه بالمد) والبكاء ونحوه إن ظهر به حرفان بطلت الصلاة .

واستثنى الحنفية المريض الذى لا يملك نفسه فلا تبطل صلاته بالأنين والتأوه والتأفيف والبكاء ، وإن حصل حروف للضرورة.

قال أبو يوسف :إن كان الأنين من وجع، مما يمكن الامتناع عنه يقطع الصلاة، وإن كان مما لا يمكن لا يقطع، وعن محمد إن كان المرض خفيفا يقطع، وإلا فلا؛ لأنه لا يمكنه القعود إلا بالأنين.

قال ابن عابدين :لكن ينبغى تقييده بما إذا لم يتكلف إخراج حروف زائدة، كما استثنى الحنفية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

مریض کے نماز میں کھانسنے کا حکم

اگر کسی مریض کو غیر اختیاری طور پر نماز میں کھانسی آئے، تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

اور اگر کوئی شخص بغیر عذر کے نماز میں کھانسے، اور اس کھانسنے سے کم از کم دو حروف کی آواز نکلے، تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور اگر اس سے کم مثلاً ایک حرف کی آواز نکلے، تو نماز فاسد نہیں ہوتی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

البكاء من خوف الآخرة وذكر الجنة والنار فإنه لا تفسد به الصلاة، لدلالته على الخشوع .فلو أعجبته قراءة الإمام فجعل يبكى ويقول :بلى أو نعم لا تفسد صلاته، قال ابن عابدين نقلا عن الكافى :لأن الأنين ونحوه إذا كان بذكرهما صار كأنه قال :اللهم إنى أسألك الجنة وأعوذ بك من النار، ولو صرح به لا تفسد صلاته، وإن كان من وجع أو مصيبة صار كأنه يقول :أنا مصاب فعزونى ولو صرح به تفسد.

ولم يفرق الشافعية بين أن يكون البكاء من خوف الآخرة أم لا فى بطلان الصلاة.

وذهب المالكية إلى جواز الأنين لأجل وجع غلبه، والبكاء لأجل الخشوع، سواء كان قليلا أو كثيرا، فإن لم يكن الأنين والبكاء من غلبة فيفرق بين عمده وسهوه، قليله وكثيره، فالعمد مبطل مطلقا قل أو كثر، والسهو يبطل إن كان كثيرا ويسجد له إن قل .قال الدردير :وهذا فى البكاء الممدود وهو ما كان بصوت، وأما المقصور، وهو ما كان بلا صوت فلا يضر ولو اختيارا ما لم يكثر.

ومثل المالكية مذهب الحنابلة فصرحوا بعدم بطلان الصلاة بالبكاء خشية من الله تعالى؛ لكونه غير داخل فى وسعه، ومثله ما لو غلبه نحو سعال وعطاس وتثاؤب وبكاء، ولو بان منه حرفان، قال مهنا: صليت إلى جنب أبى عبد الله فتثاء ب خمس مرات وسمعت لتثاؤبه :هاه، هاه .وذلك لأنه لا ينسب إليه ولا يتعلق به حكم من أحكام الكلام .تقول :تثاء بت، على تفاعلت، ولا تقل :تثاوبت، إلا أنه يكره استدعاء بكاء وضحك لئلا يظهر حرفان فتبطل صلاته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧ص ١٢١،١٢٢، مادة "صلاة")

[1] اگر نماز کے دوران کوئی امام اپنی آواز کو بلغم وغیرہ اٹکنے پر صاف کرنے یا قرائت کی اصلاح کے لئے کھانسے، تو حنفیہ کے نزدیک اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

وذهب جمهور الفقهاء -الحنفية والشافعية والحنابلة -إلى أن التنحنح (هو أن يقول أح بالفتح والضم) لغير عذر مبطل للصلاة إن ظهر حرفان، فإن كان لعذر نشأ من طبعه، أو غلبه فلا تفسد صلاته .قال الحنفية :ومثله ما لو فعله لغرض صحيح، كتحسين الصوت؛ لأنه يفعله لإصلاح القراء ة،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نماز میں سو جانے پر وضو ٹوٹنے کا حکم

اگر کوئی شخص نماز میں قیام کی حالت میں یا رکوع کی حالت میں یا مرد کے لئے بیان کردہ مسنون قعدہ کی حالت میں یا مرد کے لئے بیان کردہ مسنون سجدہ کی حالت میں سوئے، تو ان حالتوں میں سونے سے حنفیہ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومن الغرض الصحيح ما لو فعله ليهتدى إمامه إلى الصواب، أو للإعلام أنه فى الصلاة، قال ابن عابدين :والقياس الفساد فى الكل إلا فى المدفوع إليه كما هو قول أبى حنيفة ومحمد؛ لأنه كلام، والكلام مفسد على كل حال، وكأنهم عدلوا بذلك عن القياس وصححوا عدم الفساد به إذا كان لغرض صحيح لوجود نص، ولعله ما فى الحلية من سنن ابن ماجه عن علي -رضى الله تعالى عنه - قال :كان لى من رسول الله صلى الله عليه وسلم مدخلان :مدخل بالليل ومدخل بالنهار، فكنت إذا أتيته وهو يصلى يتنحنح لى .

وبمثل هذا صرح الحنابلة فأجازوا النحنحة لحاجة ولو بان حرفان .قال المروذى :كنت آتى أبا عبد الله فيتنحنح فى صلاته لأعلم أنه يصلى.

وذهب الشافعية إلى أنه إنما يعذر من التنحنح وغيره :كالسعال والعطاس اليسير عرفا للغلبة، وإن ظهر به حرفان لعدم التقصير، وكذا التنحنح لتعذر القراء ة الواجبة وغيرها من الأركان القولية للضرورة، أما إذا كثر التنحنح ونحوه للغلبة كأن ظهر منه حرفان من ذلك وكثر فإن صلاته تبطل، وصوب الإسنوى عدم البطلان فى التنحنح والسعال والعطاس للغلبة وإن كثرت إذ لا يمكن الاحتراز عنها.

قال الخطيب الشربينى :وينبغى أن يكون محل الأول ما إذا لم يصر السعال ونحوه مرضا ملازما له، أما إذا صار السعال ونحوه كذلك فإنه لا يضر كمن به سلس بول ونحوه بل أولى .ولا يعذر لو تنحنح للجهر وإن كان يسيرا؛ لأن الجهر سنة، لا ضرورة إلى التنحنح له،وفى معنى الجهر سائر السنن.

قال الخطيب الشربينى :لو جهل بطلانها بالتنحنح مع علمه بتحريم الكلام فمعذور لخفاء حكمه على العوام.

وذهب المالكية إلى أن التنحنح لحاجة لا يبطل الصلاة، ولا سجود فيه من غير خلاف، وأما التنحنح لغير حاجة، بل عبثا ففيه خلاف، والصحيح أنه لا تبطل به الصلاة -أيضا -ولا سجود فيه، وهو أحد قولى مالك وأخذ به ابن القاسم واختاره الأبهرى واللخمى وخليل.

والقول الثانى لمالك :أنه كالكلام، فيفرق بين العمد والسهو .وفسر ابن عاشر الحاجة بضرورة الطبع، وقيدوا عدم بطلان الصلاة بالتنحنح لغير الحاجة بما إذا قل وإلا أبطل؛ لأنه فعل كثير من غير جنس الصلاة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن اگر سجدہ میں اس طرح سوئے کہ اپنے پیٹ یا کہنیوں کو زمین پر ٹیک لے، جس طرح کہ عموماً عورتیں سجدہ کرتی ہیں، تو اس طرح سجدہ میں سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ [1]

جس کو قرأت نہ آتی ہو، اس کی نماز کا حکم

جس کو سورہ فاتحہ اور قرآن مجید کی کوئی دوسری سورت یا آیات یاد نہ ہوں، یا یادداشت ختم ہوگئی ہو، تو اسے پھر بھی نماز پڑھنا ضروری ہے، اور اس کو جتنی قرائت یاد ہو، اتنی ہی قرائت کر لینی چاہئے، اور اگر قرآن مجید کی کوئی آیت بھی یاد نہ ہو، تو حنفی فقہاء کے نزدیک یاد ہونے تک اس کو قرائت کرنا معاف ہوجاتا ہے، اور بعض دیگر فقہاء کے نزدیک اسے جب تک قرائت یا سورہ فاتحہ یاد نہ ہو، اس وقت تک درود شریف یا اللہ کا ذکر (مثلاً اللہ اکبر، سبحان اللہ، الحمدللہ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ، یا لا الٰہ الا اللہ وغیرہ) جو بھی آتا ہو، وہ پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔

لیکن اس کو سورہ فاتحہ اور دوسری سورت یا آیات کو جلد از جلد یاد کرنے کی کوشش کرنا بہرحال

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وصرح المالكية ببطلان الصلاة بتعمد النفخ بالفم وإن لم يظهر منه حرف .قال الدسوقي :وسواء كان كثيرا أو قليلا، ظهر معه حرف أم لا؛ لأنه كالكلام في الصلاة.

وهذا هو المشهور .وقيل :إنه لا يبطل مطلقا .وقيل :إن ظهر منه حرف أبطل وإلا فلا .أما النفخ بالأنف فلا تبطل به الصلاة ما لم يكثر أو يقصد عبثا .قال الدسوقي :فإن كان عبثا جرى على الأفعال الكثيرة؛ لأنه فعل من غير جنس الصلاة.

وقيد الحنابلة بطلان الصلاة بالنفخ فيما إذا بان حرفان لقول ابن عباس -رضي الله تعالى عنهما "- من نفخ في صلاته فقد تكلم وروي نحوه عن أبي هريرة -رضي الله عنه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷ ص۱۲۲، ۱۲۳، مادة "صلاة")

[1] واختلفت عباراتهم في كيفية النوم الناقض للوضوء :

فقال الحنفية :النوم الناقض هو ما كان مضطجعا أو متكئا أو مستندا إلى شيء لو أزيل منه لسقط، لأن الاضطجاع سبب لاسترخاء المفاصل فلا يعرى عن خروج شيء عادة، والثابت عادة كالمتيقن .والاتكاء يزيل مسكة اليقظة، لزوال المقعدة عن الأرض .بخلاف النوم حالة القيام والقعود والركوع والسجود في الصلاة وغيرها، لأن بعض الاستمساك باق، إذ لو زال لسقط، فلم يتم الاسترخاء(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۱۱۵، مادة "حدث")

www.idaraghufran.org

سب کے نزدیک ضروری ہوتا ہے، بشرطیکہ اس کی قدرت ہو۔ [1]

جس کو مسنون دعائے قنوت یاد نہ ہو، اس کا حکم

اگر کسی کو مسنون دعائے قنوت پوری یاد نہیں ہے، تو جتنی یاد ہے اتنی پڑھ لینی چاہئے، اور اگر بالکل یاد نہیں تو اس کی جگہ یہ دعاء پڑھ لینی چاہئے:

---

[1] صلاة الأمي:

الأمي الذى لا يحسن قراء ة الفاتحة، ويحسن قراء ة آية منها ويريد الصلاة، قال البعض :إنه يكرر هذا الذى يحسنه سبع مرات، ليكون بمنزلة سبع آيات الفاتحة، وقال آخرون :لا يكرره.

وإن كان لا يحسن الفاتحة ويحسن غيرها، قرأ ما يحسنه من القرآن الكريم.

فإن كان لا يحسن شيئا واجتهد آناء الليل والنهار فلم يقدر على التعلم، قال أبو حنيفة وبعض المالكية :يصلى دون أن يقرأ شيئا لا من القرآن ولا من الأذكار .وقال الشافعي وأحمد بن حنبل وبعض المالكية :يصلي ويحمد الله تعالى ويهلله ويكبره بدل القراء ة، لما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :إذا قمت إلى الصلاة فإن كان معك قرآن فاقرأ به، وإلا فاحمده وهلله وكبره (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص ٢٧٠، مادة "امى")

اتفق الفقهاء الذين يرون أن قراء ة الفاتحة فى الصلاة ركن من أركان الصلاة على وجوب قراء ة الفاتحة على كل مكلف يستطيع ذلك، فإن لم يستطع قراء تها فيلزمه كسب القدرة إما بالتعلم أو التوسل إلى مصحف يقرؤها منه،سواء قدر عليه بالشراء أو الاستئجار أو الاستعارة، فإن كان بالليل أو كان فى ظلمة فعليه تحصيل الإضاء ة، فلو امتنع عن ذلك مع الإمكان فعليه إعادة كل صلاة صلاها إلى أن يقدر على قراء تها من حفظه، أو من مصحف، أو عن طريق التلقين.

ويرى الشافعية والحنابلة أنه تتعين قراء ة الفاتحة فى كل ركعة من الصلاة إلا ركعة مسبوق، فإن جهل المصلى الفاتحة وضاق الوقت عن تعلمها فسبع آيات، فإن عجز أتى بذكر، فإن لم يحسن شيئا وقف قدر الفاتحة .

وذهب المالكية فى المختار عندهم إلى أن القراء ة تسقط عمن عجز عنها، واختار ابن سحنون أن يبدل الذكر بذلك.

وذهب الحنفية وهو رواية عن أحمد إلى أنه تجزء قراء ة آية طويلة أو ثلاث آيات قصار من القرآن فى الصلاة من أى موضع كان، وأن الفاتحة لا تتعين، وأنه يفرض عينا على كل واحد من المكلفين بعينه حفظ آية من القرآن الكريم لتكون صلاته صحيحة، كما ذهب الحنفية إلى وجوب حفظ الفاتحة وسورة أخرى على كل واحد من المكلفين، لأن قراء ة الفاتحة فى الصلاة عند الحنفية من واجباتها وليست من أركانها، وكذلك السورة وإن كانت أقصر سور القرآن أو ما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص ٣٢٢و٣٢٣، مادة "حفظ")

www.idaraghufran.org

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

یا ’’ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ‘‘ تین مرتبہ پڑھ لینی چاہیے۔

یا پھر چند مرتبہ’’ یَارَبِّ‘‘ پڑھ لینا چاہیے۔

یا کوئی اور مسنون یا قرآنی دعاء جو بھی یاد ہو، وہ پڑھ لینی چاہیے۔

لیکن جلد از جلد اسے مسنون دعائے قنوت یاد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ [1]

بیماری میں صحت کے زمانہ کی نمازیں قضاء کرنے کا حکم

جو شخص بیماری یا معذوری کی وجہ سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو، تو اس کو جس

---

[1] ومن لا يحسن القنوت يقول (ربنا آتنا فی الدنيا حسنة) الآية وقال أبو الليث يقول : اللهم اغفر لی يكررها ثلاثا، وقيل يقول :يـا رب ثلاثا، ذكره فی الذخيرة اهـ (ردالمحتار، ج۲ ص۷، باب الوتر والنوافل)

ومن لا يحسن القنوت بالعربية أو لا يحفظه ففيه ثلاثة أقوال مختارة قيل يقول يا رب ثلاث مرات ثم يركع وقيل يقول اللهم اغفر لی ثلاث مرات وقيل اللهم ربنا آتنا فی الدنيا حسنة وفی الآخرة حسنة وقـنـا عـذاب الـنـار والظاهر أن الاختلاف فی الأفضلية لا فی الجواز وأن الأخير أفضل لشموله وأن التـقـيـيـد بـمـن لا يـحـسـن العربية ليس بشرط بل يجوز لمن يعرف الدعاء المعروف أن يقتصر على واحـد مـمـا ذكـر لـمـا علمت أن ظاهر الرواية عدم توقيته (البحرالرائق، ج۲ ص۴۵، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل)

ومن لا يقدر على هذا يقول :الـلهم اغفر لی ثلاثا وهو اختيار الإمام أبی الليث أو يقول :اللهم (ربنا آتـنـا فـی الـدنـيـا حسـنـة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار) كما فی معراج الدراية (مـجمع الانهر، ج ا ص ۱۲۹ ، باب الوتر والنوافل)

ومن لا يحسن دعاء القنوت قال المرغينانی :يقول على وجه الاستحباب اللهم اغفر لی ثلاثا.

وفی "الواقعات "و "الذخيرة :"اللهم اغفر لنا ثلاثا أو أكثر، وقيل :يقول يا رب ثلاثا ذكره فی " الذخيرة "، وقيل :يـقـول ربـنـا آتنا فی الدنيا حسنة وفی الآخرة حسنة، وهو اختيار بعض المشايخ (البناية شرح الهداية، ج۲ ص ۵۰۴، باب صلاة الوتر)

ومن لا يحسن القنوت يقول ربنا آتنا فی الدنيا حسنة إلخ قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى يقول اللهم اغفر لی ويكرر ثلاثاً(فتاویٰ قاضيخان، كتاب الصلاة)

قال النووی :واعـلـم أن الـقـنـوت لا يتعين فيه دعاء على المذهب المختار، فأی دعاء دعا به حصل الـقـنـوت، ولـو قنت بآية أو آيات من القرآن العزيز، وهی مشتملة على الدعاء حصل القنوت ولكن الأفضل ما جاء ت به السنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴، ص ۶۰، مادة” قنوت“)

Idara Ghufran

طرح حسبِ قدرت بیٹھ کر یا لیٹ کر ادا نمازیں پڑھنا جائز ہے، اسی طرح اس کو حسبِ قدرت قضاء نمازیں پڑھنا بھی جائز ہے، اگرچہ وہ نمازیں صحت کے زمانہ کی ذمہ میں قضاء ہوں، جبکہ وہ کھڑے ہو کر مکمل طریقہ پر نماز پڑھنے پر قادر تھا، اس لئے اگر کوئی بیماری میں مبتلا ہو، تو اسے فارغ وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قضاء نمازوں کو ادا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

اوراس کے برعکس اگر کسی کی بیماری یا معذوری کی نمازیں قضاء ہوگئی ہوں، جبکہ وہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنے پر قادر نہیں تھا، اور پھر وہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنے پر قادر ہوگیا، اوراب وہ بیماری یا معذوری کے زمانہ کی نمازیں قضاء کرنا چاہتا ہے، تو اس کو اب کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر جس طرح سے قدرت حاصل ہو چکی ہے، اس کے مطابق نماز پڑھنا ضروری ہوگا۔ [1]

نماز شروع کر کے توڑنے کا حکم

فرض اور واجب نماز کو شروع کرنے کے بعد بغیر شرعی عذر کے توڑ دینا جائز نہیں۔

اوراگر شرعی عذر ہو، مثلاً سانپ کو قتل کرنے، یا کسی کو پانی میں ڈوبنے یا آگ میں جلنے یا کسی اور طرح سے ہلاکت میں مبتلا ہونے سے بچانے یا مال کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے فرض نماز توڑی جائے، تو جائز ہے۔

اور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک نفل وسنت نماز کو بھی بغیر شرعی عذر کے توڑنا جائز نہیں، جبکہ شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک سنت ونفل نماز شروع کر کے پوری کرنے سے پہلے بغیر عذر کے توڑ

---

[1] وإن قضى المريض فوائت الصحة فى المرض، قضاها كما قدر قاعدا أو مومئا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٦، ص٣٥٧، مادة "مرض")

يفعلها المريض قاعدا إذا فاتت عن زمن الصحة (رد المحتار، ج٢، ص ١٣٥، باب صلاة المسافر)

وإنما يقضى المريض بالإيماء ما فاته فى الصحة بالركوع والسجود لئلا يلزم تكليف ما ليس فى الوسع، ويقضى الصحيح بالركوع والسجود ما فاته فى المرض بالإيماء ، لأن الرخصة للعجز، ولا تبقى بدونه(شرح النقاية، ج ١، ص ٢٧٨، كتاب الصلاة)

www.idaraghufran.org

دینا جائز ہے، مگر بہتر نہیں۔ ۱؎

نماز شروع کر کے توڑ دینے پر قضاء کا حکم

اگر کوئی فرض یا واجب نماز شروع کر کے توڑ دے، تو اپنی شرائط کے ساتھ اس نماز کو قضاء کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ۲؎

۱؎ قطع العبادة الواجبة بعد الشروع فيها بلا مسوغ شرعى غير جائز باتفاق الفقهاء ، لأن قطعها بلا مسوغ شرعى عبث يتنافى مع حرمة العبادة، وورد النهى عن إفساد العبادة، قال تعالى :(ولا تبطلوا أعمالكم) أما قطعها بمسوغ شرعى فمشروع، فتقطع الصلاة لقتل حية ونحوها للأمر بقتلها، وخوف ضياع مال له قيمة له أو لغيره، ولإغاثة ملهوف، وتنبيه غافل أو نائم قصدت إليه نحو حية، ولا يمكن تنبيهه بتسبيح، ويقطع الصوم لإنقاذ غريق، وخوف على نفس، أو رضيع .

أما قطع التطوع بعد الشروع فيه فقد اختلف الفقهاء فى حكمه فقال الحنفية والمالكية :لا يجوز قطعه بعد الشروع بلا عذر كالفرض ويجب إتمامه، لأنه عبادة، ويلزم بالشروع فيه، ولا يجوز إبطاله، لأنه عبادة .وقال الشافعية والحنابلة :يجوز قطع التطوع، عدا الحج والعمرة، لحديث المتنفل أمير نفسه ولكن يستحب إتمامه، أما الحج والعمرة فيجب إتمامهما، وإن فسدا إذا شرع فيهما، لأن نفلهما كفرضهما (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴ص ۵۱، ۵۲، مادة "قطع")

قال الحصكفى :يجب قطع الصلاة لإغاثة ملهوف وغريق وحريق ويقول ابن عابدين :المصلى متى سمع أحدا يستغيث وإن لم يقصده بالنداء ، أو كان أجنبيا وإن لم يعلم ما حل به، أو علم وكان له قدرة على إغاثته قطع الصلاة فرضا كانت أو غيره .

وفى الجملة يجب إغاثة المضطر بإنقاذه من كل ما يعرضه للهلاک من غرق أو حرق، فإن كان قادرا على ذلک دون غيره وجبت الإعانة عليه وجوبا عينيا، وإن كان ثم غيره كان ذلک واجبا كفائيا على القادرين، فإن قام به أحد سقط عن الباقين وإلا أثموا جميعا وهذا محل اتفاق بين الفقهاء(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۸ص ۱۸۹، ۱۹۰، مادة "ضرر")

قطع الصلاة لإنقاذ غريق :إغاثة الغريق والعمل على إنجائه من الغرق واجب على كل مسلم متى استطاع ذلک، يقول الفقهاء :يجب قطع الصلاة لإغاثة غريق إذا قدر على ذلک، سواء أكانت الصلاة فرضا أم نفلا، وسواء استغاث الغريق بالمصلى أو لم يعين أحدا فى استغاثته، حتى ولو ضاق وقت الصلاة؛ لأن الصلاة يمكن تداركها بالقضاء بخلاف الغريق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۱ص ۱۸۳، مادة "غرقى")

۲؎ لا خلاف بين الفقهاء فى أن من أفسد عبادة مفروضة وجب عليه أداؤها إن كان وقتها يسعها كالصلاة، أو القضاء إن خرج الوقت أو كان لا يسعها كالصلاة إن خرج الوقت، وكالصيام والحج لعدم اتساع الوقت(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۱، ص ۱۱۴، تدارک من أفسد عبادة شرع فيها من صلاة أو صوم أو حج، مادة "تدارک")

Idara Ghufran

لیکن اگر سنت ونفل نماز شروع کر کے توڑ دے، تو اس کی ادائیگی کے لازم ہونے نہ ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک نماز کے اہل (یعنی عاقل، بالغ، مسلمان) شخص کے نفل وسنت نماز شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتی ہے، اور اس کو درمیان میں فاسد کر دینے سے دوبارہ پڑھنا ضروری ہو جاتا ہے۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک سنت ونفل نماز شروع کرنے کے بعد وہ لازم نہیں ہوتی، البتہ اس کو پورا کرنا بہتر ومستحب ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی پورا کرنے سے پہلے درمیان میں فاسد کر دے، تو اس کی تلافی واجب ولازم نہیں ہوتی، اور وہ تلافی نہ کرے، تو ان حضرات کے نزدیک وہ گناہ گار نہیں ہوتا۔ [1]

نماز یا اس کی رکعتوں میں بار بار بھول ہونے کا حکم

جس شخص کو بھول ہو جانے کی وجہ سے وقت پر نماز پڑھنا یاد نہ رہے، تو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ جب اسے یاد آئے، اسی وقت اس نماز کو پڑھ لے۔

---

[1] أما التطوع بالعبادة فإنها تلزم بالشروع فيه عند الحنفية والمالكية، وتجب إتمامها، وعند الشافعية والحنابلة :لا تجب بالشروع، ويستحب الإتمام فيما عدا الحج والعمرة فيلزمان بالشروع، ويجب إتمامهما، وعلى ذلک فمن دخل فی عبادة تطوع وأفسدها وجب عليه قضاؤها عند الحنفية والمالكية لقوله تعالى :(ولا تبطلوا أعمالكم) ولا يجب القضاء عند الشافعية والحنابلة فی غير الحج والعمرة لما روت عائشة رضی الله تعالى عنها قالت :دخل علی رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال :هل عندک شیء ؟ فقلت :لا، فقال :إنی إذا أصوم، ثم دخل علی يوما آخر فقال : هل عندک شیء ؟ فقلت :نعم، فقال :إذا أفطر، وإن كنت قد فرضت الصوم.

أما الحج والعمرة فيجب قضاؤهما إذا أفسدهما؛ لأن الوصول إليهما لا يحصل فی الغالب إلا بعد كلفة عظيمة، ولهذا يجبان بالشروع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۱، ص ۱۱۴، تدارک من أفسد عبادة شرع فيها من صلاة أو صوم أو حج، مادة "تدارک")

يلزم النفل بالشروع فيه -عند الحنفية والمالكية -لقوله تعالى :(ولا تبطلوا أعمالكم)ولأن ما أداه صار لله تعالى فوجب صيانته بلزوم الباقی.

وعند الشافعية والحنابلة لا يلزم؛ لأنه مخير فيما لم يفعل بعد، فله إبطال ما أداه تبعا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۱۵۷، مادة " صلاة التطوع" الشروع فی صلاة التطوع)

چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذٰلِكَ (صحیح مسلم) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نماز کو بھول گیا (خواہ جاگتے ہوئے یا سوتے رہ جانے کی وجہ سے) تو اسے چاہئے کہ جب اسے نماز یاد آئے (اور نیند سے بیدار ہو) تو اسی وقت اس نماز کو پڑھ لے، اس کا کفارہ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے (مسلم)

اور یہ حکم اس صورت میں بھی ہے جبکہ وقت کے اندر یاد آجائے، اور اس صورت میں بھی ہے، جبکہ وقت گزرنے اور زیادہ دیر بعد بلکہ کچھ عرصہ کے بعد یاد آئے۔ [۲]

اور اگر کوئی شخص نماز کی پابندی اور اہتمام کرتا ہو، پھر اسے کسی وقت اس بات میں اشتباہ پیدا ہوجائے کہ اس نے فلاں وقت کی نماز پڑھی ہے یا نہیں پڑھی؟ تو اسے اپنے غالب گمان کے مطابق عمل کرنا چاہئے، اگر نماز پڑھ لینے کا غالب گمان ہو، تو نماز پڑھنے کا حکم لگایا جائے گا، اور اگر نماز نہ پڑھنے کا غالب گمان ہو، تو نماز نہ پڑھنے کا حکم لگایا جائے گا، اور اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم ہوگا۔ [۳]

لیکن اگر کسی طرف غالب گمان نہ ہو، یا اسے بڑھاپے یا بیماری وغیرہ کے باعث اس طرح کا

---

[۱] رقم الحدیث ۱۱۰۲، باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ واستحباب تعجیل قضائھا.

[۲] قولہ :(من نسی صلاۃ فلیصل إذا ذکرھا) أعم من أن یکون ذکرہ إیاھا بعد النسیان بعد شھر أو سنۃ أو أکثر من ذلک، وقیدہ بعشرین سنۃ للمبالغۃ، والمقصود أنہ لا یجب علیہ إلا إعادۃ الصلاۃ التی نسیھا خاصۃ فی أی وقت ذکرھا(عمدۃ القاری للعینی، ج۵ص۹۲، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب من نسی صلاۃ فلیصل إذا ذکرھا ولا یعید إلا تلک الصلاۃ)

[۳] الشک ھو التردد بین النقیضین بلا ترجیح لأحدھما علی الآخر عند الشاک

وقیل :الشک ما استوی طرفاہ، وھو الوقوف بین الشیئین لا یمیل القلب إلی أحدھما، فإذا ترجح أحدھما ولم یطرح الآخر فھو بمنزلۃ الیقین(الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ، ج۱۴ص۲۰۳، مادۃ "توھم")

www.idaraghufran.org

بار بار شک ہوجایا کرتا ہو، تو جس نماز کے پڑھنے نہ پڑھنے میں شک ہو، تو اگر یہ شک اس وقت پیدا ہوا، جبکہ ابھی اس نماز کا وقت باقی تھا، تو اس نماز کو دوبارہ پڑھنے کا حکم ہوگا، اور اگر اس نماز کا وقت گزر گیا ہو، اور پھر شک پیدا ہوا ہو، تو اس شک کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اور نماز کو دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں ہوگا۔ [1]

اور اگر کسی کو نماز کے کسی رکن کی ادائیگی میں شک ہو کہ اس نے وہ رکن ادا کیا ہے یا نہیں؟ تو اگر اس رکن سے اگلے یا بعد کے رکن میں یہ شک ہوا، مثلاً سجدہ میں جا کر یہ شک ہوا کہ اس نے رکوع کیا ہے یا نہیں کیا؟ تو اس شک کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ [2]

اسی طرح اگر نماز ختم کرنے کے بعد یہ شک ہوا کہ اس نے پوری رکعتیں پڑھی ہیں یا نہیں؟ تو

---

[1] وإذا شک فی صلاة أنه صلاها أم لا فإن كان فی الوقت أن يعيد لأن سبب الوجوب قائم وإنما لا يعمل هذا السبب بشرط الأداء قبله وفيه شک وإن خرج الوقت ثم شک فلا شیء عليه لأن سبب الوجوب قد فات(البحر الرائق، ج۲ص۸۷، کتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت)

رجل شک فی صلاة أنه صلاها أم لا فإن كان فی الوقت فعليه أن يعيد وإن خرج الوقت ثم شک فلا شیء عليه، كذا فی المحيط(الفتاویٰ الهندية، ج۱ص۱۳۰، کتاب الصلاة، الباب الثانی عشر)

فروع :شک فی صلاته أنه صلاها أم لا، فإن كان فی الوقت يعيد، ولو شک خارج الوقت لا يعيدها(البناية شرح الهداية، ج۲ص۶۳۴، کتاب الصلاة، باب سجود السهو)

لو شک أنه صلى أو لم يصل والوقت باق فإنه يجب عليه أن يصلی(تبيين الحقائق، ج۱ص۱۹۹، کتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

لو شک فی أصل الصلاة أنه صلى أو لم يصل وهو فی الوقت لزمه أن يصلی(المحيط البرهانی، ج۱ص۵۲۳، کتاب الصلاة، الفصل الثامن عشر فی مسائل الشک، وفی الاختلاف الواقع بين الإمام والقوم فی مقدار المؤدی)

وفی فتاوی أبی الليث رحمه الله :رجل شک فی صلاته أنه قد صلاها أم لا،وكان فی الوقت فعليه أن يعيد؛ لأن سبب الوجوب قائم، فإنما لا يعمل هذا السبب بشرط الأداء قبله، وفيه شک، وإن خرج الوقت ثم شک فلا شیء عليه؛ لأن سبب الوجوب قد فات، وإنما يجب القضاء .....عدم الأداء .....وفيه شک، وكذلک لو شک فی ركعة بعد الفراغ من الصلاة لا شیء عليه، وفی الصلاة يلزمه أداؤها(المحيط البرهانی، ج۱ص۵۲۵،۵۲۶، کتاب الصلاة، الفصل الثامن عشر فی مسائل الشک، وفی الاختلاف الواقع بين الإمام والقوم فی مقدار المؤدی)

[2] شک فی الركوع والسجود، وإن كان بعدما يأتی بهما وبعد الخروج منها، فالظاهر أنه لم يتركها(البناية شرح الهداية، ج۲ص۶۳۴، کتاب الصلاة، باب سجود السهو)

www.idaraghufran.org

اس کو اہمیت نہیں دی جائے گی، اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اپنی نماز کو درست اور صحیح سمجھا جائے گا۔ [1]

اور اگر نماز کے دوران ہی رکعتوں کی تعداد میں شک پیدا ہو جائے، اور اس کو اس طرح کا شک بار بار ہوتا ہو، تو غور کر کے جس پہلو کی طرف رُجحان زیادہ ہو، یعنی جتنی رکعت پڑھنے کا غالب گمان ہو، اس پر عمل کرنے کا حکم ہوگا، خواہ وہ تعداد کم ہو یا زیادہ۔ [2]

---

[1] إذا شک بعد الفراغ من الصلاة أو غيرها من العبادات فی ترک رکن منها، فإنه لا يلتفت إلى الشک، وإن كان الأصل عدم الإتيان به وعدم براءة الذمة، لكن الظاهر من فعل المكلفين للعبادات :أن تقع على وجه الكمال، فيرجح هذا الظاهر على الأصل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲، ص۱۹۵، مادة "تعارض")

وأما إذا وقع الشک بعد الفراغ من الصلاة بأن شک بعد السلام فی ذوات المثنى أنه صلى واحدة أو شک فی ذوات الأربع بعد السلام أنه صلى ثلاثاً أو أربعاً، أو فی ذوات الثلاث شک بعد الصلاة أنه صلى ثلاثاً أو ثنتين، فهذا عندنا على أنه أتم الصلاة حملاً لأمره على الصلاح، وهو الخروج عن الصلاة فی أولته ولو شک بعد ما فرغ من التشهد فی القعدة الأخيرة على نحو ما بينا، فكذلک الجواب عمل على أنه أتم صلاته هكذا روى عن محمد رحمه الله (المحيط البرهانی، ج۱، ص۵۲۴، وص۵۲۵، كتاب الصلاة، الفصل الثامن عشر فی مسائل الشک)

منها فلو شک بعد الفراغ منها أنه صلى ثلاثا أو أربعا لا شیء عليه ويجعل كأنه صلى أربعا حملا لأمره على الصلاح كذا فی المحيط والمراد بالفراغ منها الفراغ من أركانها سواء كان قبل السلام أو بعده كذا فی الخلاصة (البحر الرائق، ج۲، ص۱۱۷، كتاب الصلاة، باب سجود السهو)

[2] اور اگر پہلی مرتبہ اس طرح کا شک پیش آیا ہو، تو اس نماز کو دوبارہ پڑھنا چاہیے۔

(قوله وإن شک أنه كم صلى أول مرة استأنف وإن كثر تحرى وإلا أخذ بالأقل) لقوله -عليه الصلاة والسلام -إذا شک أحدكم فی صلاته فليستقبل بحمله على ما إذا كان أول شک عرض له توفيقا بينه وبين ما فی الصحيح مرفوعا إذا شک أحدكم فليتحر الصواب فليتم عليه بحمله على ما إذا كان الشک يعرض له كثيرا وبين ما رواه الترمذی مرفوعا إذا سها أحدكم فی صلاته فلم يدر واحدة صلى أو ثنتين فليبن على واحدة وإن لم يدر ثنتين صلى أو ثلاثا فليبن على ثنتين فإن لم يدر ثلاثا صلى أو أربعا فليبن على ثلاث وليسجد سجدتين قبل أن يسلم وصححه بحمله على ما إذا لم يكن له ظن فإنه يبنی على الأقل ويساعد هذا الجمع المعنى وهو أنه قادر على إسقاط ما عليه دون حرج لأن الحرج بإلزام الاستقبال إنما يلزم عند كثرة عروض الشک له (البحر الرائق، ج۲، ص۱۱۷، باب سجود السهو)

قال -رحمه الله -(وإن كثر تحرى) أی إن كثر شكه تحرى وأخذ بأكبر رأيه لقوله -عليه الصلاة والسلام -من شک فی صلاته فليتحر الصواب والتحری طلب الأحرى ولأنه يحرج بالإعادة فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

البتہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مذکورہ صورت میں اور حنفیہ کے نزدیک جب کسی پہلو کی طرف رجحان نہ ہو، تو کم والے پہلو کو اختیار کر کے ایک مزید رکعت پڑھی جائے گی، اور آخر میں سجدہ سہو بھی کیا جائے گا۔ [1]

نمازِ وتر کا وقت اور اس کی قضاء کا حکم

اکثر فقہائے کرام کے نزدیک نمازِ وتر کا وقت عشاء کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے، اور اس کا وقت طلوعِ فجر (یعنی انتہائے سحر) پر ختم ہوتا ہے، اس درمیان میں جب بھی وتر کی نماز پڑھ لی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ كل مرة لا سيما إذا كان موسوسا فلا يجب عليه دفعا للحرج فتعين التحرى قال -رحمه الله- (وإلا أخذ بالأقل) أى إن لم يكن له رأى بنى على الأقل لقوله -عليه الصلاة والسلام- من شك فى صلاته فلم يدر أثلاثا صلى أم أربعا بنى على الأقل؛ ولأن فى الإعادة حرجا على ما ذكرنا وقد انعدم الترجيح بالرأى فتعين البناء على اليقين حتى تبرأ ذمته بيقين ويقعد فى كل موضع يتوهم أنه آخر صلاته كى لا تبطل صلاته بترك القعدة، مثاله لو شك أنه صلى ثلاثا أم أربعا قعد قدر التشهد لاحتمال أنه صلى أربعا فيتم بالقعود ثم زاد ركعة أخرى لاحتمال أنه صلى ثلاثا، ولو شك أنه صلى ركعة أو ركعتين أو ثلاثا أو أربعا أو لم يصل شيئا قعد قدر التشهد لاحتمال أنه صلى أربعا، ثم صلى أربع ركعات يقعد فى كل ركعة منهن مقدار التشهد لما ذكرنا من الاحتمال (تبيين الحقائق، ج ۱، ص ۱۹۹، كتاب الصلاة، باب سجود السهو)

[1] إذا شك المصلى فى صلاته فلم يدر كم صلى أثلاثا أم أربعا، أو شك فى سجدة فلم يدر أسجدها أم لا، فإن الجمهور (المالكية والشافعية ورواية للحنابلة) ذهبوا إلى أنه يبنى على اليقين وهو الأقل، ويأتى بما شك فيه ويسجد للسهو. ودليلهم حديث أبى سعيد الخدرى -رضى الله عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا سها أحدكم فى صلاته فلم يدر واحدة صلى أو ثنتين فليبن على واحدة، فإن لم يدر ثنتين صلى أو ثلاثا فليبن على ثنتين، فإن لم يدر ثلاثا صلى أو أربعا فليبن على ثلاث، وليسجد سجدتين قبل أن يسلم. ولحديث إذا شك أحدكم فى صلاته فليلق الشك، وليبن على اليقين، فإذا استيقن التمام سجد سجدتين، فإن كانت صلاته تامة كانت الركعة نافلة والسجدتان، وإن كانت ناقصة كانت الركعة تماما لصلاته، وكانت السجدتان مرغمتى الشيطان (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۴ ص ۲۳۵ الىٰ ۲۳۷، مادة "سجود السهو")

واختلف فى المراد بالتحرى فقال الشافعية هو البناء على اليقين لا على الأغلب لأن الصلاة فى الذمة بيقين فلا تسقط إلا بيقين وقال بن حزم التحرى فى حديث بن مسعود يفسره حديث أبى سعيد يعنى الذى أخرجه مسلم بلفظ وإذا لم يدر أصلى ثلاثا أو أربعا فليطرح الشك وليبن على ما استيقن وروى سفيان فى جامعه عن عبد الله بن دينار عن بن عمر قال إذا شك أحدكم فى صلاته فليتوخ حتى يعلم أنه قد أتم انتهى (فتح البارى لابنِ حجر، ج ۳ ص ۹۵، قوله باب إذا صلى خمسا)

Idara Ghufran

www.idaraghufran.org

جائے، وہ ادا کہلاتی ہے۔ ۱

اور اگر وتر کی نماز اپنے وقت پر نہ پڑھی جاسکے، اور طلوعِ فجر (یا انتہائے سحر) ہو جائے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی قضاء واجب ہوتی ہے، خواہ کتنا وقت گزر جائے۔ ۲

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک وقت گزرنے یعنی طلوعِ فجر ہو جانے کے بعد وتر کی نماز کا پڑھنا مستحب اور بہتر ہوتا ہے، واجب نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی نماز سنت کہلاتی ہے۔ ۳

---

۱ أما الوتر :فقد ذهب أبو حنيفة إلى أن مبدأ وقت الوتر هو بعينه مبدأ وقت العشاء ، وهو مغيب الشفق الأبيض، إلا أنه لا يصلى الوتر قبل العشاء للترتيب اللازم بينهما .وذهب الصاحبان إلى أن مبدأ وقته بعد صلاة العشاء ، وهو مذهب جمهور الفقهاء .

استدل أبو حنيفة بدليل معقول، وهو أنه لو لم يصل العشاء حتى طلوع الفجر، لزمه قضاء الوتر والعشاء باتفاق، ولو كان وقته بعد صلاة العشاء لم يلزمه قضاء الوتر لأن لم يتحقق وقته؛ لأن وقته بعد صلاة العشاء ، وهو لم يصلها، ويستحيل أن تنشغل ذمته بصلاة الوتر بدون فعل العشاء ، فدل ذلک على أن وقته هو وقت العشاء .

واستدل الجمهور بقوله صلى الله عليه وسلم :إن الله زادكم صلاة، فصلوها فيما بين العشاء إلى صلاة الصبح :الوتر، الوتر وكلمة (بين) فی الحديث تدل على أن الوتر بعد العشاء .

والخلاف بين الجمهور وبين أبی حنيفة حقيقی، يظهر أثره فی حال ما إذا صلى العشاء بغير وضوء ناسيا، ثم توضأ وصلى الوتر، ثم تذكر أنه صلى العشاء بغير وضوء ، فعند أبی حنيفة يعيد العشاء دون الوتر؛ لأنه صلى العشاء بغير وضوء ، أما الوتر.

فلا يعيده؛ لأنه صلاه فی وقته بوضوء ، وعند الجمهور يعيد الوتر والعشاء .أما الوتر فلأنه صلاه فی غير وقته، وأما العشاء فلأنه صلاها بغير وضوء .

أما نهاية وقت الوتر فهو طلوع الفجر الصادق لا نعلم خلافا فی ذلک؛ لحديث :إن الله زادكم صلاة . . .الذی تقدم ذكره(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٧، ص ١٧٩ ، مادة "أوقات الصلاة")

۲ قضاء صلاة الوتر:

ذهب الحنفية إلى أن من طلع عليه الفجر ولم يصل الوتر يجب عليه قضاؤه، سواء أتركه عمدا أم نسيانا وإن طالت المدة، ومتى قضاه يقضيه بالقنوت .فلو صلى الصبح وهو ذاكر أنه لم يصل الوتر فصلاة الصبح فاسدة عند أبی حنيفة لوجوب الترتيب بين الوتر والفريضة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص ٣٠١، مادة "صلاة الوتر")

۳ ولا يقضى الوتر عند المالكية إذا تذكره بعد أن صلى الصبح .فإن تذكره فيها ندب له إن كان منفردا أن يقطعها ليصلى الوتر ما لم يخف خروج الوقت، وإن تذكره فی أثناء ركعتی الفجر فقيل :يقطعها كالصبح، وقيل :يتمها ثم يوتر۔﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

سنتِ مؤکدہ رکعتوں کی تعداد

فقہائے کرام کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ دن رات کی نمازوں کے ساتھ کتنی رکعتیں مؤکدہ درجہ کی سنت ہیں؟

بعض فقہاء دن رات میں دس رکعتوں کو تاکیدی سنت قرار دیتے ہیں۔

دو فجر سے پہلے، دو ظہر سے پہلے، دو ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد۔

لیکن احناف کے نزدیک دن رات کی نمازوں کے ساتھ تاکیدی سنتوں کی تعداد بارہ ہے۔

دو فجر سے پہلے، چار ظہر سے پہلے، دو ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد۔

پس اگر کوئی ظہر اور اسی طرح جمعہ سے پہلے چار کے بجائے دو رکعت پڑھے، تو حنفیہ کے نزدیک اس سے ظہر اور جمعہ سے پہلے کی سنتیں ادا نہیں ہوتیں، اور دیگر فقہائے کرام کے نزدیک ادا ہو جاتی ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذهب طاوس إلى أن الوتر يقضى ما لم تطلع الشمس .

وذهب الحنابلة إلى أنه يقضى الوتر إذا فات وقته، أى على سبيل الندب لقول النبى صلى الله عليه وسلم :من نام عن الوتر أو نسيه فليصله إذا أصبح أو ذكره قالوا :ويقضيه مع شفعه.

والصحيح عند الشافعية :أنه يستحب قضاء الوتر وهو المنصوص فى الجديد ويستحب القضاء أبدا لقول النبى صلى الله عليه وسلم :من نام عن صلاة أو نسيها فليصلها إذا ذكرها.

والقول الثانى :لا تقضى وهو نصه فى القديم(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص ٣٠١، مادة "صلاة الوتر")

[1] أ -السنن الرواتب من الصلوات:

وهى السنن التابعة للفرائض، ووقتها وقت المكتوبات التى تتبعها.

وقد اختلف الفقهاء فى مقاديرها.

فذهب جمهور العلماء إلى أن الرواتب المؤكدة عشر ركعات، ركعتان قبل الصبح، وركعتان قبل الظهر، وركعتان بعدها، وركعتان بعد المغرب، وركعتان بعد العشاء ؛ لما ورد عن ابن عمر رضى الله عنهما أنه قال :حفظت من النبى صلى الله عليه وسلم عشر ركعات :ركعتين قبل الظهر، وركعتين بعدها، وركعتين بعد المغرب فى بيته، وركعتين بعد العشاء فى بيته، وركعتين قبل الصبح،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز کے بعد بھی چار رکعتیں سنت ہیں۔

اورشافعیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز کے بعد دو رکعتیں سنت ہیں، اور اگر کوئی جمعہ سے پہلے چار رکعتیں اور جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھے، تو ان کے نزدیک یہ زیادہ اکمل وافضل ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وكانت ساعة لا يدخل على النبى صلى الله عليه وسلم فيها، حدثتنى حفصة رضى الله عنها أنه كان إذا أذن المؤذن وطلع الفجر صلى ركعتين.

وهناك أقوال مرجوحة عند المذاهب تذكر أربعا بعد الظهر، وأربعا قبل العصر، واثنتين قبل المغرب، وستا بعد المغرب، وأن لا راتبة بعد العشاء بلا حد.

والتفاصيل فى :(السنن الرواتب).

وذهب الحنفية إلى أن مقدارها اثنتا عشرة ركعة :ركعتان قبل صلاة الفجر، وأربع ركعات قبل صلاة الظهر -لا يسلم إلا فى آخرهن -وركعتان بعد صلاة الظهر، وركعتان بعد صلاة المغرب، وركعتان بعد صلاة العشاء.

لما روى عن عائشة رضى الله عنها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال :من ثابر على اثنتى عشرة ركعة بنى الله عز وجل له بيتا فى الجنة :أربعا قبل الظهر، وركعتين بعد الظهر، وركعتين بعد المغرب، وركعتين بعد العشاء ، وركعتين قبل الفجر. ولأن النبى صلى الله عليه وسلم واظب عليها ولم يترك شيئا منها إلا لعذر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۲ ص ۴۴، ۴۵، السنن الرواتب من الصلوات، مادة"راتب")

عن أم حبيبة وعائشة وأبى هريرة وأبى موسى الأشعرى وابن عمر رضى الله عنهم قالوا :(قال رسول الله (صلى الله عليه وسلم) ' : من ثابر على ثنتى عشرة ركعة فى اليوم والليلة بنى الله له بيتا فى الجنة :ركعتين قبل الفجر ، وأربعا قبل الظهر ، وركعتين بعدها ، وركعتين بعد المغرب ، وركعتين بعد العشاء 'فهذه مؤكدات لا ينبغى تركها (الاختيار لتعليل المختار، ج ۱ ص ۶۵، كتاب الصلاة، باب النوافل)

[1] اور مالکیہ اور حنابلہ کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔

اگر کوئی بیماری یا کسی عذر میں ظہر سے پہلے اور اسی طرح جمعہ سے پہلے دو رکعت سنت پڑھنے پر اکتفاء کرے، یا جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھنے پر اکتفاء کرے، تو غیر حنفیہ کے قول کے مطابق ان کو ظہر وجمعہ کی سنتوں میں شمار کر لینے کی گنجائش ہے۔ محمد رضوان۔

قال الحنفية والشافعية :تسن الصلاة قبل الجمعة وبعدها، فعند الحنفية :سنة الجمعة القبلية أربع، والسنة البعدية أربع كذلك، وقال الشافعية :أقل السنة ركعتان قبلها وركعتان بعدها، والأكمل أربع قبلها وأربع بعدها، لقوله صلى الله عليه وسلم :من كان منكم مصليا بعد الجمعة فليصل أربعا.

وقال المالكية والحنابلة :يصلى قبلها دون التقيد بعدد معين، على أن أكثر من قال بصلاة السنة يوم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

بیماری یا عذر میں سنتِ مؤکدہ کو ترک کرنے کا حکم

بغیر کسی بیماری یا معقول عذر کے سنتِ مؤکدہ نماز کو ترک کرنا مکروہ اور برا ہے، خاص طور پر جبکہ اس کی عادت بنالی جائے، تو گناہ لازم آنے کا غالب گمان ہے۔

لیکن اگر کسی بیماری یا معقول عذر کی وجہ سے اتفاقاً سنتِ مؤکدہ کو ترک کیا جائے، تو مکروہ اور برا نہیں۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الجمعة حملها على تحية المسجد، ومن كره صلاة السنة يوم الجمعة كرهها لأنها توافق وقت الاستواء غالبا، لكن لو تقدمت أو تأخرت بعد ذلك فلا شيء فيها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۲۷۸، و ۲۷۹، مادة "السنن الرواتب"، سنة الجمعة)

(وأقل السنة) الراتبة (بعدها) ، أي :الجمعة :(ركعتان) " لأنه -صلى الله عليه وسلم -كان يصلي بعد الجمعة ركعتين متفق عليه.

(وأكثرها) ، أي :السنة بعد الجمعة :(ست) ركعات نصا، لقول ابن عمر " :كان رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يفعله "رواه أبو داود .(ولا راتبة لها قبلها) نصا، (بل) يسن صلاة (أربع) ركعات، لما روى ابن ماجه أن النبي -صلى الله عليه وسلم -كان يركع من قبل الجمعة أربعا وروى سعيد عن ابن مسعود "أنه كان يصلي قبل الجمعة أربع ركعات وبعدها أربع ركعات "قال عبد الله :رأيت أبي يصلي في المسجد إذا أذن المؤذن أربع ركعات، (وتقدم) في باب صلاة التطوع(مطالب أولي النهى في شرح غاية المنتهى،لمصطفى بن سعد بن عبده الحنبلي،باب صلاة الجمعة)

فصل :فأما الصلاة قبل الجمعة، فلا أعلم فيه إلا ما روى ، أن النبي -صلى الله عليه وسلم -كان يركع من قبل الجمعة أربعا .أخرجه ابن ماجه .وروى عمرو بن سعيد بن العاص، عن أبيه، قال : كنت ألقى أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فإذا زالت الشمس قاموا فصلوا أربعا.

قال أبو بكر :كنا نكون مع حبيب بن أبي ثابت في الجمعة، فيقول :أزالت الشمس بعد؟ ويلتفت وينظر فإذا زالت الشمس، صلى الأربع التي قبل الجمعة.

وعن أبي عبيدة، عن عبد الله بن مسعود، أنه كان يصلي قبل الجمعة أربع ركعات، وبعدها أربع ركعات .رواه سعيد(المغني لابن قدامة، ج۲،ص۲۷۰، فصل الصلاة قبل الجمعة)

[۱] يرى جمهور الفقهاء استحباب المواظبة على السنن الرواتب .وذهب مالك في المشهور عنه :إلى أنه لا توقيت في ذلك حماية للفرائض، لكن لا يمنع من تطوع بما شاء إذا أمن ذلك. وصرح الحنفية أن تارك السنن الرواتب يستوجب إساءة وكراهية .وفسر ابن عابدين استيجاب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

البتہ فجر کی سنتوں کو حتی الامکان پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ۱

ترک شدہ سنتوں کی قضاء کا حکم

جن فرض نمازوں کے ساتھ والی سنت نمازوں کو وقت پر ادا نہ کیا جا سکے، اور وقت ختم ہو جائے تو اُن کے قضاء کرنے کا حکم نہیں رہتا۔

البتہ اگر فجر کی دو سنتیں رہ گئی ہوں، تو بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک اُن کو اس دن کے سورج طلوع ہونے کے بعد زوال ہونے سے پہلے پہلے پڑھ لینا چاہئے۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الإساءة بالتضليل واللوم .وقال صاحب كشف الأسرار :الإساءة دون الكراهة .وقال ابن نجيم :الإساءة أفحش من الكراهة .وفى التلويح :ترك السنة المؤكدة قريب من الحرام .وقال الحنابلة بكراهة ترك الرواتب بلا عذر هذا فى الحضر .وفى السفر يرى جمهور الفقهاء استحباب صلاة السنن الرواتب أيضا لكنها فى الحضر آكد(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۲۷۶، مادة "سنة" السنن الرواتب)

۱ اگر کوئی قاضی یا مفتی کسی وقت عملی طور پر لوگوں کے فیصلہ اور فتویٰ اور مسائل کے حل میں غیر معمولی مشغول ہو کہ جس کی وجہ سے وہ سنتِ مؤکدہ ادا نہ کر سکے، تو یہ بھی معقول عذر میں داخل ہے۔

قلت :لكن كونه سنة مؤكدة لا يستلزم الإثم بتركه مرة واحدة بلا عذر، فيتعين تقييد الترك بالاعتياد والإصرار توفيقا بين كلامهم كما قدمناه(رد المحتار، ج ۱، ص ۴۷۴، واجبات الصلاة)

ولا يجوز تركها لعالم صار مرجعا فى الفتاوى (بخلاف باقي السنن) فله تركها لحاجة الناس إلى فتواه(الدر المختار، ج۲، ص۱۵، باب الوتر و النوافل)

(قوله فله تركها إلخ) الظاهر أن معناه أنه يتركها وقت اشتغاله بالإفتاء لأجل حاجة الناس المجتمعين عليه، وينبغي أنه يصليها إذا فرغ فى الوقت .وظاهر التفرقة بين سنة الفجر وغيرها أنه ليس له ترك صلاة الجماعة لأنها من الشعائر، فهي آكد من سنة الفجر، ولذا يتركها لو خاف فوت الجماعة، وأفاد ط أنه ينبغي أن يكون القاضي وطالب العلم كذلك لا سيما المدرس.

أقول :فى المدرس نظر، بخلاف الطالب إذا خاف فوت الدرس أو بعضه تأمل(رد المحتار، ج۲، ص۱۵، باب الوتر و النوافل)

۲ اور فجر کی سنتیں ایک حیثیت سے رات کا وظیفہ ہے، اور رات کا وظیفہ رہ جانے کی صورت میں اس کی ظہر سے پہلے قضاء کر لینے پر رات کا ہی اجر وثواب بتلایا گیا ہے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک فجر کی متروکہ سنتوں کو فجر کی نماز کے بعد طلوعِ شمس سے پہلے پڑھنا بھی جائز ہے، اگرچہ خلافِ اولیٰ ہے؛ اور مختار وافضل اُن کے نزدیک بھی طلوعِ شمس کے بعد پڑھنا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر کوئی برکت حاصل کرنے اور عادت کو برقرار رکھنے کے لئے کسی وقت کی چھوٹی ہوئی عام سنتوں ونفلوں کی تلافی کے لئے کسی دوسرے وقت میں پڑھ لے، اور وہ مکروہ وقت بھی نہ ہو، تو اس میں بھی حرج نہیں، اگرچہ ان پر حقیقی قضاء کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وأما قضاء سنة الفجر إذا فاتت فعند الحنفية لا تقضى إلا إذا فاتت مع الفجر، وإذا فاتت وحدها فلا تقضى .وعند جمهور الفقهاء تقضى سواء فاتت وحدها أو مع الفجر .
واختلف في الوقت الذي يمتد إليه القضاء ، فعند الحنفية والمالكية :تقضى إلى الزوال، وعند الحنابلة إلى الضحى، وعند الشافعية تقضى أبدا .وهذا في الجملة .وينظر تفصيل ذلك في مكان آخر (ر :نفل. قضاء) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲،ص۳۳۷،وص ۳۳۸، ماده أداء)
فصل :فأما قضاء سنة الفجر بعدها فجائز، إلا أن أحمد اختار أن يقضيهما من الضحى، وقال :إن صلاهما بعد الفجر أجزأ، وأما أنا فأختار ذلك (المغني لابن قدامة، ج۲،ص ۸۹،كتاب الصلاة،باب الساعات التي نهي عن الصلاة فيها،فصل قضاء سنة الفجر بعدها)
پھر حنفیہ میں سے شیخین کے نزدیک تو فجر کی سنتوں کو طلوع کے بعد زوال تک صرف اس صورت میں قضا کیا جائے گا، جبکہ فرضوں کے ساتھ قضا ہوئی ہوں، جیسا کہ لیلۃ التعریس کے واقعہ میں ذکر پایا جاتا ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تنہا سنتیں رہ جانے کی صورت میں بھی طلوع کے بعد زوال تک قضا کیا جائے گا، مگر فرض نماز پڑھ لینے کے بعد فجر کی سنتوں کی اتنی تاکید باقی نہیں رہتی، جتنی فرض پڑھنے سے پہلے موجود ہوتی ہے (وهو الراجح عندنا، كما مر في الاحاديث والآثار الكثيرة القولية والفعلية)
مالکیہ کا بھی یہی موقف ہے، اور شافعیہ کے اظہر قول کے مطابق نوافلِ موقتہ کی قضا مستحب ہے، نہ کہ سننِ موقتہ کی، اور حنابلہ کے نزدیک فجر کی سنتوں کی تو بہر حال قضا ہے، خواہ کتنا ہی وقت کیوں نہ گزر گیا ہو، اور کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، اور دیگر مؤکدہ سنتوں کا بھی یہی حکم ہے، الا یہ کہ وہ زیادہ مقدار میں ہوں۔
قال الحنفية : السنن الرواتب عموما إذا فاتت فإنها لا تقضى، إلا سنة الفجر إذا فاتت مع الفريضة فإنها تقضى معها بعد ارتفاع الشمس، أما إذا فاتته وحدها فلا يقضيها قبل طلوع الشمس؛ لأنها من مطلق النفل، وهو مكروه بعد الصبح إلى أن ترتفع الشمس، ولم يثبت أنه صلى الله عليه وسلم أداهما في غير وقتهما على الانفراد، وإنما قضاهما تبعا للفرض غداة ليلة التعريس .وعند أبي حنيفة وأبي يوسف لا يقضيهما بعد ارتفاعها، وعند محمد بن الحسن أنه يقضيهما إلى وقت الزوال لفعله صلى الله عليه وسلم حيث قضاهما بعد ارتفاع الشمس غداة ليلة التعريس، وليلة التعريس كانت حين قفل النبي صلى الله عليه وسلم راجعا من غزوة خيبر.
وأما سنة الظهر القبلية إذا فاتت فإنها تؤدى بعد الفرض، وقد اختلف في تقديمها على السنة البعدية وتأخيرها عنها، فعند أبي حنيفة وأبي يوسف يؤديهما بعد السنة البعدية، وعند محمد يؤديهما قبل السنة البعدية.وأما بقية السنن الرواتب إذا فاتت مع فرائضها، فقد اختلف فيها فقهاء الحنفية، فقال بعضهم :لا تقضى تبعا كما لا تقضى قصدا، وهو الأصح .وقال البعض الآخر :تقضى تبعا للفرض بناء على جعل الوارد في قضاء سنة الفجر واردا في غيرها من السنن الفائتة مع فرائضها إلغاء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نمازی کے سامنے سے گزرنے کا حکم

نماز پڑھنے والے کے سامنے اگر کوئی سترہ وحائل موجود ہو، مثلاً دروازہ یا کوئی اور چیز ہو، تو اس نمازی کے سامنے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں، جبکہ اس سترہ وحائل کے آگے سے گزرے۔

اور اگر نمازی کے سامنے کوئی سترہ وحائل موجود نہ ہو، تو پھر بغیر مجبوری کے نمازی کے سامنے سے گزرنا منع ہے، بشرطیکہ اس کے سامنے قریب سے گزرے۔

اور اگر نمازی سے دور اور فاصلہ سے گزرے، تو پھر جائز ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾لخصوص المحل. وقد استدل أبو حنيفة وأبو يوسف على عدم قضاء سنة الفجر إذا فاتت وحدها :بأن السنة عموما لا تقضى لاختصاص القضاء بالواجب، لأن القضاء تسليم مثل ما وجب بالأمر .والحديث ورد في قضائها تبعا للفرض، فبقي ما وراء ه على الأصل، وإنما تقضى تبعا له .وهو لا يصلى بالجماعة أو وحده إلى وقت الزوال . وبالحديث الذي روته أم سلمة - رضي الله عنها -قالت :صلى النبي صلى الله عليه وسلم العصر، ثم دخل بيتي فصلى ركعتين، فقلت يا رسول الله صليت صلاة لم تكن تصليها؟ فقال :قدم علي مال فشغلني عن الركعتين كنت أركعهما بعد الظهر، فصليتهما الآن، فقلت :يا رسول الله، أفنقضيهما إذا فاتتا؟ فقال: لا.

وقال المالكية :لا يقضى من النوافل إلا سنة الفجر فقط، سواء كانت مع صلاة الصبح أم لا، ونقل عن بعضهم القول بحرمة قضاء النوافل ما عدا سنة الفجر.

وقال الشافعية في الأظهر من المذهب :يستحب قضاء النوافل المؤقتة، ومقابل الأظهر أن السنن المؤقتة لا تقضى إذا فاتت، لأنها نوافل، فهي تشبه النوافل غير المؤقتة، وهذه لا تقضى إذا فاتت. وفي قول ثالث للشافعية :إن لم يتبع النفل المؤقت غيره كالضحى قضي لشبهه بالفرض في الاستقلال، وإن تبع غيره كالرواتب فلا تقضى. واستدلوا للأظهر بعموم قوله صلى الله عليه وسلم : من نسي صلاة أو نام عنها فكفارتها أن يصليها إذا ذكرها ولقضائه صلى الله عليه وسلم سنة الفجر ليلة التعريس .ولقوله صلى الله عليه وسلم :من نام عن وتره أو نسيه فليصله إذا ذكره .وبحديث أم سلمة السابق.

وقال الحنابلة :تقضى السنن الرواتب الفائتة مع الفرائض إذا كانت قليلة، فإذا كانت كثيرة فالأولى تركها، إلا سنة الفجر فإنها تقضى ولو كثرت .واحتجوا لأولوية ترك ما كثر بفعل النبي صلى الله عليه وسلم يوم الخندق، لم ينقل عنه أنه صلى بين الفرائض المقضية؛ ولأن الاشتغال بالفرض أولى.قال الحنابلة :للزوجة والأجير -ولو خاصا -فعل السنن الرواتب مع الفرض لأنها تابعة له ولا يجوز منعهما من السنن لأن زمنها مستثنى شرعا كالفرائض (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص ۲۸۴، الیٰ ص ۲۸۶، مادة ”السنن الرواتب“ حكم قضائها اذا فات)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اب رہا یہ کہ گزرنے والے کے لئے قریب اور دور کی جگہ کتنے فاصلہ پر شمار کی جاتی ہے؟ تو اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک نمازی کے پیروں سے تین ذراع (یعنی ساڑھے چار فٹ) کی جگہ چھوڑ کر آگے سے گزرنا جائز ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک نمازی کے سجدہ والی جگہ سے ہٹ کر گزرنا، دور سے گزرنے میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز ہے، خواہ مسجد بڑی ہو یا چھوٹی، یا کوئی کھلی جگہ نماز پڑھ رہا ہو، اور حرج سے بچنے کے لئے اور دین میں یُسر کے زیادہ موافق یہی قول ہے، خصوصاً شہروں میں جہاں جگہ کی تنگی اور ہجوم کے زیادہ ہونے کے باعث گزرنے والوں کو دوسری جگہ میسر نہیں آتی، وہاں اس قول پر عمل کر لینا جائز ہے، اگرچہ اس سلسلہ میں اور بھی اقوال ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأمـا قضاء سنة الفجر إذا فاتت فعند الحنفية لا تقضى إلا إذا فاتت مع الفجر، وإذا فاتت وحدها فلا تقضى . وعـنـد جـمـهـور الفقهاء تقضى سواء فاتت وحدها أو مع الفجر . واختـلـف فى الوقت الذى يـمتـد إليه القضاء ، فعند الحنفية والمالكية : تـقـضى إلى الزوال، وعند الحنابلة إلى الضحى، وعند الشـافعية تقضى أبدا . وهذا فى الجملة . ويـنـظـر تفصيل ذلک فى مكان آخر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢، ص ٣٣٨، مادة "أداء" ،تأخير الأداء عن وقت الوجوب)

(قوله ولا يقضيها إلا بطريق التبعية إلخ) أى لا يقضى سنة الفجر إلا إذا فاتت مع الفجر فيقضيها تبعا لـقضائه لو قبل الزوال؛ وما إذا فاتت وحدها فلا تقضى قبل طلوع الشمس بالإجماع، لكراهة النفل بعد الصبح . وأما بـعـد طلوع الشمس فكذلک عندهما . وقال محمد : أحـب إلى أن يقضيها إلى الزوال كما فى الدرر . قيـل هذا قريب من الاتفاق لأن قوله أحب إلى دليل على أنه لو لم يفعل لا لوم عليه . وقالا : لا يـقـضـى، وإن قـضـى فـلا بـأس به، كذا فى الخبازية؛ ومنهم من حقق الخلاف وقال الـخـلاف فـى أنـه لـو قـضـى كان نفلا مبتدأ أو سنة، كذا فى العناية يعنى نفلا عندهما سنة عنده كما ذكره فى الكافى إسماعيل (ردالمحتار، ج ٢، ص ٥٧، كتاب الصلاة، باب إدراک الفريضة)

ومـحمد يقول أحب إلى أن يقضى وإن لم يفعل لا شىء عليه (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ج ١، ص ٤٥٣، باب ادراک الفريضة)

[1] جس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نمازی کو اپنے سامنے سے گزرنے والے کو ہاتھ سے روکنے کا حکم ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہاتھ، سجدہ کی جگہ سے زیادہ دور پہنچنا ممکن نہیں، اس لئے گزرنے کا عدمِ جواز بھی اس حد تک ہونا چاہئے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری دوسری کتاب "نماز کے فضائل واحکام"

اور مذکورہ حکم اس صورت میں ہے، جبکہ گزرنے والا مجبور نہ ہو، اور اگر گزرنے والا مجبور ہو، مثلاً اسے ضروری کام سے کہیں جانا ہے، اور نمازی کے سامنے قریب کے علاوہ گزرنے کی کوئی اور جگہ میسر نہ ہو، تو ایسی صورت میں نمازی کے سامنے قریب سے گزرنے والا گناہ گار نہیں ہوتا۔ نیز اگر کسی شخص نے راستہ میں نماز کی نیت باندھی ہوئی ہو، جو لوگوں کی گزرگاہ ہو، تو وہاں بھی گزرنے والے گناہ گار نہیں ہوتے، اور ایسی صورت میں گزرنے والوں کا گناہ اور وبال نماز کی ایسی جگہ نیت باندھنے والے کے سر پر ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] موضع المرور المنهى عنه:
يرى الحنفية فى الأصح أن الموضع الذى يكره المرور فيه هو موضع صلاة المصلى من قدمه إلى موضع سجوده، هذا حكم الصحراء ، فإن كان فى المسجد إن كان بينهما حائل كإنسان أو أسطوانة لا يكره، وإن لم يكن بينهما حائل والمسجد صغير كره فى أى مكان كان، وقالوا : المسجد الكبير كالصحراء .
وقال المالكية :إن كان للمصلى سترة حرم المرور بينه وبين سترته، ولا يحرم المرور من ورائها، وإن كان يصلى لغير سترة حرم المرور فى قدر ركوعه وسجوده، وهو الأوفق بيسر الدين، وقال بعضهم :يحرم المرور بين يدى المصلى فى قدر رمية حجر أو سهم أو رمح .
وقال الشافعية :يحرم المرور بين المصلى وسترته إذا كان بينهما قدر ثلاثة أذرع فأقل .
وقال الحنابلة :يحرم المرور بين المصلى وسترته ولو كانت السترة بعيدة من المصلى، وإن لم تكن سترة فيحرم المرور فى قدر ثلاثة أذرع يد من موضع قدم المصلى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۷ص۴۷، مادة "مرور")
المرور بين المصلى والسترة :لا خلاف بين الفقهاء فى أن المرور وراء السترة لا يضر، وأن المرور بين المصلى وسترته منهى عنه، فيأثم المار بين يديه، لقوله صلى الله عليه وسلم :لو يعلم المار بين يدى المصلى ماذا عليه من الإثم لكان أن يقف أربعين خيرا له من أن يمر بين يديه .
ويرى جمهور الفقهاء :الحنفية والمالكية والحنابلة :أن المار بين يدى المصلى آثم ولو لم يصل إلى سترة .وذلك إذا مر قريبا منه، واختلفوا فى حد القرب .قال بعضهم :ثلاثة أذرع فأقل .أو ما يحتاج له فى ركوعه وسجوده .والصحيح عند الحنابلة تحديد ذلك بما إذا مشى إليه، ودفع المار بين يديه لا تبطل صلاته.والأصح عند الحنفية أن يكون المرور من موضع قدمه إلى موضع سجوده، وقال بعضهم :إنه قدر ما يقع بصره على المار لو صلى بخشوع، أى راميا ببصره إلى موضع سجوده.
وقيد المالكية الإثم بما إذا مر فى حريم المصلى من كانت له مندوحة أى سعة المرور بعيدا عن حريم المصلى، وإلا فلا إثم، وكذا لو كان يصلى بالمسجد الحرام فمر بين يديه من يطوف بالبيت

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ آج کل جو نمازی کے سامنے سے گزرنے کو ہر حال میں گناہ خیال کیا جاتا ہے، اگر چہ کوئی ضرورت و مجبوری میں ہی اور نماز پڑھنے والے سے فاصلہ سے ہی کیوں نہ گزرے، اس کو بھی معیوب سمجھا جاتا ہے، اور اس کو مطعون کیا جاتا ہے، یہ طرزِ عمل درست نہیں، بلکہ غلو یا بعض اقوال پر مبنی ہے۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقالوا :يأثم مصل تعرض بصلاته من غير سترة فی محل يظن به المرور، ومر بين يديه أحد .

ونقل ابن عابدين عن بعض الفقهاء أن هنا صورا أربعا:

الأولى :أن يكون للمار مندوحة عن المرور بين يدی المصلی ولم يتعرض المصلی لذلک فيختص المار بالإثم إن مر.

الثانية :أن يكون المصلی تعرض للمرور والمار ليس له مندوحة عن المرور، فيختص المصلی بالإثم دون المار.

الثالثة :أن يتعرض المصلی للمرور ويكون للمار مندوحة، فيأثمان معا، أما المصلی فلتعرضه، وأما المار فلمروره مع إمكان أن لا يفعل.

الرابعة :أن لا يتعرض المصلی ولا يكون للمار مندوحة، فلا يأثم واحد منهما .

ومثله ما ذكره بعض المالكية .

أما الشافعية فقد صرحوا بحرمة المرور بين يدی المصلی إذا صلی إلی سترة وإن لم يجد المار سبيلا آخر، وهذا إذا لم يتعد المصلی بصلاته فی المكان، وإلا كأن وقف بقارعة الطريق أو استتر بسترة فی مكان مغصوب فلا حرمة ولا كراهة .ولو صلی بلا سترة، أو تباعد عنها،أو لم تكن السترة بالصفة المذكورة فلا يحرم المرور بين يديه، وليس له دفع المار لتعديه بصلاته فی ذلک المكان .

هذا واستثنى الفقهاء من الإثم المرور بين يدی المصلی للطائف أو لسد فرجة فی صف أو لغسل رعاف أو ما شاكل ذلک(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۴ص ۱۸۴ الیٰ ۱۸۶، مادة ”سترة المصلی“)

www.idaraghufran.org

﴿باب نمبر۴﴾

مریض ومعذور کی امامت وجماعت سے متعلق احکام

مرض وعذر کی وجہ سے نماز کے بعض مسائل کا تعلق امامت وجماعت سے بھی ہے، اس لئے امامت وجماعت سے متعلق چند احکام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ارکان کی ادائیگی، باجماعت نماز سے اہم ہے

اگر کوئی مریض شخص اپنے گھر میں رہ کر نماز پڑھنے کی صورت میں قیام، رکوع اور سجدہ وقعدہ کی شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے نماز پڑھنے پر قادر ہے، مثلاً گھر میں سہارے سے کھڑا ہونے کے لئے کوئی سہارے کی چیز میسر ہے، یا تنہا نماز پڑھنے کی صورت میں مختصر قیام کر کے نماز پڑھنے پر قادر ہے، مگر مسجد میں آ کر نماز باجماعت پڑھنے کی صورت میں ان شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے نماز پڑھنے پر قادر نہیں، مثلاً نماز باجماعت میں طویل قیام پر قادر نہیں، یا وہاں کوئی چیز قیام کے لئے سہارے کی میسر نہیں، تو ایسے شخص کو قیام، رکوع اور سجدہ وقعدہ کی ادائیگی کی شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے تنہا نماز پڑھنا ایسی باجماعت نماز پڑھنے سے زیادہ اہم ہے، جس میں صرف جماعت کی فضیلت تو حاصل ہو جائے، مگر قیام، رکوع وسجدہ وغیرہ جیسے فرائض کی ادائیگی کی شرائط فوت ہو جائیں، کیونکہ قیام، رکوع اور سجدہ وغیرہ فرض اور رکن ہے اور جماعت سے نماز ادا کرنا سنتِ مؤکدہ یا واجب ہے اور فرائض وارکان کی ادائیگی سنتِ مؤکدہ یا واجب کی ادائیگی سے زیادہ ضروری ہے۔

یہ مسئلہ اچھی طرح یاد رکھنے کا ہے، کیونکہ بہت سے لوگ بلکہ مشائخ، جماعت کی فضیلت واہمیت کو تو سمجھتے ہیں، اور اس کے ترک کرنے کو گوارا نہیں کرتے، مگر اس کی خاطر اس سے اہم احکام کو

نظر انداز کردیتے ہیں۔ ؎

مریض ومعذور کے لئے باجماعت نماز اور نمازِ جمعہ کا حکم

اگرکوئی شخص بیمار یا معذور ہے، جس کی وجہ سے اسے مسجد میں جاکر باجماعت نماز، یا نمازِ جمعہ کا ادا کرنا ممکن نہیں، یا سخت تکلیف پیش آتی ہے، یا مرض کے بڑھنے یا دیر سے ٹھیک ہونے یا دشمن کی طرف سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے، تو ایسے مریض کو فرض نماز باجماعت پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ اپنے گھر میں تنہاء یا کوئی جماعت کے ساتھ پڑھنے والا میسر ہو، تو اس کو

؎ صلاة المريض جماعة:

المريض إن قدر على الصلاة وحده قائما، ولا يقدر على ذلك مع الإمام لتطويله صلى منفردا؛ لأن القيام آكد؛ لكونه ركنا فى الصلاة لا تتم إلا به .والجماعة تصح الصلاة بدونها؛ ولأن العجز يتضاعف بالجماعة أكثر من تضاعفه بالقيام، بدليل أن صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم، وصلاة الجماعة تفضل صلاة الرجل وحده سبعا وعشرين درجة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص٢٦٣، مادة"صلاة المريض")

المريض إذا صلى فى بيته يستطيع القيام وإذا خرج لا يستطيع اختلف المشايخ -رحمهم الله تعالى- فيه المختار أنه يصلى فى بيته قائما وبه يفتى، هكذا فى المضمرات(الفتاوىٰ الهندية، ج ١، ص١٣٦، كتاب الصلاة، الباب الرابع عشر)

ولو عجز عن القيام بخروجه للجماعة وقدر عليه فى بيته اختلف الترجيح (مراقى الفلاح، ص١٦٨، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

قوله" :اختلف الترجيح "والمفتى به أنه يصلى منفردا كما فى البحر والخلاف محمول على ما إذا لم تتيسر له الجماعة فى بيته وإلا لم يجز له الخروج وترك القيام بالاتفاق قاله السيد (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ج ١ ص٤٣٥، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض)

فلوان المريض اذا صلى فى بيته يستطيع القيام واذا خرج الى الجماعة لايستطيع القيام يصلى فى بيته قائماقال شمس الائمة الاوزجندى يخرج الى الجماعة لكن يكبر قائماثم يقعد ثم يقوم عند الركوع والاول اصح وبه يفتى(خلاصة الفتاوىٰ ج ١ ص١٩٧، الفصل الحادى والعشرون فى صلاة المريض)

ان المريض اذاكان يقدر على القيام ان كان يصلى فى بيته ولو خرج الى الجماعة يعجز عن القيام يصلى فى بيته قائما اويخرج الى الجماعة ويصلى قاعدا؟اختلف المشائخ رحمهم اللّٰہ تعالىٰ فيه قال بعضهم يصلى فى بيته قائما وفى الخلاصة هو المختار(فتاوىٰ التاتارخانية ج٢ ص١٣٢، الفصل الحادى والثلاثون فى صلاة المريض)

www.idaraghufran.org

اپنے ساتھ شامل کر کے باجماعت نماز ادا کرلینا جائز ہے، اور ایسے شخص کو جمعہ کی نماز کے بجائے گھر میں ظہر کی نماز پڑھ لینا بھی جائز ہے۔ [1]

جو شخص ایسا مریض ومعذور ہو کہ وہ جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے پیدل جانے پر قادر نہ ہو، یا اس کو پیدل جانے میں سخت مشقت پیش آتی ہو، لیکن اسے سوار ہو کر جانے میں مشقت پیش نہ آتی ہو، اور اسے بآسانی سواری میسر ہو، تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس کو سواری پر سوار ہو کر جماعت اور جمعہ کی نماز کے لیے جانا ضروری ہوتا ہے۔

لیکن اس حالت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز باجماعت اور جمعہ کی نماز کے لیے جانا ضروری نہیں ہوتا۔ [2]

---

[1] أثر العاهة فی إسقاط فرض الجمعة:

من العاهات التی تسقط عن المکلف فرض الجمعة -عند جمهور الفقهاء -العاهة التی تعجز عن حضور الصلاة کالشلل، والعمی فیمن لا یجد قائدا، وقطع الید والرجل من خلاف، وقطع الرجلین لمن لا یجد من یحمله، وکذلک العاهة المنفرة کالجذام والبرص ونحو ذلک (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۹، ص۲۵۱، مادة"عاهة")

قال ابن المنذر :لا أعلم خلافا بین أهل العلم :أن للمریض أن یتخلف عن الجماعات من أجل المرض، واستدلوا بما ورد أن النبی صلی الله علیه وسلم قال :من سمع المنادی فلم یمنعه من اتباعه عذر، قالوا :وما العذر؟ قال :خوف أو مرض لم تقبل منه الصلاة التی صلی .

وقد کان بلال رضی الله عنه یؤذن بالصلاة، ثم یأتی النبی صلی الله علیه وسلم وهو مریض فیقول : مروا أبا بکر فلیصل بالناس (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۶، ص۳۵۷، مادة "مرض")

خرج به المریض "أی الذی لا یقدر علی الذهاب إلی الجامع أو یقدر ولکن یخاف زیادة مرضه أو بطء برئه بسبب جلی (حاشیة الطحطاوی علی المراقی شرح نورالایضاح، ج ۱ ص۵۰۵، باب الجمعة)

المریض إذا خاف علی نفسه التلف أو ذهاب عضو یفطر بالإجماع، وإن خاف زیادة العلة وامتدادها فکذلک عندنا، وعلیه القضاء إذا أفطر کذا فی المحیط .ثم معرفة ذلک باجتهاد المریض والاجتهاد غیر مجرد الوهم بل هو غلبة ظن عن أمارة أو تجربة أو بإخبار طبیب مسلم غیر ظاهر الفسق کذا فی فتح القدیر (الفتاویٰ الهندیة، ج ۱ ص۲۰۷، کتاب الصوم،الباب الخامس)

[2] وأما إن شق علیه معه الإتیان ماشیا لا راکبا فاختلف الفقهاء علی النحو التالی :صرح المالکیة والشافعیة ومحمد من الحنفیة بأنه یلزمه الإتیان، وقیده المالکیة بما إذا کانت الأجرة غیر مجحفة وإلا لم تجب علیه .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

جس شخص کے دونوں پاؤں یا ایک پاؤں مفلوج یا کٹا ہوا ہو، یا وہ اپاہج ہو، اس پر نماز کے لئے جانا ضروری نہیں، بلکہ اس کو اپنے مقام پر رہتے ہوئے نماز پڑھ لینا جائز ہے۔ [1]

جو شخص بہت زیادہ بوڑھا اور عمر رسیدہ ہو کہ اسے نماز کے لیے جانا دشوار ہو، تو اس پر بھی نماز کے لئے جانا ضروری نہیں ہوتا۔ [2]

اور نابینا شخص پر بھی نماز کو جماعت سے پڑھنے کے لئے جانا ضروری نہیں ہوتا۔

اگر نابینا شخص کو مفت میں یا معتدل اجرت ومزدوری کے ساتھ کوئی شخص نماز کے لیے لے جانے والا میسر آئے اور اس کو اجرت ومزدوری ادا کرنے کی قدرت بھی ہو، تو مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ کے نزدیک اس پر نماز کے لیے جانا ضروری ہو جاتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وذهب جمهور الحنفية إلى أنه لا يجب عليه الحضور إلى الجماعة والجمعة فى هذه الحالة، وقيل: لا يجب عند الحنفية اتفاقا كالمقعد.

وفرق الحنابلة بين الجمعة والجماعة فقالوا: إن تبرع أحد بأن يركبه لزمته الجمعة لعدم تكررها دون الجماعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٦، ص ٣٥٨، مادة "مرض")

وكذلك الأعمى إذا وجد قائدا يقوده إلى الحج لا يفترض عليه الحج عنده، وعندهما يفترض. والمقعد إذا وجد من يحمله إلى الجمعة، ذكر الشيخ الإمام الجليل أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله: أنه لا جمعة عليه عند الكل، قال: وينبغى أن لا يكون عليه الحج، ولا حضور الجماعات بلا خلاف، وذكر القاضى الإمام ركن الإسلام على السغدى رحمه الله: أن الكل على الخلاف(المحيط البرهانى، ج ا ص١٤٧، كتاب الطهارات،الفصل الخامس)

فلا تجب على شيخ كبير لا يقدر على المشى ومريض وزمن وأعمى، ولو وجد من يقوده ويحمله عند أبى حنيفة لما عرف أنه لا عبرة بقدرة الغير وحقق فى فتح القدير أنه اتفاق والخلاف فى الجمعة لا الجماعة (البحر الرائق، ج ا ص٣٦٧، كتاب الصلاة، باب الامامة)

[1] ولا تجب على مفلوج الرِّجل ومقطوعها وزَمِن، ومحبوس، ومعذور بمشقة مطر ووحل وثلج (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج٢ ص١٢٩٠، الباب الثانى، الفصل العاشر، المبحث الثانى، المطلب الثالث)

ولا يجب على مقعد ولا مقطوع اليد والرجل من خلاف ولا مقطوع الرجل ولا الشيخ الكبير الذى لا يستطيع المشى (الجوهرة النيرة، ج ا ص٥٩، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

[2] الشرط الخامس (السلامة): والمقصود بها سلامة المصلى من العاهات المقعدة، أو المتعبة له فى الخروج إلى صلاة الجمعة، كالشيخوخة المقعدة والعمى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٧، ص ٢٠٠، مادة "صلاة الجمعة")

Idara Ghufran

لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز باجماعت ضروری ہونے کے لیے خود سے قدرت کا حاصل ہونا ضروری ہے، دوسرے کے سہارے پر قادر ہونے والے شخص پر نماز کے لئے جانا ضروری نہیں ہوتا۔ [1]

لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگر کوئی مریض ومعذور شخص خود سے جدو جہد کر کے نماز باجماعت میں آ کر شریک ہوجائے، اور نماز ادا کرلے، تو اس کی نماز ادا ہوجاتی ہے۔

اگر کسی شخص کو باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے جانے میں، دشمن، درندے یا چور، ڈاکو وغیرہ کا خوف ہو، یا شدید بارش، یا شدید سردی یا برف باری کی وجہ سے نماز کے لیے حاضری میں دشواری یا سخت تکلیف پیش آتی ہو، تو اس پر بھی باجماعت نماز اور جمعہ کے لئے جانا ضروری نہیں ہوتا۔ [2]

---

[1] ومنها أن الجماعة إنما تجب على من قدر عليها من غير حرج فأما من كان به عذر فإنها تسقط عنه حتى لا تجب على المريض والأعمى والزمن ونحوهم هذا إذا لم يجد الأعمى قائدا أو الزمن من يحمله فأما إذا وجد الأعمى قائدا أو الزمن حاملا بأن يكون له مركب وخادم فعند أبي حنيفة لا يجب وعندهما يجب وقد ذكرنا هذا في باب الجمعة(تحفة الفقهاء للسمرقندي، ج ۱ ص۲۲۷، كتاب الصلاة، باب الامامة)

وكذا الأعمى لا يجب عليه حضور الجماعة عند أبي حنيفة وإن وجد قائدا وعندهما يجب إذا وجد قائدا (الجوهرة النيرة، ج ۱ ص ۵۹، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة)

الشرط الخامس (السلامة) : والمقصود بها سلامة المصلي من العاهات المقعدة، أو المتعبة له في الخروج إلى صلاة الجمعة، كالشيخوخة المقعدة والعمى.

فإن وجد الأعمى قائدا متبرعا أو بأجرة معتدلة، وجبت عليه عند الجمهور -أبي يوسف ومحمد والمالكية والشافعية والحنابلة؛لأن الأعمى بواسطة القائد يعتبر قادرا على السعي خلافا لأبي حنيفة.

وهناك صورتان أخريان تجب فيهما على الأعمى صلاة الجمعة:

الصورة الأولى :أن تقام الصلاة وهو في المسجد متطهر متهيء للصلاة.

الصورة الثانية :أن يكون ممن أوتوا مهارة في المشي في الأسواق دون الاحتياج إلى أي كلفة أو قيادة أو سؤال أحد .إذ لا حرج حينئذ عليه في حضور صلاة الجمعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۷، ص ۲۰۰، مادة "صلاة الجمعة")

[2] ولا تجب -أيضا -في حالة خوف من عدو أو سبع أو لص، أو سلطان، ولا في حالة مطر شديد، أو وحل، أو ثلج، يتعسر معها الخروج إليها .إذ لا تعتبر السلامة متوفرة في مثل هذه الحالات (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۷، ص ۲۰۰، مادة "صلاة الجمعة")

جو شخص قید خانہ میں محبوس ہو، اور وہاں باجماعت نماز کا بندوبست نہ ہو، اس پر بھی نماز باجماعت ادا کرنا ضروری نہیں، بلکہ بغیر جماعت کے تنہا نماز پڑھنا جائز ہے۔ [1]

تیمارداری میں مشغول کو باجماعت نماز اور جمعہ کا حکم

جو شخص نماز باجماعت کے وقت کسی مریض کی تیمارداری میں مشغول ہو اور اس کے باجماعت نماز کے لئے چلے جانے کے بعد کوئی بیمار کی تیمارداری وخبر گیری کرنے والا نہیں ہے، جس سے بیمار کو نقصان کا خطرہ ہے، تو یہ تیماردار شخص بھی بیمار کے حکم میں ہے اور اس پر باجماعت نماز اور اسی طرح نمازِ جمعہ ضروری نہیں، بلکہ بغیر جماعت کے نماز پڑھ لینا اور جمعہ کی نماز کے بجائے ظہر کی نماز پڑھ لینا جائز ہے۔ [2]

---

[1] مما تسقط به صلاة الجماعة والجمعة الحبس والمرض الذى يشق معه الحضور، وإذا خاف ضررا فى نفسه أو ماله أو عرضه، والمطر والوحل والبرد الشديد والحر الشديد ظهرا والريح الشديدة فى الليل، ومدافعة الأخبثين، وأكل نتن نىء إن لم يمكنه إزالته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۵، ص ۸۳، مادة "سقوط")

ولا تجب على مفلوج الرِّجل ومقطوعها وزَمِن، ومحبوس (الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۲ص ۱۲۹۰، الباب الثانى، الفصل العاشر، المبحث الثانى، المطلب الثالث)

[2] اگر کوئی معالج وڈاکٹر مریض کے آپریشن وغیرہ میں مصروف ہو، اور اس وقت نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے جانے میں مریض کو نقصان لاحق ہوتا ہو، تو ایسے وقت اس ڈاکٹر کو بھی باجماعت نماز کا چھوڑنا اور تنہا نماز پڑھنا جائز ہوگا، علیٰ قیاس المرض۔

وألحق بالمريض ممرضه الذى يقوم بأمر تمريضه وخدمته، بشرط أن لا يوجد من يقوم مقامه فى ذلك لو تركه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲۷، ص ۱۹۹، مادة "صلاة الجمعة")

التخلف عن الجمعة والجماعة:

اتفق الفقهاء فى الجملة على سقوط وجوب الجمعة، وجواز التخلف عن الجماعة لمن يقوم بالتمريض لقريب أو غيره.

قال ابن المنذر :ثبت أن ابن عمر رضى الله تعالى عنهما "استصرخ على سعيد بن زيد بعد ارتفاع الضحى فأتاه بالعقيق وترك الجمعة.

ونقل هذا عن عطاء، والحسن، والأوزاعى أيضا.

ثم اختلفوا فى التفاصيل :فصرح الحنفية بأن الممرض -وهو من يقوم بشؤون المريض -يعذر من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

جس سے دوسرے کو ایذاء پہنچے، اس کو جماعت میں شمولیت کا حکم

جو شخص کوڑھی ہو، یا اس کو ایسی بیماری لاحق ہو کہ جس سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف وایذاء پہنچتی ہو، یا منہ یا زخم کی بدبو سے لوگوں کو ایذاء پہنچتی ہو، تو ایسے شخص کو بھی بعض فقہائے کرام نے مریض میں داخل مان کر یا دوسروں کو ایذاء رسانی سے بچانے کی خاطر، نماز باجماعت ضروری نہ ہونے، اوراس کو گھر میں نماز پڑھ لینے کا حکم لگایا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الخروج إلى الجمعة إن بقى المريض ضائعا بخروجه فى الأصح، أو حصل له بغيبة الممرض إلى الجماعة المشقة والوحشة .

وقيد المالكية جواز التخلف عن الجمعة والجماعة :بكون التمريض لقريب، وأن لا يكون هناك من يقوم به سواه .وخيف عليه الموت كالزوجة، والبنت، أو أحد الأبوين.

وأما الشافعية فقد فصلوا الكلام فى جواز التخلف عن الجمعة والجماعات بالتمريض فقالوا :إما أن يكون للمريض من يتعهده ويقوم بأمره أو لا :فإن كان الممرض قريبا والمريض مشرف على الموت، أو غير مشرف لكنه يستأنس به، فيرخص للممرض التخلف عن الجمعة والجماعة ويحضر عنده، وإلا فلا رخصة له فى التخلف على الصحيح .ومثل القريب عندهم الزوجة وكل من له مصاهرة، والصديق .وإن كان المريض أجنبيا -وله من يتعهده -فلا رخصة للممرض فى التخلف بحال عن الجمعة والجماعة.

أما إن لم يكن للمريض متعهد، أو كان لكنه لم يفرغ لخدمته، لاشتغاله بشراء الأدوية، فقال إمام الحرمين :إن كان يخاف عليه الهلاك لو غاب عنه فهو عذر، ولا فرق بين القريب والأجنبى؛ لأن إنقاذ المسلم من الهلاك فرض كفاية .وإن كان يلحقه ضرر ظاهر لا يبلغ مبلغ فروض الكفايات ففيه أوجه :الأصح أنه عذر أيضا، والثانى :لا، والثالث :أنه عذر فى القريب دون الأجنبى .

وأما الحنابلة فيقرب قولهم مما ذهب إليه المالكية؛ لأنهم يعتبرون التمريض عذرا فى التخلف عن الجمعة والجماعات إذا كان المريض قريبا أو رفيقا، وكان الممرض لو تشاغل بالجمعة أو الجماعة لمات المريض لعدم وجود من يقوم بشأنه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۴، ص۱۸، و ۱۹ ،مادة "تمريض")

[1] خص بعض الفقهاء بعض الأمراض بالذكر فى التخلف عن الجماعة . فقال المالكية :يجوز للجذم ترك الجماعة إن كان رائحتهم تضر بالمصلين، وكانوا لا يجدون موضعا يتميزون فيه، أما لو وجدوا موضعا يصح فيه الجمعة ويتميزون فيه بحيث لا يلحق ضررهم بالناس فإنها تجب عليهم اتفاقا، لإمكان الجمع بين حق الله تعالى، وحق الناس، وما قيل فى الجذام يقال فى البرص.

وقال الشافعية :ويندب للإمام منع صاحب البرص والجذام من المساجد، ومخالطة الناس والجمعة والجماعات (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۶، ص ۳۵۹ ، مادة "مرض")

Idara Ghufran

مجنون و بے ہوش کی امامت کا حکم

غیر عاقل یعنی مجنون و پاگل شخص اور اسی طرح بے ہوش شخص کا نماز میں امامت کرانا درست نہیں۔ ۱

ارکان کی ادائیگی سے معذور کی امامت کا حکم

اگر کوئی شخص اشارہ سے نماز پڑھ رہا ہو، اور وہ رکوع وسجدہ کرنے پر قادر نہ ہو، حنفیہ سمیت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس کی اقتداء میں رکوع وسجدہ ادا کرنے والوں کی نماز جائز نہیں، البتہ شافعیہ کے نزدیک جائز ہے، اور اگر امام بھی اشارہ سے نماز پڑھ رہا ہو، اور اس کے مقتدی بھی ایسے ہی معذور ہوں، تو پھر حنفیہ سمیت اکثر اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک نماز جائز ہے۔ خلافا للمالكيه فى المشهور۔ ۲

---

۱ يشترط فى الإمام أن يكون عاقلا، وهذا الشرط أيضا متفق عليه بين الفقهاء ، فلا تصح إمامة السكران، ولا إمامة المجنون المطبق، ولا إمامة المجنون غير المطبق حال جنونه، وذلك لعدم صحة صلاتهم لأنفسهم فلا تبنى عليها صلاة غيرهم.

أما الذى يجن ويفيق، فتصح إمامته حال إفاقته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۶، ص۲۰۳، مادة "امامة الصلاة")

۲ اقتداء القادر بالعاجز عن ركن:

لا يجوز اقتداء من يقدر على ركن، كالركوع أو السجود أو القيام، بمن لا يقدر عليه عند المالكية والحنابلة، وهو قول محمد من الحنفية، لأن الإمام عجز عن ركن من أركان الصلاة فلم يصح الاقتداء به كالعاجز عن القراء ة إلا بمثله، ولعدم جواز اقتداء القوى بالضعيف كما مر، إلا أن الحنابلة استثنوا إمام الحى المرجو زوال علته، وفى هذه الحالة يصح أن يصلى المقتدرون وراء ه جلوسا أو قياما عندهم

ويجوز اقتداء قائم بقاعد يركع ويسجد عند أبى حنيفة وأبى يوسف، وجاز ذلك عند الشافعية ولو لم يكن القاعد قادرا على الركوع أو السجود، لحديث عائشة رضى الله عنها أن النبى صلى الله عليه وسلم صلى آخر صلاته قاعدا والقوم خلفه قيام .

واختلفوا فى اقتداء المستوى خلف الأحدب، فقال الحنفية والشافعية بجوازه، وقيده بعض الحنفية بألا تبلغ حدبته حد الركوع، ويميز قيامه عن ركوعه، وقال المالكية بجوازه مع الكراهة، ومنعه الحنابلة مطلقا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جو شخص کھڑے ہونے سے معذور ہو، اور وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے، یا وہ اتنا کُبڑا ہو کہ کھڑے ہونے کی حالت میں اس کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جاتے ہوں، اور وہ اسی حالت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھائے، اور رکوع وسجدہ باقاعدہ کرے، تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس کے پیچھے سیدھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والوں کی نماز جائز ہے، کیونکہ معذوری کی وجہ سے اس کا قیام معاف ہے، اور کبڑے کا قیام یہی ہے۔

اور حنابلہ، اور مالکیہ اور حنفیہ میں سے امام محمد کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ بیٹھنے والے کی نماز کھڑے ہونے والے کے مقابلہ میں کمتر ہے، اور کبڑے کی حالت رکوع کی ہے، اور سیدھے قیام کرنے والے مقتدی کی حالت اس سے اعلیٰ ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أما إذا كان الإمام يصلى بالإيماء فلا يجوز اقتداء القائم أو الراكع أو الساجد خلفه عند الجمهور (الحنفية عدا زفر، والمالكية والحنابلة) خلافا للشافعية الذين قاسوا المضطجع والمستلقى على القاعد.

ويجوز اقتداء الموء بمثله عند الجمهور خلافا للمالكية فى المشهور، لأن الإيماء لا ينضبط، فقد يكون إيماء المأموم أخفض من إيماء الإمام، وقد يسبقه المأموم فى الإيماء ، وهذا يضر(الموسوعة الفقهية الكويتية ، ج٦ ص ٣٥، ٣٦، مادة "اقتداء")

ل صلاة القاعد خلف القائم وبالعكس:

لا خلاف بين الفقهاء فى جواز صلاة القاعد لعذر خلف القائم، لما ثبت فى السنة من وقائع، منها :ما ورد عن أنس بن مالك رضى الله عنه قال :صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى مرضه خلف أبى بكر قاعدا، فى ثوب، متوشحا به ومنها ما ثبت عن عائشة رضى الله عنها قالت :صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم خلف أبى بكر فى مرضه الذى مات فيه قاعدا .

وأما صلاة القائم خلف الجالس أو القاعد :فهى جائزة عند الحنفية والشافعية؛ لأنه صلى الله عليه وسلم صلى آخر صلاته قاعدا والناس قيام، وأبو بكر يأتم بالنبى صلى الله عليه وسلم والناس بصلاة أبى بكر وهى صلاة الظهر .

وذهب المالكية والحنابلة ومحمد بن الحسن من الحنفية، إلى عدم الجواز، مستدلين بقول النبى صلى الله عليه وسلم :لا يؤمن أحد بعدى جالسا؛ ولأن حال القائم أقوى من حال القاعد، ولا يجوز بناء القوى على الضعيف، إلا أن الحنابلة استثنوا من عدم الجواز إمام الحى المرجو زوال علته، وهذا فى غير النفل، أما فى النفل فيجوز اتفاقا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٤، ص ١٠٩، مادة"قيام")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

تیمّم کرنے والے کی امامت کا حکم

جس شخص نے ضرورت ومجبوری کے وقت (یعنی جب شریعت کی طرف سے اجازت ہو) وضو یا غسل کے لئے تیمّم کیا ہو، اس کو ان لوگوں کی نماز میں امامت کرنا جائز ہے کہ جنھوں نے تیمّم کے بجائے وضو یا غسل کر رکھا ہو۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واختلفوا فی اقتداء المستوی خلف الأحدب، فقال الحنفية والشافعية بجوازه، وقيده بعض الحنفية بأن لا تبلغ حدبته حد الركوع، وتمييز قيامه عن ركوعه، وقال المالكية بجوازه مع الكراهة، ومنعه الحنابلة مطلقا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص ٣٢٣، مادة "انحناء")

وأما الثانی وهو اقتداء القائم بالأحدب فأطلقه فشمل ما إذا بلغ حدبه حد الركوع وما إذا لم يبلغ ولا خلاف فی الثانی، واختلفوا فی الأول ففی المجتبی أنه جائز عندهما وبه أخذ عامة العلماء خلافا لمحمد، وفی الفتاوى الظهيرية لا تصح إمامة الأحدب للقائم هكذا ذكر محمد فی مجموع النوازل وقيل يجوز والأول أصح اهـ.

ولا يخفی ضعفه فإنه ليس هو أدنى حالا من القاعد؛ لأن القعود استواء النصف الأعلى، وفی الحدب استواء النصف الأسفل ويمكن أن يحمل على قول محمد وأشار إلى أن اقتداء القاعد خلف مثله جائز اتفاقا(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ١، ص٣٨٧، باب الإمامة)

[۱] يجوز اقتداء المتوضء بالمتيمم عند جمهور الفقهاء .(المالكية والحنابلة وأبی حنيفة وأبی يوسف) ، لما ورد فی حديث عمرو بن العاص أنه بعثه النبی صلى الله عليه وسلم أميرا على سرية، فأجنب، وصلى بأصحابه بالتيمم لخوف البرد، وعلم النبی صلى الله عليه وسلم فلم يأمرهم بالإعادة.

واستدل الحنفية للجواز كذلك على أصلهم بأن التيمم يرفع الحدث مطلقا من كل وجه، ما بقی شرطه، وهو العجز عن استعمال الماء ، ولهذا تجوز الفرائض المتعددة بتيمم واحد عندهم.

وكره المالكية اقتداء المتوضء بالمتيمم، كما أن الحنابلة صرحوا بأن إمامة المتوضء أولى من إمامة المتيمم، لأن التيمم لا يرفع الحدث، بل يستباح به الصلاة للضرورة.

وقال الشافعية : لا يجوز الاقتداء بمن تلزمه الإعادة كمتيمم بمتيمم، ولو كان المقتدی مثله، أما المتيمم الذی لا إعادة عليه فيجوز اقتداء المتوضء به، لأنه قد أتى عن طهارته ببدل مغن عن الإعادة.

وقال محمد بن الحسن من الحنفية :لا يصح اقتداء المتوضء بالمتيمم مطلقا فی غير صلاة الجنازة، للزوم بناء القوی على الضعيف (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص ٣١، ٣٢، مادة " اقتداء")

زخم، پٹی یا خفین پر مسح کرنے والے کی امامت کا حکم

جس شخص نے وضو یا غسل کے دوران زخم یا پٹی پر مسح کیا ہو، یا خفین یعنی چمڑے وغیرہ کے موٹے موزے پہن کر ان پر مسح کر رکھا ہو، اس کو ان لوگوں کی امامت کرانا درست ہے کہ جن لوگوں نے تمام اعضاء کو دھو کر وضو کیا ہو۔ [۱]

خروجِ ریح وغیرہ کے مریض کی امامت کا حکم

جو شخص خروجِ ریح یا پیشاب کے قطرے وغیرہ کا مریض ہو، اور شرعی اعتبار سے وہ معذور ہو، تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اور شافعیہ کے ایک قول کے مطابق اس کی اقتداء میں ایسے لوگوں کو نماز پڑھنا جائز نہیں کہ جو اس طرح کے مریض ومعذور نہ ہوں، البتہ جو لوگ امام کی طرح کے مریض ومعذور ہوں، ان کو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

اور شافعیہ کے اصح قول اور مالکیہ کے مشہور قول کے مطابق ایسے معذور کی اقتداء میں صحت مند لوگوں کو نماز پڑھنا جائز ہے۔ [۲]

---

[۱] اقتداء الغاسل بالماسح :اتفق الفقهاء على جواز اقتداء غاسل بماسح على خف أو جبيرة، لأن الخف مانع سراية الحدث إلى القدم، وما حل بالخف يرفعه المسح، فهو باق على كونه غاسلا، كما علله الحنفية، ولأن صلاته مغنية عن الإعادة لارتفاع حدثه، لأن المسح يرفع الحدث كما وجهه الآخرون (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص ٣٢، مادة "اقتداء")

ويجوز اقتداء الغاسل بماسح الخف وبالماسح على الجبيرة (الفتاویٰ الهندية، ج ١ ص ٨٤، كتاب الصلاة، الباب الخامس، الفصل الثالث)

[۲] اقتداء السليم بالمعذور: يرى جمهور الفقهاء :(الحنفية والحنابلة، ومقابل الأصح عند الشافعية) أنه لا يجوز اقتداء السليم بالمعذور، كمن به سلس البول، واستطلاق البطن، وانفلات الريح، وكذا الجرح السائل، والرعاف، والمستحاضة، لأن أصحاب الأعذار يصلون مع الحدث حقيقة، لكن جعل الحدث الموجود في حقهم كالمعدوم، للحاجة إلى الأداء فلا يتعداهم، لأن الضرورة تقدر بقدرها، ولأن الصحيح أقوى حالا من المعذور، ولا يجوز بناء القوى على الضعيف، ولأن الإمام ضامن، بمعنى أنه تضمن صلاته صلاة المقتدي، والشيء لا يتضمن ما هو فوقه .

وقال الشافعية في الأصح :يصح اقتداء السليم بصاحب السلس، والطاهرة بالمستحاضة غير المتحيرة، لصحة صلاتهم من غير إعادة . ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

برہنہ شخص کی امامت کا حکم

جس شخص کو ستر چھپانے کے لئے لباس میسر نہ ہو (مثلاً کسی جگہ جنگل وغیرہ میں کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو، اور کپڑے موجود نہ رہے ہوں) اور وہ برہنہ حالت میں نماز پڑھے، تو حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کی اقتداء میں ایسے لوگوں کو نماز پڑھنا جائز نہیں کہ جو ستر چھپا کر نماز پڑھ رہے ہوں، البتہ جو لوگ امام کی طرح برہنہ حالت میں نماز پڑھ رہے ہوں، تو ان کو اپنے جیسے (برہنہ حالت کے) امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

اور شافعیہ کے اصح قول کے مطابق برہنہ شخص کی اقتداء میں لباس پہنے ہوئے لوگوں کو نماز پڑھنا جائز ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وجواز اقتداء السليم بالمعذور هو قول المالكية في المشهور، لأنه إذا عفي عن الأعذار في حق صاحبها عفي عنها في حق غيره .لكنهم صرحوا بكراهة إمامة أصحاب الأعذار للأصحاء .
وقد نقل في التاج والإكليل عن المالكية في جواز أو عدم جواز اقتداء السليم بالمعذور قولين .
واستدل للجواز بأن عمر كان إماما وأخبر أنه يجد ذلك (أي سلس المذي) ولا ينصرف .
ويجوز اقتداء صاحب العذر بمثله مطلقا، أي ولو اختلف العذر، أو إن اتحد عذرهما على تفصيل يذكر في مصطلح (عذر)(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص ٣٣، ٣٤، مادة"اقتداء")
ويجوز اقتداء المعذور بالمعذور إن اتحد عذرهما وإن اختلف فلا يجوز .كذا في التبيين فلا يجوز أن يصلي من به انفلات ريح خلف من به سلس البول كذا في البحر الرائق وكذا لا يصلي من به سلس البول خلف من به انفلات ريح وجرح لا يرقأ؛ لأن الإمام صاحب عذرين والمأموم صاحب عذر كذا في الجوهرة النيرة.
ولا يصلي الطاهر خلف من به سلس البول ولا الطاهرات خلف المستحاضة وهذا إذا قارن الوضوء الحدث أو طرأ عليه .هكذا في الزاهدي(الفتاوىٰ الهندية، ج ١ ص ٨٤، كتاب الصلاة، الباب الخامس، الفصل الثالث)

[۱] اقتداء المكتسي بالعاري :صرح جمهور الفقهاء (الحنفية والمالكية والحنابلة، وهو مقابل الأصح عند الشافعية) بعدم صحة اقتداء المكتسي (أي مستور العورة) بالعاري، لأن المقتدي أقوى حالا من الإمام، فيلزم اقتداء القوي بالضعيف.
ولأنه تارك لشرط يقدر عليه المأموم، فأشبه اقتداء المعافى بمن به سلس البول .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اُمّی کی امامت کا حکم

جو شخص اُمّی ہو، یعنی قرآن مجید کی تلاوت وقرائت پر قدرت نہ رکھتا ہو، تو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس کی اقتداء میں ایسے لوگوں کو نماز پڑھنا جائز نہیں، جو قرآن مجید کی تلاوت وقرائت پر قدرت رکھتے ہوں، البتہ جو لوگ امام کی طرح کے اُمّی ہوں، ان کو اپنے جیسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

حتی إن المالكية قالوا :إن وجدوا ثوبا صلوا به أفذاذا لا يؤمهم به أحد .

وذهب الشافعية فی الأصح إلی جواز اقتداء المستور بالعاری، بناء علی أصلهم فی جواز اقتداء السليم بالمعذور .

أما اقتداء العاری بالعاری فيجوز عند عامة الفقهاء ، إلا أن المالكية قيدوا الجواز بما إن اجتمعوا بظلام، وإلا تفرقوا وصلوا أفذاذا متباعدين(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۶ ص ۳۴، مادة"اقتداء")

[1] اقتداء القارء بالأمی:

لا يجوز اقتداء القارء بالأمی عند جمهور الفقهاء (الحنفية والمالكية والحنابلة، والجديد من مذهب الشافعية) لأن الإمام ضامن ويتحمل القراء ة عن المأموم، ولا يمكن ذلك فی الأمی، لعدم قدرته علی القراء ة، ولأنهما تاركان لشرط يقدران عليه بتقديم القارء، والمراد بالأمی هنا عند الفقهاء : من لا يحسن القراء ة التی تتوقف عليها الصلاة.

ويجوز اقتداء القارء بالأمی فی القديم من مذهب الشافعية، فی الصلاة السرية دون الجهرية، وذهب المزنی إلی صحة الاقتداء به مطلقا .

وجمهور العلماء علی بطلان صلاة القارء إذا اقتدی بالأمی، لعدم صحة بناء صلاته علی صلاة الأمی، كذلك تبطل صلاة الأمی الذی أم القارء عند الحنفية والمالكية والشافعية فی الجديد لفقد شرط يقدران عليه .

أما الحنابلة فقد فصلوا فی الموضوع فقالوا :إن أم أمی أميا وقارئا، فإن كانا عن يمينه، أو كان الأمی عن يمينه والقارء عن يساره صحت صلاة الإمام والأمی المأموم، وبطلت صلاة القارء لاقتدائه بأمی. وإن كانا خلفه، أو القارء وحده عن يمينه، والأمی عن يساره فسدت صلاة القارء لاقتدائه بالأمی، وتبطل صلاة الأمی المأموم لكونه فذا خلف الإمام أو عن يساره، وذلك مبطل للصلاة عندهم.

هذا، ويجوز اقتداء الأمی بمثله بلا خلاف عند الفقهاء(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۶ ص ۳۴،۳۵، مادة"اقتداء")

Idara Ghufran

گونگے کی امامت کا حکم

جو شخص گونگا ہو، وہ چونکہ تلاوت وقرائت کرنے پر قادر نہیں ہوتا، جس کی حالت اُمّی سے بھی کم تر ہے، اس لئے اس کی اقتداء میں ایسے لوگوں کو نماز پڑھنا جائز نہیں، جو لوگ گونگے نہ ہوں۔

اور اگر گونگے کی اقتداء میں گونگا شخص نماز پڑھے، تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جائز ہے، اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جائز نہیں۔ ؎۱

اندھے اور بہرے کی امامت کا حکم

جو شخص اندھا ہو یا بہرا ہو، اس کی اقتداء میں ان لوگوں کو نماز پڑھنا درست ہے، جو لوگ دیکھتے اور سنتے ہوں۔ ؎۲

؎۱ أما الأخرس فلا يجوز الاقتداء به، لأنه يترك أركان الصلاة من التحريمة والقراء ة .حتى إن الشافعية والحنابلة صرحوا بعدم جواز الاقتداء بالأخرس، ولو كان المقتدى مثله، وصرح الحنفية أن الأخرس أسوأ حالا من الأمي، لقدرة الأمي على التحريمة دون الأخرس، فلا يجوز اقتداء الأمي بالأخرس، ويجوز العكس(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص٣٧، مادة"اقتداء")

الاقتداء بالأخرس:

لا يجوز اقتداء الناطق بالأخرس ولو كان الناطق أميا؛ لأن الأخرس أسوأ حالا من الأمي لقدرة الأمي على التحريمة، وعجز الأخرس عن الإتيان بالتحريمة والقراء ة، وهذا باتفاق الفقهاء .لكنهم اختلفوا في اقتداء الأخرس بأخرس مثله.

فعند الحنفية والمالكية يجوز اقتداء الأخرس بأخرس مثله لتساويهما في العجز.

وعند الشافعية والحنابلة لا يجوز اقتداء الأخرس بأخرس مثله لجواز أن يحسن أحدهما ما لا يحسنه الآخر، أو أنه قد يكون لأحدهما قوة بحيث لو كان ناطقا أحسن ما لا يحسنه الآخر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٩ ص٩٢،٩٣، مادة"خرس")

؎۲ الاقتداء بالأعمى والأصم والأخرس:

لا خلاف بين الفقهاء في صحة الاقتداء بالأعمى والأصم، لأن العمى والصمم لا يخلان بشيء من أفعال الصلاة، ولا بشروطها .لكن الحنفية والحنابلة صرحوا بكراهة إمامة الأعمى، كما صرح المالكية بأفضلية إمامة البصير المساوي للأعمى في الفضل، لأنه أشد تحفظا من النجاسات .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

لنگڑے کی امامت کا حکم

لنگڑے کی امامت جائز ہے، خواہ اس کی اقتداء میں ایسے لوگ نماز پڑھیں، جو لنگڑے نہیں، بلکہ صحیح سالم ہیں۔ [1]

فاسق کی امامت کا حکم

فاسق شخص یعنی جو کبیرہ گناہ کا عادی ہو، تو حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا مکروہ وممنوع ہے، لیکن اگر اس کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے، تو نماز ادا ہو جاتی ہے۔
اگر اس سے بہتر امام میسر ہو تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنی چاہیے، اور اگر اس سے بہتر امام میسر نہیں، یا اگر اس کی اقتداء میں نماز نہ پڑھی جائے، تو تنہا نماز پڑھنی پڑتی ہو، تو پھر ایسی صورت میں اس کی اقتداء میں نماز پڑھ لینے کی گنجائش ہے۔
ایسی صورت میں نماز کے مکروہ ہونے کا وبال انہی لوگوں کو ہوگا، جنہوں نے ایسے شخص کو امامت کے لئے مقرر کیا ہے، اور وہ اس کو امامت سے ہٹانے پر کسی فتنہ کے لازم آئے بغیر قادر ہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الشافعية :الأعمى والبصير سواء لتعارض فضليهما، لأن الأعمى لا ينظر ما يشغله فهو أخشع، والبصير ينظر الخبث فهو أقدر على تجنبه، وهذا إذا كان الأعمى لا يتبذل، أما إذا تبذل أى ترك الصيانة عن المستقذرات، كأن لبس ثياب البذلة، كان البصير أولى منه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص ٣٦،٣٧، مادة"اقتداء")

[1] وكذا الاقتداء بالأعرج أو من بقدمه عوج، وإن كان غيره أولى(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ١ ،ص٣٨٧،باب الإمامة)

[2] البتہ بعض مالکیہ وحنابلہ فاسق کی امامت میں نماز کے عدمِ جواز یعنی عدمِ صحت کے قائل ہیں۔
كره إمامة "الفاسق "العالم لعدم اهتمامه بالدين فتجب إهانته شرعا فلا يعظم بتقديمه للإمامة وإذا تعذر منعه ينتقل عنه إلى غير مسجده للجمعة وغيرها وإن لم يقم الجمعة إلا هو تصلى معه(مراقى الفلاح مع حاشية الطحطاوى ،ج ١، ص ٣٠٢، كتاب الصلاة، باب الامامة، فصل فى بيان الأحق بالإمامة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہ مقتدی گناہ گار نہ ہوگا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إمامة الفاسق مكروهة تحريما(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح ج ا ، ص ۳۰۲، كتاب الصلاة، باب الامامة، فصل فى بيان الأحق بالإمامة)

الاقتداء بالفاسق:

الفاسق :من فعل كبيرة، أو داوم على صغيرة .وقد صرح الحنفية والشافعية بجواز الاقتداء بالفاسق مع الكراهة، أما الجواز فلما ورد فى الحديث :صلوا خلف كل بر وفاجر، ولما رواه الشيخان أن ابن عمر "كان يصلى خلف الحجاج على ظلمه .وأما الكراهة فلعدم الوثوق به فى المحافظة على الشروط .

وقال الحنابلة -وهو رواية عند المالكية :-لا تصح إمامة فاسق بفعل، كزان وسارق وشارب خمر ونمام ونحوه، أو اعتقاد، كخارجى أو رافضى ولو كان مستورا .لقوله تعالى :(أفمن كان مؤمنا كمن كان فاسقا لا يستوون)ولما روى عن جابر مرفوعا :لا تؤمن امرأة رجلا، ولا أعرابى مهاجرا، ولا فاجر مؤمنا إلا أن يقهره بسلطان يخاف سوطه وسيفه .

وفصل المالكية فى الرواية الأخرى المعتمدة بين الفاسق بجارحة كزان وشارب خمر، وبين من يتعلق فسقه بالصلاة، كأن يقصد بتقدمه الكبر، أو يخل بركن أو شرط، أو سنة عمدا، فقالوا بجواز الاقتداء بالأول دون الثانى .

وهذا كله فى الصلوات الخمس، أما فى الجمع والأعياد فيجوز الاقتداء بالفاسق اتفاقا، لأنهما يختصان بإمام واحد، فالمنع منهما خلفه يؤدى إلى تفويتهما دون سائر الصلوات (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص ٣٦، مادة"اقتداء")

الصلاة خلف المجاهر بالفسق:يرى الحنفية والشافعية أنه تصح الصلاة مع الكراهة خلف الفاسق بالجارحة، وقالوا :من صلى خلف فاسق يكون محرزا ثواب الجماعة، لكن لا ينال ثواب من يصلى خلف إمام تقى ، ولم يفرقوا بين ما إذا كان الفاسق مجاهرا بفسقه أو لم يكن كذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٦، ص ۱۱۹ ، مادة: مجاهرة)

اختلف الفقهاء فى الصلاة خلف الفاسق:

فيرى الحنفية أنه يصلح للإمامة فى الجملة كل عاقل مسلم، حتى تجوز إمامة العبد والأعرابى والأعمى وولد الزنا والفاسق، وإن كانت مكروهة

وقال المالكية :تصح الصلاة -على المعتمد -مع الكراهة خلف الفاسق بجارحة، كزان وشارب خمر، فإن تعلق فسقه بالصلاة، كقصده الكبر بإمامته، فلا تصح.

ومقابل المعتمد أنها لا تصح خلف الفاسق بجارحة.

والمعتمد أنها تصح خلف المبتدع المختلف فى تكفيره ببدعته، كالحرورى والقدرى

وأما الشافعية فإنهم يجيزون الصلاة وراء الإمام الفاسق، وإنما يكره ذلك خلفه، ومحل كراهة إمامة الفاسق لغير الفاسق، أما لمثله فلا تكره ما لم يكن فسق الإمام أفحش.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور یہی حکم ایسے بدعتی کا بھی ہے، جس پر شرک وکفر کا حکم عائد نہ ہو۔ [1]

حنفی وشافعی وغیرہ کے ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز کا حکم

فقہائے کرام کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص اہل السنۃ والجماعۃ میں سے ہو، اور فروعی اختلاف رکھتا ہو، اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست ہے، جبکہ وہ امام وضو اور نماز کے اختلافی مسائل میں اس مقتدی کے مسلک کی رعایت کرکے نماز پڑھائے۔ [2]

اسی طرح فروعی مسائل میں اختلاف رکھنے والے امام کی اقتداء میں اس صورت میں بھی نماز

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الحنابلة :لا تصح إمامة فاسق مطلقا، أی سواء کان فسقه بالاعتقاد أو بأفعال محرمة، وسواء أعلن فسقه أو أخفاه، لقوله تعالی :(أفمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا لا یستوون) وقول النبی صلی الله علیه وسلم :لا تؤمن امرأة رجلا، ولا یؤم أعرابی مهاجرا، ولا یؤم فاجر مؤمنا، إلا أن یقهره بسلطان یخاف سیفه وسوطه ویعید من صلی خلف فاسق مطلقا(الموسوعة الفقیة الکویتیة، ج۳۲، ص ۱۴۲ ،مادة: فسق، إمامة الفاسق فی الصلاة)

[1] اختلف العلماء فی حکم الصلاة خلف المبتدع .فذهب الحنفیة، والشافعیة، وهو رأی للمالکیة إلی جواز الصلاة خلف المبتدع مع الکراهة ما لم یکفر ببدعته، فإن کفر ببدعته فلا تجوز الصلاة خلفه .واستدلوا لذلک بأدلة منها :قوله صلی الله علیه وسلم صلوا خلف من قال لا إله إلا الله وقوله :صلوا خلف کل بر وفاجر.

وما روی من أن ابن عمر رضی الله عنهما کان یصلی مع الخوارج وغیرهم زمن عبد الله بن الزبیر وهم یقتتلون، فقیل له :أتصلی مع هؤلاء ومع هؤلاء ، وبعضهم یقتل بعضا؟ فقال :من قال حی علی الصلاة أجبته، ومن قال :حی علی الفلاح أجبته .ومن قال :حی علی قتل أخیک المسلم وأخذ ماله قلت :لا.

ولأن المبتدع المذکور تصح صلاته، فصح الائتمام به کغیره.

وذهب المالکیة والحنابلة إلی أن من صلی خلف المبتدع الذی یعلن بدعته ویدعو إلیها أعاد صلاته ندبا، وأما من صلی خلف مبتدع یستتر ببدعته فلا إعادة علیه (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۸، ص ۳۶ و ۳۷، مادة "بدعة")

[2] الاقتداء بمن یخالفه فی الفروع:

لا خلاف بین الفقهاء فی صحة الاقتداء بإمام یخالف المقتدی فی الفروع، إذا کان الإمام یتحامی مواضع الخلاف، بأن یتوضأ من الخارج النجس من غیر السبیلین کالفصد مثلا، ولا ینحرف عن القبلة انحرافا فاحشا، ویراعی الدلک والموالاة فی الوضوء ، والطمأنینة فی الصلاة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۶ ص ۳۶، مادة "اقتداء")

www.idaraghufran.org

پڑھنا درست ہے، جبکہ مقتدی کے علم میں امام کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ آئے کہ جس کی وجہ سے مقتدی کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہو۔ ؎۱

اور اگر مقتدی کے علم میں امام کی طرف سے کوئی ایسی بات آ جائے کہ جو مقتدی کے نزدیک نماز صحیح ہونے کے لئے مانع ہے، لیکن امام کے نزدیک نماز صحیح ہونے کے لئے مانع نہیں، تو مالکیہ اور حنابلہ کے راجح قول کے مطابق اور شافعیہ کی ایک روایت کے مطابق اور بعض مشائخِ حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں مقتدی کی نماز صحیح ہو جاتی ہے، اور دلائل کے لحاظ سے ہمارے نزدیک اب یہی قول راجح ہے، اور اس کے مطابق عمل کر لینے کی گنجائش ہے۔ ؎۲

؎۱ وكذلك يصح الاقتداء بإمام مخالف فى المذهب إذا كان لا يعلم منه الإتيان بما يفسد الصلاة عند المقتدى بيقين، لأن الصحابة والتابعين ومن بعدهم من المسلمين لم يزل بعضهم يقتدى ببعض مع اختلافهم فى الفروع، ولما فيه من وحدة الصف وقوة المسلمين(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص ٣٦، مادة "اقتداء")

؎۲ البتہ مالکیہ کے نزدیک اگر امام نے ایسا رکن ترک کر دیا، جو مقتدی کے گمان کے مطابق نماز میں داخل تھا، تو پھر مقتدی کی نماز درست نہیں ہوگی۔

أما إذا علم المقتدى أن الإمام أتى بمانع لصحة الصلاة فى مذهب المأموم، وليس مانعا فى مذهبه، كترك الدلك والموالاة فى الوضوء ، أو ترك شرطا فى الصلاة عند المأموم، فقد صرح المالكية والحنابلة -وهو رواية عند الشافعية -بصحة الاقتداء ، لأن المعتبر فى شروط الصلاة مذهب الإمام لا المأموم، ما لم يكن المتروك ركنا داخلا فى الصلاة عند المالكية، كترك الرفع من الركوع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص ٣٦،٣٧، مادة "اقتداء")

لو فعل الإمام ما يسوغ عنده، وهو عند المأموم يبطل الصلاة، مثل أن يفتصد ويصلى ولا يتوضأ، أو يمس ذكره، أو يترك البسملة، وهو يعتقد أن صلاته تصح مع ذلك، والمأموم يعتقد أنها لا تصح مع ذلك، فجمهور العلماء على صحة صلاة المأموم، كما هو مذهب مالك وأحمد فى أظهر الروايتين، بل فى أنصهما عنه .وهو أحد الوجهين فى مذهب الشافعى، اختاره القفال وغيره.

واستدل الإمام أحمد لهذا الاتجاه بأن الصحابة -رضوان الله عليهم -كان يصلى بعضهم خلف بعض على اختلافهم فى الفروع .وأن المسائل الخلافية لا تخلو إما أن يصيب المجتهد فيكون له أجران :أجر اجتهاده وأجر إصابته، أو أن يخطء فله أجر واحد وهو أجر اجتهاده، ولا إثم عليه فى الخطأ(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦، ص ٢٨ ،مادة"اقتداء")

واختار الهندوانى وجماعة منهم صاحب النهاية عموم الجوازلان اعتقادالامام انه ليس فى الصلاة ولابناء على المعدوم (غنية المستملى فى شرح منية المصلى المعروف حلبى كبير صفحه٥١٦،فصل فى الامامة)

اور شافعیہ کے اصح قول کے پیشِ نظر اگر امام نے کسی ایسے عمل کا ارتکاب کیا، کہ جو امام کے گمان کے مطابق تو نماز فاسد ہونے کا سبب نہیں تھا، لیکن مقتدی کے گمان کے مطابق نماز فاسد ہونے کا سبب تھا، تو مقتدی کی نماز درست نہیں ہوگی۔ [1]

اور مشائخِ حنفیہ کے اصح یعنی صحیح تر قول کے مطابق جو اکثر مشائخِ حنفیہ کا قول بھی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر مقتدی کو اس بات کا یقین ہو کہ امام نے کوئی ایسی چیز ترک کر دی ہے، جو مقتدی کے گمان کے مطابق فرض تھی، یا اس کی طرف سے ایسے فعل کا صدور ہو گیا ہے، جو مقتدی کے گمان کے مطابق نماز کے لئے فساد کا باعث تھا، اگرچہ امام کے گمان کے مطابق وہ چیز نہ تو فرض تھی، اور نہ ہی نماز کے فساد کا باعث تھی، تو مقتدی کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔

اور اس سلسلہ میں ہماری رائے پہلے قول کے مطابق ہے، جیسا کہ گزرا۔ [2]

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ہماری کتاب ''غیر حنفی کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا حکم'' جدید ایڈیشن مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

وَاللّٰهُ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعۡلَمُ وَعِلۡمُهٗ اَتَمُّ وَاَحۡكَمُ.

---

[1] وفی الأصح عند الشافعية لا يصح الاقتداء اعتبارا بنية المقتدى، لأنه يعتقد فساد صلاة إمامه، فلا يمكن البناء عليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٦، ص ٣٧، مادة "اقتداء")

[2] وقال الحنفية: إن تيقن المقتدى ترك الإمام مراعاة الفروض عند المقتدى لم يصح الاقتداء، وإن علم تركه للواجبات فقط يكره، أما إن علم منه ترك السنن فينبغي أن يقتدى به، لأن الجماعة واجبة، فتقدم على ترك كراهة التنزيه، وهذا بناء على أن العبرة لرأى المقتدى -وهو الأصح- وقيل: لرأى الإمام، وعليه جماعة. قال فی النهاية: وهو الأقيس، وعليه فيصح الاقتداء، وإن كان الإمام لا يحتاط (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص٣٧، مادة "اقتداء")

﴿باب نمبر۵﴾

مریض ومعذور کے اوقاتِ نماز سے متعلق احکام

مرض وعذر کی وجہ سے نماز کے اوقات سے متعلق بھی بعض احکام میں شرعی اعتبار سے گنجائش پائی جاتی ہے،جس کے بارے میں چند احکام ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

عذر کی وجہ سے ایک مثل کے بعد عصر کی نماز پڑھنے کا حکم

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مشہور قول کے مطابق ظہر کی نماز کا وقت اس وقت ختم اور عصر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے،جبکہ کسی چیز کا سایہ،اصلی سایہ کے علاوہ دوگنا ہوجائے،جس کو فقہی زبان میں ''مثلین'' بھی کہا جاتا ہے،اوراس وقت کو''عصرِ حنفی''اور''عصرِ ثانی'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

جبکہ حنفیہ میں سے امام ابو یوسف، امام محمد اور شافعیہ،حنابلہ اور مالکیہ سب کے نزدیک ظہر کا وقت اس وقت ختم اور عصر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے،جبکہ کسی چیز کا سایہ،اصلی سایہ کے علاوہ ایک گنا ہوجائے،جس کو''ایک مثل''اوراس وقت کو''عصرِ شافعی''اور''عصرِ اول'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے،اور یہ قول دلائل کے اعتبار سے بہت مضبوط بھی ہے۔ [1]

---

[1] وأما نهاية وقت الظهر فجمهور الفقهاء ، ومعهم الصاحبان، إلى أن آخر وقت الظهر بلوغ ظل الشيء مثله سوى فيء الزوال، لحديث إمامة جبريل المتقدم وفيه :أنه صلى به الظهر فى اليوم الثانى حين صار ظل كل شيء مثله .

وأما عند أبى حنيفة :حين يبلغ ظل الشيء مثليه سوى فيء الزوال :والمراد بفيء الزوال :الظل الحاصل للأشياء حين تزول الشمس عن وسط السماء ، وسمى فيئا؛ لأن الظل رجع إلى المشرق بعد أن كان فى المغرب، ويختلف ظل الزوال طولا وقصرا وانعداما باختلاف الأزمنة والأمكنة . وكلما بعد المكان من خط الاستواء كلما كان فيء الزوال أطول، وهو فى الشتاء أطول منه فى الصيف.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس اگر کسی وقت عصر کی نماز ایک مثل کے بعد پڑھ لی جائے، تو جائز ہے، خاص طور سے جبکہ کسی عذر مثلاً سفر یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے ایسا کیا جائے، تو عصر کی نماز درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اور عام حالات میں بھی ظہر کی نماز ایک مثل کے اندر ہی اندر پڑھ لینی چاہئے۔ [1]

عذر کی وجہ سے عصر کی نماز تاخیر سے پڑھنے کا حکم

عصر کی نماز کا اداوقت سورج غروب ہونے تک جاری رہتا ہے، اس سے پہلے پہلے جب بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

واستدل أبو حنيفة على أن آخر وقت الظهر بلوغ ظل الشىء مثليه سوى فىء الزوال، بما روى عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال :إنما بقاؤكم فيما سلف قبلكم من الأمم كان بين صلاة العصر إلى غروب الشمس أوتى أهل التوراة التوراة فعملوا حتى انتصف النهار عجزوا، فأعطوا قيراطا قيراطا. ثم أوتى أهل الإنجيل الإنجيل فعملوا إلى صلاة العصر ثم عجزوا فأعطوا قيراطا قيراطا، ثم أوتينا القرآن.

فعملنا إلى غروب الشمس، فأعطينا قيراطين قيراطين، فقال :أهل الكتابين :أى ربنا، أعطيت هؤلاء قيراطين قيراطين، وأعطيتنا قيراطا قيراطا ونحن كنا أكثر عملا؟ قال :قال الله عز وجل :هل ظلمتكم من أجركم من شىء ، قالوا :لا .قال :فهو فضلى أوتيه من أشاء .

دل الحديث على أن مدة العصر أقل من مدة الظهر ولا يكون ذلك إلا إذا كان آخر وقت الظهر المثلين.

واستدل لأبى حنيفة كذلك بحديث أبى سعيد قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :أبردوا بالظهر، فإن شدة الحر من فيح جهنم والإبراد لا يحصل إلا إذا كان ظل كل شىء مثليه، لا سيما فى البلاد الحارة كالحجاز.

والمشهور فى مذهب الشافعى أن الظهر له وقت فضيلة وهو أوله، ووقت اختيار إلى آخره، ووقت عذر لمن يجمع بين الظهر والعصر جمع تأخير، فيصلى الظهر فى وقت العصر عند الجمع.

وذهب مالك إلى أن الوقت الاختيارى للظهر إلى بلوغ ظل كل شىء مثله، ووقته الضرورى حين الجمع بين الظهر والعصر جمع تأخير، فيصلى الظهر بعد بلوغ الظل مثله، إلى ما قبل غروب الشمس بوقت لا يسع إلا صلاة العصر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۷، ص ۱۷۳، مادة ''أوقات الصلاة'')

[1] فتاویٰ رشیدیہ میں ہے کہ:

وقتِ مثل بندہ کے نزدیک زیادہ قوی ہے، روایاتِ حدیث سے ثبوت مثل کا ہوتا ہے، دو مثل کا ثبوت حدیث سے نہیں، بناء علیہ ایک مثل پر عصر ہو جاتی ہے، گو احتیاط دوسری روایت میں ہے (فتاویٰ رشیدیہ مبوب، صفحہ ۳۱۵، کتاب الصلاۃ، باب نماز کے وقتوں کا بیان)

عصر کی نماز پڑھ لی جائے، وہ ادا کہلاتی ہے، لیکن بلا عذر اتنی تاخیر کرنا کہ سورج کی روشنی ماند پڑ جائے، اور سورج غروب ہونے کے قریب ہو جائے، مکروہ ہے، البتہ اگر کسی معقول عذر کی وجہ سے کبھی اتنی تاخیر ہو جائے، تو پھر بھی عصر کی نماز پڑھ لینی چاہئے، وہ نماز ادا ہو جاتی ہے، بلکہ اگر عصر کی نماز پڑھنے کے دوران سورج غروب ہو جائے، تب بھی عصر کی نماز ادا ہو جاتی ہے، اور اس کو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ [1]

عذر کی وجہ سے مغرب کی نماز تاخیر سے پڑھنے کا حکم

مغرب کی نماز کا ادا وقت عشاء کا وقت شروع ہونے تک جاری رہتا ہے، لہٰذا عشاء کا وقت شروع ہونے سے پہلے جب بھی مغرب کی نماز پڑھ لی جائے، وہ ادا کہلاتی ہے۔ [2]

مغرب کی نماز سورج غروب ہونے کے بعد جلد از جلد ادا کر لینا بہتر ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے کچھ تاخیر ہو جائے، تو گناہ نہیں ہے، اور بلا عذر اتنی تاخیر کرنا کہ چھوٹے بڑے ستارے خوب روشن ہو جائیں، اور زمین پر اندھیرا غالب آ جائے، مکروہ ہے۔

---

[1] وأما العصر فتأخيرها أفضل فى الأزمان كلها ما لم تتغير الشمس، لحديث رافع بن خديج أن رسول الله عليه السلام كان يأمرنا بتأخير العصر ولكن يكره تأخيرها إلى أن تتغير الشمس، هكذا ذكر فى الأصل ، فى القدورى .وذكر الطحاوى إلى أن تحمرّ الشمس مع هذا لو صلى جاز؛ لأنه صلى فى الوقت ثم على ما ذكره فى الأصل يعتبر التغير فى عين القرص أو فى الضوء الذى يقع على الجدران و الحائط، قال سفيان وإبراهيم النخعى فى الضوء ، وهكذا حكى الإمام الزاهد أبو بكر بن حامد عن الحاكم الشهيد، وعن أبى حنيفة وأبى يوسف ومحمد فى النوادر أنه يعتبر التغير فى القرص، وبه كان يقول مشايخ بلخ والشيخ الإمام الجليل أبو بكر محمد بن الفضل ببخارى.
ثم تكلموا فى معرفة التغير فى القرص قال بعضهم إذا قامت الشمس للغروب قدر رمحين أو رمح لم تتغير، وإذا صارت أقل من ذلك فقد تغيرت.
وقال بعضهم يوضع طست ماء فى الصحراء وننظر فيه، فإن كان القرص يبدو للناظر، فقد تغيرت، وقال بعضهم :إذا كان بحال يمكنه إحاطة النظر إلى القرص، ولا تحار عيناه فما .....مما تغيرت .
وقال بعض أصحابنا التأخير إلى هذا الوقت مكروه، فأما الفعل فغير مكروه؛ لأنه مأمور بالفعل ولا يستقيم إثبات الكراهة للشىء مع الأمر به(المحيط البرهانى، ج ۱ ص ۲۷۵، كتاب الصلاة، الفصل الثانى فى بيان فضيلة الأوقات)

[2] اور عشاء کا ابتدائی وقت مستند جنتریوں میں دیکھا جا سکتا ہے، جو مختلف موسموں کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔

www.idaraghufran.org

اور ستارے چٹخنے یعنی خوب روشن ہونے کی کیفیت سورج غروب ہونے کے کافی دیر بعد اور عشاء کا وقت شروع ہونے سے کچھ وقت پہلے پیدا ہوتی ہے، جس کا فلکی اعتبار سے اندازہ یہ ہے کہ سورج غروب ہونے سے لے کر عشاء کا وقت شروع ہونے تک جو وقت ہوتا ہے، اس کا دو تہائی وقت گزرنے کے بعد ہی یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے، پس مغرب کی نماز میں بلا عذر اتنی تاخیر کرنا مکروہ ہے، اور عذر کی وجہ سے مکروہ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ عذر کی صورت میں مغرب کی نماز عشاء کا وقت شروع ہونے سے پہلے پہلے جب بھی پڑھ لی جائے، وہ ادا ہو جاتی ہے۔ [1]

---

[1] لا خلاف بين الفقهاء في أن مبدأ وقت المغرب من غروب الشمس، لحديث إمامة جبريل المتقدم، وفيه :أنه صلى به المغرب حين غربت الشمس في اليومين جميعهما.

أما آخر وقتها فعند الحنفية حين يغيب الشفق، وهو مذهب الحنابلة والشافعي في القديم؛ لقوله صلى الله عليه وسلم :وقت صلاة المغرب ما لم يغب الشفق .

والقول المشهور عند المالكية أنه لا امتداد له، بل يقدر بقدر ثلاث ركعات بعد تحصيل شروطها من مكاره حدث وخبث وستر عورة .ولحديث إمامة جبريل المتقدم، وفيه :أنه صلى المغرب بعد غروب الشمس في اليومين جميعا.

ومذهب الشافعي في الجديد :ينقضي وقتها بمضي قدر وضوء وستر عورة وأذان وإقامة وخمس ركعات، وهي ثلاث ركعات المغرب وركعتان سنة بعدها(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷ص ۱۷۴، مادة "اوقات الصلاة)

(و) أخر (المغرب إلى اشتباك النجوم) أي كثرتها (كره) أي التأخير لا الفعل لأنه مأمور به (تحريما) إلا بعذر كسفر، وكونه على أكل(الدرالمختار مع ردالمحتار)

(قوله :إلى اشتباك النجوم) هو الأصح .وفي رواية لا يكره ما لم يغب الشفق بحر أي الشفق الأحمر؛ لأنه وقت مختلف فيه فيقع الشك .وفي الحلية بعد كلام :والظاهر أن السنة فعل المغرب فورا وبعده مباح إلى اشتباك النجوم فيكره بلا عذر اهـ قلت أي يكره تحريما، والظاهر أنه أراد المباح ما لا يمنع فلا ينافي كراهة التنزيه ويأتي تمامه قريبا.

(قوله :أي كثرتها) قال في الحلية :واشتباكها أن يظهر صغارها وكبارها حتى لا يخفى منها شيء ، فهو عبارة عن كثرتها وانضمام بعضها إلى بعض .اهـ.

(قوله : كره) يرجع إلى المسائل الثلاثة قبله ط.

قوله :أي التأخير لا الفعل) فيه كلام يأتي.

(قوله :تحريما) كذا في البحر عن القنية، لكن في الحلية أن كلام الطحاوي يشير إلى أن الكراهة في تأخير العشاء تنزيهيا وهو الأظهر .اهـ.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

عذر کی وجہ سے عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنے کا حکم

عشاء کا ادا وقت طلوعِ فجر یعنی انتہائے سحر تک جاری رہتا ہے، اس سے پہلے پہلے جب بھی عشاء کی نماز پڑھ لی جائے، وہ ادا کہلاتی ہے۔ [1]

البتہ بلا عذر اتنی تاخیر کرنا مکروہ وممنوع ہے کہ آدھی رات بھی گزر جائے، لیکن اگر بیماری یا کسی معقول عذر کی وجہ سے اتنی تاخیر ہوجائے کہ آدھی رات بھی گزر جائے، مگر طلوعِ فجر یعنی انتہائے سحر نہ ہو، تو گناہ نہیں، اور اس وقت تک وہ نماز اداء ہی کہلاتی ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ (قوله :إلا بعذر إلخ) ظاهره رجوعه إلى الثلاثة أيضا لكن ذكر في الإمداد في تأخير العصر إلى الاصفرار عن المعراج أنه لا يباح التأخير لمرض أو سفر اهـ ومثله في الحلية واقتصر في الإمداد وغيره على ذكره الاستثناء في المغرب، وعبارته إلا من عذر كسفر ومرض وحضور مائدة أو غيم .اهـ.

قلت وينبغي عدم الكراهة في تأخير العشاء لمن هو في ركب الحجاج، ثم إن للمسافر والمريض تأخير المغرب للجمع بينها وبين العشاء فعلا كما في الحلية وغيرها :أي بأن تصلي في آخر وقتها والعشاء في أول وقتها، وهو محمل ما روي من جمعه -صلى الله عليه وسلم -بينهما سفرا كما سيأتي.

(قوله :وكونه على أكل) أي لكراهة الصلاة مع حضور طعام تميل إليه نفسه ولحديث إذا أقيمت الصلاة وحضر العشاء فابدء وا بالعشاء رواه الشيخان (ردالمحتار، ج ۱، ص۳۶۸، ۳۶۹، کتاب الصلاة)

واشتباكها كثرتها (تبيين الحقائق ج ۱ ص ۸۴، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة)

والمغرب إلى اشتباك النجوم يكره كراهة تحريم (البحر الرائق، ج ۱، ص ۲۶۱، كتاب الصلاة)

[1] أما نهاية وقت العشاء ، فحين يطلع الفجر الصادق بلا خلاف بين أبي حنيفة وأصحابه، وهو مذهب الشافعية، وغير المشهور عند المالكية؛ لما روي عن أبي هريرة أول وقت العشاء حين يغيب الشفق، وآخره حين يطلع الفجر والمشهور في مذهب المالكية أن آخر وقتها ثلث الليل، لحديث إمامة جبريل المتقدم، وفيه :أنه صلاهما في اليوم الثاني في ثلث الليل.

وذهب الحنابلة إلى أن آخر وقتها الاختياري ثلث الليل، وبعده إلى طلوع الفجر وقت ضرورة، بأن يكون مريضا شفي من مرضه، أو حائضا أو نفساء طهرتا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷ص ۱۷۵، ۱۷۶، مادة "اوقات الصلاة)

[2] أما وقت العشاء المستحب :فعند الحنفية يستحب تأخير العشاء إلى ما قبل ثلث الليل؛ لقول النبي صلى الله عليه وسلم :لولا أن أشق على أمتي لأخرت العشاء إلى ثلث الليل أو نصفه ، والتأخير إلى النصف مباح، وبعد النصف مكروه كراهة تحريمية.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

عذر میں طلوع یا غروب کے وقت فجر یا عصر پڑھنے کا حکم

حنفیہ کے مشہور قول کے برعکس دیگر محدثین وجمہور فقہائے کرام (شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ وغیرہ) کے نزدیک اگرکسی عذر (مثلاً سوتے ہوئے رہنے یا بھول جانے کی وجہ) سے فجر یا عصر کی نماز میں تاخیر ہوگئی اور طلوع یا غروب ہونے میں اتنا وقت باقی رہ گیا کہ عصر کی نماز پڑھنے کے دوران سورج غروب ہوجائے گا، یا فجر کی نماز پڑھنے کے دوران سورج طلوع ہوجائے گا، تو تب بھی عصر اور فجر کی نماز پڑھ لینی چاہیے، اور اگر نماز کے دوران سورج غروب یا طلوع ہوگیا، تو تب بھی اس کی عصر اور فجر کی نماز درست اور فریضہ ادا ہوجاتا ہے، اور یہ نماز باطل یا فاسد شمار نہیں ہوتی، اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والمكروه تحريما عند الحنفية ما يعاقب على فعله عقابا أقل من عقاب تارك الفرض، أعنى أنه يكون بترك واجب عمدا.

ويستحب تعجيلها فى يوم الغيم مظنة المطر أو البرد؛ لأنهما يؤديان إلى تقليل الجماعة .وذهب الحنابلة إلى أنه يستحب تأخيرها إلى آخر الوقت إن لم يشق على المصلين؛ لحديث :لولا أن أشق على أمتى . . .الذى تقدم ذكره قريبا.

أما أوقات الاستحباب عند المالكية والشافعية فقد تقدمت(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷ ص۱۷۸، مادة "اوقات الصلاة)

[1] وفى هذه النصوص كلها :دليل صريح على أن من صلى ركعة من الفجر قبل طلوع الشمس ثم طلعت الشمس أنه يتم صلاته وتجزئه، وكذلك كل من طلعت عليه الشمس وهو فى صلاة الفجر فإنه يتم صلاته وتجزئه، وكذلك كل من طلعت عليه الشمس وهو فى صلاة الفجر فإنه يتم صلاته وتجزئه، وهو قول جمهور العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم(فتح البارى لابن رجب، ج۵ ص۸، كتاب الصلاة،باب من أدرك من الفجر ركعة)

وقال الرافعى احتج الشافعى بهذا الحديث على أن وقت العصر يبقى إلى غروب الشمس واحتج به أيضا على أن من صلى فى الوقت ركعة والباقى خارج الوقت تكون صلاته جائزة مؤداة وعلى أن المعذور إذا زال عذره وقد بقى ن الوقت قدر ركعة كما إذا أفاق المجنون أو بلغ الصبى تلزمه تلك الصلاة وعلى أن من طلعت عليه الشمس وهو فى صلاة الصبح لا تبطل صلاته خلافا لقول

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

محدثین وجمہور فقہائے کرام کے برعکس حنفیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ عصر کی نماز کے دوران سورج غروب ہوجائے، تو عصر کی نماز درست ہوجاتی ہے، اور فجر کی نماز پڑھتے ہوئے سورج طلوع ہوجائے، تو فجر کی نماز درست نہیں ہوتی، اور اس کو دوبارہ پڑھنے کا حکم ہوتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بعضهم قال وفى الجمع بين هذه الاحتجاجات توقف انتهى والبعض المشار إليهم هم الحنفية وقال الشيخ أكمل الدين فى شرح المشارق فى الجواب عنهم فحمل الحديث على أن المراد فقد أدرك ثواب كل الصلاة باعتبار نيته لا باعتبار عمله وإن معنى قوله فليتم صلاته أى ليأت بها على وجه التمام فى وقت آخر قلت وهذا تأويل بعيد يرده بقية طرق الحديث وقد أخرج الدارقطنى من حديث أبى هريرة مرفوعا إذا صلى أحدكم ركعة من صلاة الصبح ثم طلعت الشمس فليصل إليها أخرى قال بن عبد البر لا وجه لدعوى النسخ فى حديث الباب لأنه لم يثبت فيه تعارض بحيث لا يمكن الجمع ولا لتقديم حديث النهى عن الصلاة عند طلوع الشمس وعند غروبها عليه لأنه يحمل على التطوع فائدة روى أبو نعيم فى كتاب الصلاة الحديث بلفظ من أدرك ركعتين قبل أن تغرب الشمس وركعتين بعد ما غابت الشمس لم تفته العصر (تنوير الحوالک شرح موطا مالک للسيوطى، ج ۱، ص ۹ ۱، باب وقوت الصلاة)

لو دخل فى الصبح أو العصر أو غيرهما وخرج الوقت وهو فيها لم تبطل صلاته سواء كان صلى فى الوقت ركعة أو أقل أو أكثر لكن هل تكون أداء أم قضاء فيه خلاف سنوضحه حيث ذكره المصنف إن شاء الله تعالى هذا مذهبنا وبه قال جمهور العلماء.

وقال أبو حنيفة تبطل الصبح لأنها عبادة يبطلها الحدث فبطلت بخروج الوقت فيها كطهارة مسح الخف :دليلنا حديث أبى هريرة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال "من أدرک ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس فقد أدرک العصر ومن أدرک ركعة من الصبح قبل أن تطلع الشمس فقد أدرک الصبح "رواه البخارى ومسلم والجواب عن مسألة الخف أن صلاته إنما بطلت هناک لبطلان طهارته وهنا لم تبطل طهارته والله أعلم (المجموع شرح المهذب، ج۳، ص۴۷، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة)

فصل :ولو طلعت الشمس وهو فى صلاة الصبح، أتمها .وقال أصحاب الرأى :تفسد؛ لأنها صارت فى وقت النهى .ولنا، ما روى أبو هريرة، عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه قال :إذا أدرک أحدكم سجدة من صلاة العصر، قبل أن تغيب الشمس، فليتم صلاته، وإذا أدرک سجدة من صلاة الصبح قبل أن تطلع الشمس، فليتم صلاته .متفق عليه .وهذا نص فى المسألة، يقدم على عموم غيره (المغنى لابن قدامة، ج۲، ص ۸۱، فصل طلعت الشمس وهو فى صلاة الصبح)

[1] (قوله أو طلعت الشمس فى الفجر) يعنى طلوعها مفسد، فإذا طلعت بعدما قعد قدر التشهد قبل أن يسلم فسدت عند أبى حنيفة خلافا لهما.

ولنستطرد ذكر الخلاف حيث لم يذكر فى الكتاب.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

لیکن بعض فقہائے احناف اور بالخصوص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد، حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق فجر کی نماز پڑھتے ہوئے اگر سورج طلوع ہوجائے، تو فجر کی نماز فاسد نہیں ہوتی، بلکہ ادا ہوجاتی ہے، اور ساری نماز کو قضا کردینے کے مقابلہ میں بہتر ہے کہ نماز کا کچھ حصہ اپنے وقت میں ادا کرلیا جائے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فمذهب الشافعي وغيره عدم فساد الصلاة بطلوع الشمس فيها تمسكا بقوله -صلى الله عليه وسلم -من أدرك ركعة من الصبح قبل أن تطلع الشمس فقد أدركها (فتح القدير لابن الهمام، ج ١، ص ٣٨٦، كتاب الصلاة،باب الحدث فى الصلاة)

وإذا أشرقت الشمس وهو فى صلاة الفجر بطلت (مراقى الفلاح، ج ١، ص ٧٦، كتاب الصلاة)

الوجه الثالث :فيه دليل صريح فى أن من صلى ركعة من العصر ثم خرج الوقت قبل سلامه لا تبطل صلاته وهذا بالإجماع، وأما فى الصبح فكذلك عند الشافعي ومالك وأحمد -رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ-، وعند أبى حنيفة -رَحِمَهُ اللَّهُ -تبطل صلاة الصبح بطلوع الشمس فيها (البناية شرح الهداية، ج ٢، ص ٢٣، كتاب الصلاة، باب المواقيت)

[1] اور اسی وجہ سے اگر کوئی عامی شخص سورج طلوع ہونے کے وقت فجر کی نماز پڑھنا چاہے، تو اسے منع نہ کرنا مناسب ہے، کہ کہیں بعد میں بالکل بھی نہ پڑھے۔

وعن أبى يوسف أن من صلى ركعة من الفجر ثم طلعت الشمس لم تفسد صلاته، ولكنه يلبث كذلك إلى أن ترتفع الشمس وتبيض ثم تتم الصلاة(المحيط البرهاني، ج ١ ص ٢٧٨، كتاب الصلاة، الفصل الثالث فى بيان الأوقات التى تكره فيها الصلاة)

وعن أبى يوسف أن الفجر لا يفسد بطلوع الشمس ولكنه يصبر حتى إذا ارتفعت الشمس أتم صلاته وكأنه استحسن هذا ليكون مؤديا بعض الصلاة فى الوقت ولو أفسدناها كان مؤديا جميع الصلاة خارج الوقت وأداء بعض الصلاة فى الوقت أولى من أداء الكل خارج الوقت(المبسوط للسرخسي، ج ١ ص ١٥٢، كتاب الصلاة، باب مواقيت الصلاة)

وعن أبى يوسف رحمه الله أن الفجر لا يفسد بطلوع الشمس ولكنه يصبر حتى إذا ارتفعت الشمس أتم صلاته وكأنه استحسن هذا ليكون مؤديا بعض الصلاة فى الوقت ولو أفسدها كان مؤديا جميع الصلاة خارج الوقت وأداء بعض الصلاة فى الوقت أولى من أداء الكل خارج الوقت كذا فى المبسوط (كشف الاسرار شرح اصول البزدوى، ج ١ ص ٢٢٧، باب تقسيم المأمور به فى حكم الوقت، النوع الاول)

وروى عن أبى يوسف أن الفجر لا تفسد بطلوع الشمس لكنه يصبر حتى ترتفع الشمس فيتم صلاته؛ لأنا لو قلنا كذلك لكان مؤديا بعض الصلاة فى الوقت ، ولو أفسدنا لوقع الكل خارج الوقت ، ولا شك أن الأول أولى والله أعلم(بدائع الصنائع ، ج ١ ص ١٢٧، كتاب الصلاة، فصل شرائط اركان الصلاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

اوراسی لئے بعض مشائخِ احناف نے اس سلسلے میں وارد ہونے والی صحیح اور صریح احادیث کے پیشِ نظر فرمایا کہ اگرچہ عین سورج طلوع ہونے کے وقت نماز پڑھنا منع ہے، لیکن اگر کسی نے فجر کی نماز اس حالت میں پڑھی کہ نماز پڑھنے کے دوران سورج طلوع ہوگیا، تو اس سے فجر کی نماز کا فریضہ درست ہوجائے گا (ملاحظہ ہو: درسِ ترمذی، جلد ۱ صفحہ ۴۳۹، ۴۴۰) [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قوله " :بطلت "وعن أبي يوسف لا تبطل ولكن يصبر حتى إذا ارتفعت الشمس أتم حموى عن كشف الأصول ذكره السيد وروى عن أبي يوسف أيضا جواز الفجر إذا لم يكن تأخيره إلى الطلوع قصدا (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ج ۱، ص ۱۸٦، كتاب الصلاة)

وفى القنية كسالى العوام إذا صلوا الفجر وقت الطلوع لا ينكر عليهم ؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلا ظاهرا ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث والأداء الجائز عند البعض أولى من الترك أصلا (البحر الرائق، ج ۱ ص ۲٦۴، كتاب الصلاة، باب الاوقات المنهى عن الصلاة فيها)

[۱] وانت تعلم مافيه من الاختلال وتزويق المقال فان قولهم النهى عن الافعال الشرعية يقتضى صحتها فى انفسها ينادى باعلى نداء على جواز الصلاتين كلتيهما وان اعتراهما حرمة بعارض التشبه بعبدة الشمس فادعاء المعارضة بينهما باطل، وان قطع النظر عن ذلك فلا وجه لعدم الجواز فى الفجر والجواز فى العصر ، فان الوقت شرط لكلتيهما (الكوكب الدرى، على جامع الترمذى للجنجوهى ج ۱ ص ۱۰۳ ، كتاب الصلاة)

فالمعنىٰ ان من لحق بركعة من الفجر قبل طلوع الشمس فقد ادرك الفجر بمعنى ان النائم مثلا والساهى او المقصر اذا شرع فى الصلاة والباقى من الوقت لم يكن الا قدر ركعة لو صلى واتم صلاته جازت صلاته، واما ان صلاته هل هى مكروهة اولا فامر آخر لم يبحث عنه ههنا وحاصله ان هذه الرواية تبنى عن فراغ الذمة لمن صلى فى شيئ من هذين الوقتين وان لم يخل فعله ذلك من كراهة ولايعارضه حديث النهى عن الصلاة فى الوقتين لان النهى عن الافعال الشرعية لما كان هو المبنى عن صحتها كان مؤدى الروايتين هو الجواز غير ان الرواية الاولىٰ لم تتعرض عن القبح المجاور بخلاف الثانية فانها اظهرت صفة الصلاة فى هذين الوقتين او يقال من ههنا ليست للجنس بل هى ههنا للنوع يعنى اذا ادرك الصبى اواسلم الكافر او طهرت الحائض والنفساء والوقت من الفجر والعصر باق مقدار التحريمة اى التمكن فيه من التحريمة بعد الطهارة فقد ادرك هؤلاء الجماعة الفجر والعصر فوجبت عليهم هذا ولعل الله يحدث بعد ذلك امرا (الكوكب الدرى، على جامع الترمذى للجنجوهى ج ۱ ص ۱۰۵ ، كتاب الصلاة)

قال العبد الضعيف عفا الله عنه: والذى يترجح بحسب الادلة من مجموع الروايات فى المسألة، مع مرعاة اصول الحنفيةهو: جواز الاتمام لمن صلى ركعة من الفجر، او العصر، قبل الطلوع اوالغروب، فان الامر بالامساك عن الصلاة وقطعها فى الفجر انما هو لنهى الصلاة فى الاوقات

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

اور کئی صحیح احادیث کے زیادہ موافق اور فجر اور عصر کی نماز کی اہمیت وتاکید کے پیشِ نظر ہمارے نزدیک بھی یہی موقف راجح ہے کہ سورج کے غروب وطلوع ہونے کے وقت نماز پڑھنا اور عصر وفجر کی نماز میں اتنی تاخیر کرنا گناہ ہے کہ نماز کے دوران سورج غروب یا طلوع ہوجائے، لیکن اگر کسی عذر مثلاً سوتے رہ جانے یا بھول جانے وغیرہ کی وجہ سے تاخیر ہوگئی اور پھر کسی نے عصر کی نماز پڑھنا شروع کی، اور درمیان میں سورج غروب ہوگیا، یا فجر کی نماز پڑھنا شروع کی، اور درمیان میں سورج طلوع ہوگیا، تو اس کی عصر وفجر کی نماز درست قرار دے دی جائے گی، اور اس کو یہ نماز دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ [1]

تفصیلی دلائل کے لئے ہماری دوسری کتاب ''نینداور خواب کے احکام وآداب'' ملاحظہ فرمائیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الثلاث؛، ويعارض هذا النهي النهي عن ابطال العمل، وقد صرح فى الدرالمختار وغيره : انه يلزم نفل شرع فيه قصدا، ولو عند غروب وطلوع واستواء على الظاهر، اى ظاهر الرواية عن الامام، لقوله تعالىٰ: لاتبطلوا اعمالكم، ونقل ابن عابدين عن صاحب البحر ان قطع الصلاة بغير عذر حرام ، فالنهيان : اى النهى عن الصلاة فى الاوقات الثلاثة ، والنهى عن ابطال العمل قد تعارضا، فيبقى حديث الباب ، اى حديث الادراك والاتمام سالما من المعارض، فيحكم به، وبطريق آخر: ان ابطال العمل بغير عذر ممنوع، والعذر فى هذه المسألة عند من قال بقطع الصلاة عندالطلوع انما هو كراهة الوقت، لكن دل احاديث الباب بسائر طرقها ان الشارع لم يعتبر هذا العذر فى حق مدرك الركعة قبل الطلوع، كما دل القياس عند الحنفية على عدم اعتباره فى حق مدرك الركعة قبل الغروب، بل فى حق من شرع العصر فى وقت صحيح، ثم مدها الى الغروب ايضا، فبقى العمل على النهى عن ابطال العمل، فيؤمر باتمام الصلاة فى الفجر والعصر كليهما، والله اعلم (فتح الملهم ، المجلدالرابع ص۲۸۷، باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك)
وجملة الكلام أن الحديث لا يفرق بين الفجر والعصر، وظاهره موافق لما ذهب إليه الجمهور، وتفريق الحنفية باشتمال العصر على الوقت الناقص دون الفجر عمل بإحدى القطعتين وترك للأخرى بنحو من القياس، وذا لا يرد على الطحاوى، فإنه ذهب إلى النسخ بالكلية من الأحاديث التى وردت فى النهى عن الصلاة عند طلوع الشمس وعند غروبها، إلا أن المعروف من مذهب الحنفية خلافه، فإنهم قائلون فى العصر بصحتها (فيض البارى شرح البخارى، ج۲ ص۱۵۸ ، كتاب مواقيت الصلاة، باب من أدرك ركعة من العصر قبل الغروب)

[1] مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل جو طلوع یا غروب کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت پر بہت زور دیا جاتا ہے، بہت سی مساجد میں طلوع کے وقت اعلانات کئے جاتے ہیں، اور بعض مساجد میں طلوع کے وقت مخصوص بلب چلا کر لوگوں کو نماز پڑھنے سے روکا جاتا ہے، اور مزید براں احتیاط کی خاطر طلوع وغروب سے کئی کئی منٹ پہلے یہ عمل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مرض یا عذر کی وجہ سے جمع بین الصلا تین کا حکم

جب کوئی مریض و بیمار ہو، تو اس کو مرض و بیماری کی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک جمع بین الصلا تین کرنا یعنی ایک وقت میں دو وقت کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں، بلکہ ہر نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا ضروری ہے، البتہ اس طرح کرنا جائز ہے کہ ایک نماز کو اس کے آخرت وقت کے اندر پڑھا جائے، اور دوسری نماز کو اس کے شروع کے وقت کے اندر پڑھا جائے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کیا جاتا ہے، اس طرح کا طرزِ عمل غلو پرمبنی ہے، کیونکہ اولاً تو بہت سے لوگ اور گھروں میں خواتین ایسے ہوتے ہیں، جن کی اسی وقت آنکھ کھلتی ہے، اور ایسے لوگوں کو فجر یا عصر کی نماز پڑھتے ہوئے سورج طلوع یا غروب ہوجائے، تو احادیث کی رو سے ان کی نماز درست ہوجاتی ہے، اور ساری نماز کو قضا کردینے سے بہتر یہ ہے کہ کچھ حصہ وقت میں اداء ہوجائے۔

دوسرے، بہت سے عوام ایسے بھی ہوتے ہیں، کہ اگر ان کو اس وقت نماز پڑھنے سے روک دیا جائے، تو پھر وہ دوسرے اوقات میں بھی نماز نہیں پڑھتے، جن کو نماز سے منع نہ کرنے کا حکم بعض مشائخ حنفیہ نے بھی بیان کیا ہے۔

تیسرے احتیاط کو ملحوظ رکھ کر طلوع یا غروب سے جتنی دیر پہلے طلوع یا غروب کا حکم لگادیا جاتا ہے، اتنی دیر میں تو طلوع یا غروب سے پہلے وقت کے اندر ادا نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے، مثلاً پانچ منٹ یا اس سے کچھ کم و بیش وقت پہلے سورج طلوع ہونے کا حکم لگادینے سے، جو لوگ نماز ادا پڑھ سکتے ہیں، وہ بھی رُک جاتے ہیں، اور اس طرح ان کی نماز قضاء ہوجاتی ہے۔

جن اوقاتِ نماز کے نقشوں میں اس طرح کی احتیاط شامل کی گئی ہے، ان سے بھی اس طرح کی خرابی لازم آتی ہے، حالانکہ سورج طلوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سورج کا کنارہ اُفق پر ظاہر ہوچکا ہے، اور سورج غروب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سورج کا اوپر والا کنارہ غائب ہوچکا ہے، اور جب تک سورج کا کچھ حصہ اُفق پر موجود ہے، اس کو غروب کا اور جب تک سورج کا اوپر والا کنارہ اُفق پر ظاہر نہیں ہوا، اس کو طلوع کا نام دینا ہی غلط ہے، اور احتیاط کا معاملہ اس سے الگ ہے، اس پر اہلِ علم حضرات کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد رضوان

ولا نـنهـى كسالى العوام عن صلاة الفجر "وقت الـطـلـوع لأنهم قد يتركونها بالمرة والصحة على قول مجتهد أولى من الترك (مراقى الفلاح، جزء ١ صفحه٧٦، كتاب الصلاة)

(عـنـد الطلوع) أى ظـهـور شـيء مـن جـرم الـشـمـس من الأفق (مجمع الانهر، ج ١، ص ٧٣، كتاب الصلاة، الأوقات المنهى عن الصلاة فيها)

الغروب "هـو أول زمـان بـعـد غيـبـوبة تـمـام جرم الشمس (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ج ١، ص ١٣١، كتاب الصوم)

قوله إذا وجبت أى غابت وأصل الوجوب السقوط والمراد سقوط قرص الشمس (فتح البارى لابن حجر، ج ٢، ص ٤٢، قوله باب وقت المغرب)

والـمـعـنى :إذا سـقـط قـرص الـشـمـس وذهـب فى الأرض وغاب عن أعين الناس (فتح البارى لابن رجب، ج ٤، ص ٣٥١، كتاب مواقيت الصلاة، باب وقت المغرب)

www.idaraghufran.org

لیکن حنابلہ اور بہت سے مالکیہ اور بعض شافعیہ کے نزدیک مریض کو جمع بین الصلاتین جائز ہے، جبکہ نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنے میں مریض کو ضرر وضعف وغیرہ لاحق ہوتا ہو، یا مثلاً تیز بخار کی وجہ سے الگ الگ وقتوں میں نمازوں کو ادا کرنا دشوار ہو، یا دوسرے وقت میں غشی یا غنودگی طاری ہونے کا خدشہ ہو، خواہ جمع تقدیم کی جائے یا جمع تاخیر۔

لیکن یہ یاد رہے کہ ان حضرات کے نزدیک صرف ظہر کی نماز کو عصر کی نماز کے ساتھ اور مغرب کی نماز کو عشاء کی نماز کے ساتھ ہی جمع کر کے پڑھنا جائز ہے، کسی اور نماز کو دوسری نماز کے ساتھ جمع کر کے پڑھنا ان حضرات کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ [1]

---

[1] الجمع بين الصلاتين للمريض:
للفقهاء في مسألة الجمع بين الصلاتين للمريض رأيان .فذهب الحنفية، والشافعية، وبعض المالكية إلى أنه لا يجوز للمريض الجمع بين الصلاتين لأجل المرض، وذلك لأنه لم ينقل عن النبي -صلى الله عليه وسلم -أنه جمع لأجل المرض .
وذهب الحنابلة وبعض المالكية إلى جواز الجمع للمريض بين الصلاتين، ويخير بين التقديم والتأخير، وسواء كان ذلك المرض دوخة أو حمى أو غيرهما(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧،ص ٢٦٥ ،مادة"صلاة المريض")
خامسا :الجمع بين الصلاتين للمرض
اختلف الفقهاء في جواز الجمع بين الصلاتين للمريض :فذهب الحنفية والشافعية في المشهور من المذهب إلى عدم الجواز، واستدل الحنفية بما روى في الصحيحين عن ابن مسعود رضي الله عنه قال :ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى صلاة إلا لميقاتها إلا صلاتين :صلاة المغرب والعشاء بجمع وصلى الفجر يومئذ قبل ميقاتها ولأن أوقات الصلاة قد ثبتت بلا خلاف، ولا يجوز إخراج صلاة عن وقتها إلا بنص غير محتمل، إذ لا ينبغي أن يخرج عن أمر ثابت بأمر محتمل.
وقال الشافعية في المشهور عندهم :لا يجمع لمرض لأنه لم ينقل، ولخبر المواقيت فلا يخالف إلا بصريح(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٦،ص ٣٦٠ ،مادة"مرض")
وذهب الحنابلة وجمهور المالكية وبعض الشافعية -وهو ما اختاره النووي -إلى جواز الجمع بين الصلاتين للمريض، واستدلوا بما ورد عن ابن عباس رضي الله عنهما قال :جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين الظهر والعصر، والمغرب والعشاء من غير خوف ولا مطر، وفي رواية :من غير خوف ولا سفر .
والمراد بالمرض المبيح للجمع عند الحنابلة كما صرح به ابن القيم هو ما يلحقه بتأدية كل صلاة في وقتها مشقة وضعف.
وعند المالكية :يجمع إن خاف أن يغلب على عقله، أو إن كان الجمع أرفق به.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک سفر میں بھی جمع بین الصلاتین کرنا جائز ہے، جس کی تفصیل آگے سفر کے احکام میں آتی ہے۔

جہاں تک بیماری اور سفر کے علاوہ کسی اور عذر میں جمع بین الصلاتین کا معاملہ ہے، تو فقہائے احناف کے نزدیک تو حقیقی اعتبار سے جمع بین الصلاتین کرنا سوائے عرفات اور مزدلفہ کے کہیں اور کسی موقع پر بھی جائز نہیں، خواہ سفر ہو یا بیماری یا کوئی اور وجہ ہو۔

البتہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک سفر اور بیماری کے علاوہ بعض دوسرے حالات واعذار میں بھی ظہر کی نماز کو عصر کی نماز کے ساتھ اور مغرب کی نماز کو عشاء کی نماز کے ساتھ ایک وقت میں جمع کر کے پڑھنا جائز ہے۔

جس کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ:

مالکیہ کے نزدیک ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ، تقدیم اور تاخیر دونوں طرح سے جمع کرنا جائز ہے، سفر کے سبب سے بھی اور بارش کے سبب سے بھی اور سخت اندھیرے کے ساتھ تیز ہوا کے سبب سے بھی، اور مخصوص مرض و بیماری مثلاً بے ہوشی وغیرہ کے سبب سے بھی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وقال الدردير :من خاف إغماء أو حمى نافضا أو دوخة عند دخول وقت الصلاة الثانية -العصر أو العشاء -قدم الثانية عند الأولى جوازا على الراجح، فإن سلم من الإغماء وما بعده وكان قد قدم الثانية أعاد الثانية بوقت ضروري.

وعند الشافعية القائلين بجواز الجمع للمرض يشترط أن يكون المرض مما يبيح الجلوس في الفريضة على الأوجه .

وقال ابن حبيب وابن يونس من المالكية :يجمع جمعا صوريا، وهو أن يجمع آخر وقت الظهر وأول وقت العصر، ويحصل له فضيلة أول الوقت .والمريض -عند الحنابلة والشافعية القائلين بجواز الجمع -مخير في التقديم والتأخير وله أن يراعي الأرفق بنفسه، فإن كان يحم مثلا في وقت الثانية قدمها إلى الأولى بشروطها، وإن كان يحم في وقت الأولى، أخرها إلى الثانية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۶، ص۲۶۰ و ۲۶۱، مادة"مرض")

[1] وعند المالكية للجمع ستة أسباب :السفر، والمطر، والوحل مع الظلمة، والمرض، وبعرفة، ومزدلفة.وزاد الشافعية على ما ذكره المالكية :عدم إدراك العدو.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ مالکیہ کے نزدیک شدید بارش اور برف باری اور کیچڑ وغیرہ کی صورت میں صرف مغرب اور عشاء کو مسجد میں جماعت کے ساتھ جمع تقدیم کرکے پڑھنا جائز ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾وزاد الحنابلة كذلك :الريح الشديدة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷ص ۲۸۸، مادة "صلاة المغرب")

أسباب الجمع بين الصلاتين وشروطه :اتفق مجيزو الجمع تقديما وتأخيرا على جوازه فى أحوال ثلاثة :هى السفر، والمطر ونحوه من الثلج والبرد، والجمع بعرفة والمزدلفة، واختلفوا فيما سواها، وفى شروط صحة الجمع.

فقال المالكية :أسباب الجمع بين الظهر والعصر، والمغرب والعشاء تقديما وتأخيرا ستة :هى السفر، والمطر، والوحل مع الظلمة، والمرض كالإغماء ونحوه، وجمع عرفة، ومزدلفة، وكلها يرخص لها الجمع جوازا للرجل أو المرأة، إلا جمع عرفة ومزدلفة، فهو سنة (الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۲ص ۱۳۷۴ ، الباب الثانى، الفصل العاشر، المبحث الثالث، المطلب الثانى)

۱؎ وأما المرض كالمبطون أوغيره فيجيز الجمع الصورى :بأن يصلى الفرض المتقدم فى آخر وقته الاختيارى، والفرض الثانى فى أول وقته الاختيارى، وفائدته عدم الكراهة .أما الصحيح فله الجمع الصورى مع الكراهة.

ومن خاف إغماء أو دوخة أو حمى عند دخول وقت الصلاة الثانية (العصر أو العشاء) فله تقديم الثانية عند الأولى؛ جوازا على الراجح.

والخلاصة :إن المريض يجمع إن خاف أن يغيب على عقله أو إن كان الجمع أرفق به، ووقته فى وقت الأولى.

وأما المطر أو البرد أو الثلج، أو الطين مع الظلمة الواقع أو المتوقع :فيجيز جمع التقديم فقط لمن يصلى العشاء ين (المغرب والعشاء) بجماعة فى المسجد، إذا كان المطر غزيرا يحمل أوساط الناس على تغطية رؤوسهم، والوحل أو الطين كثيرا يمنع أواسط الناس من لبس المداس .ولا يجوز الجمع إلا باجتماع الوحل مع الظلمة، لا بأحدهما فقط.

ولو انقطع المطر بعد الشروع فى الجمع، جاز الاستمرار فيه.

والمشهور أن يكون هذا الجمع بأذان وإقامة لكل واحدة من الصلاتين ويكون الأذان الأول للمغرب على المنارة بصوت مرتفع والثانى بصوت منخفض فى المسجد، لا على المنارة، ويؤخر البدء بالمغرب ندبا بعد الأذان بقدر ثلاث ركعات، ثم ينصرف الناس إلى منازلهم من غير تنفل فى المسجد؛ لأن النفل حينئذ مكروه، فلا نفل بعد الجمع فى المسجد، ولا وتر حتى يغيب الشفق.

ولا يتنفل بين الصلاتين، والنفل مكروه لا يمنع صحة الجمع، ولا يجوز هذا الجمع لجار المسجد، ولو كان مريضا يشق عليه الخروج للمسجد، أو كان امرأة ولا يخشى منها الفتنة.

وكذلك لا يجوز هذا الجمع لمن صلى منفردا فى المسجد إلا أن يكون إماما راتبا له منزل ينصرف إليه، فإنه يجمع وحده، وينوى الجمع والإمامة؛ لأنه ينزل منزلة الجماعة.

وتجب نية الجمع فى الصلاة الأولى كنية الإمامة (الفقه الاسلامى وادلتهٗ للزحيلى، ج۲ص ۱۳۷۶ ، ۱۳۷۷ ، الباب الثانى، الفصل العاشر، المبحث الثالث، المطلب الثانى)

Idara Ghufran

اورشوافع کے نزدیک سخت بارش اور شدید برف باری اور شدید سردی جیسے اعذار کے سبب سے جمع بین الصلاتین جائز ہے، لیکن اس کے لئے کچھ شرائط مقرر ہیں، مثلاً یہ کہ پہلی نماز پڑھتے وقت ہی دوسری نماز کو جمع کر کے پڑھنے کی بھی نیت کی ہو، اور یہ کہ پہلی نماز کو پہلے اور بعد والی کو اس کے بعد پڑھے، اور یہ کہ دونوں نمازوں کو بلافصل پڑھے، یعنی درمیان میں طویل فصل نہ کرے، اور یہ کہ جمع بین الصلاتین کرتے وقت دوسری نماز شروع کرنے تک وہ عذر جاری رہے، جس کی بناء پر جمع بین الصلاتین کر رہا ہے۔
اور یہ کہ اگر جمع تقدیم کر رہا ہو، تو دوسری نماز شروع کرنے تک پہلی نماز کا وقت باقی ہو۔ [1]

---

[1] اگر جمعہ کے وقت تیز بارش ہو، اور عصر کی نماز کے لئے دوبارہ جمع ہونا مشکل ہو، تو شافعیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز کے ساتھ عصر کو جمع کر کے پڑھنا بھی جائز ہے۔

الشافعية:أجازوا الجمع فقط فى السفر والمطر والحج بعرفة ومزدلفة.
أما الجمع بسبب المطر أو الثلج والبرد الذائبين :فالأظهر جوازه تقديما لمن صلى بجماعة فى مسجد بعيد، وتأذى بالمطر فى طريقه، والمذهب الجديد منع جمع التأخير فيه؛ لأن استدامة المطر غير متيقنة فقد ينقطع، فيؤدى إلى إخراج الصلاة عن وقتها من غير عذر.
ودليلهم على جواز جمع التقديم :ما فى الصحيحين عن ابن عباس صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة الظهر والعصر جميعا، والمغرب والعشاء جميعا زاد مسلم من غير خوف ولا سفر .وشرط جواز التقديم :وجود المطر عند السلام من الصلاة الأولى، ليتصل المطر بأول الثانية، فلا بد من امتداده بينهما، ولا يضر انقطاعه فيما عدا ذلك.
ويجمع العصر مع الجمعة فى المطر جمع تقديم، وإن لم يكن موجودا حال الخطبة؛ لأنها ليست من الصلاة.
والمشهور فى المذهب عدم جواز الجمع بسبب الوحل والريح والظلمة والمرض لحديث مواقيت الصلاة، ولايجوز مخالفته إلا بنص صريح.
و لأن النبى صلى الله عليه وسلم مرض أمراضا كثيرة، ولم ينقل جمعة بالمرض صريحا.
ولأن من كان ضعيفا ومنزله بعيدا عن المسجد بعدا كثيرا، لا يجوز له الجمع، مع المشقة الظاهرة، فكذا المريض.
ويندب جمع التقديم للحاج بعرفة، وجمع التأخير بمزدلفة، كما قال المالكية.
وأما الجمع بسبب السفر فيجوز تقديما وتأخيرا إذا كان السفر طويلا كما فى القصر.
ويشترط لجمع التقديم ستة شروط :الأول ـ نية الجمع :أى أن ينوى جمع التقديم، فى أول الصلاة الأولى، وتجوز فى أثنائها فى الأظهر، ولو مع السلام منها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورحنابلہ کے نزدیک بھی سفراورمرض کے علاوہ بعض دوسرے مخصوص اعذارمیں مثلاً جان یا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الثانی ــ الترتيب أى البداء ة بالأولى صاحبة الوقت :وهو أن يقدم الأولى، ثم يصلى الثانية؛ لأن الوقت للأولى، وإنما يفعل الثانية تبعا للأولى، فلا بد من تقديم المتبوع، فلو صلاهما مبتدئا بالأولى، فبان فسادها بفوات شرط أو ركن، فسدت الثانية أيضا، لانتفاء شرطها من البداء ة بالأولى، ولكن تنعقد الثانية نافلة على الصحيح.

الثالث ــ الموالاة أى التتابع بألا يفصل بينهما فاصل طويل؛ لأن الجمع يجعلهما كصلاة واحدة، فوجب الولاء كركعات الصلاة أى فلا يفرق بينهما، كما لا يجوز أن يفرق بين الركعات فى صلاة واحدة، فإن فصل بينهما بفصل طويل ولو بعذر كسهو وإغماء ، بطل الجمع، ووجب تأخير الصلاة الثانية إلى وقتها، لفوات شرط الجمع، وإن فصل بينهما بفصل يسير، لم يضر، كالفصل بينهما بالأذان والإقامة والطهارة، لما فى الصحيحين عن أسامة :أن النبى صلى الله عليه وسلم لما جمع بنمرة، أقام للصلاة بينهما.

ويعرف طول الفصل بالعرف؛ لأنه لا ضابط له فى الشرع ولا فى اللغة.

وللمتيمم الجمع بين الصلاتين على الصحيح، كالمتوضء، فلايضر تخلل طلب خفيف للماء ؛ لأن ذلک من مصلحة الصلاة، فأشبه الإقامة، بل أولى؛ لأنه شرط دونها.

ويلاحظ أن هذه الشروط الثلاثة (نية الجمع، والترتيب والموالاة) لا تجب فى جمع التأخير على الصحيح.

الرابع ــ دوام السفر إلى الإحرام بالصلاة الثانية، حتى ولو انقطع سفره بعد ذلک أثناء ها .أما إذا نقطع سفره قبل الشروع فى الثانية، فلا يصح الجمع، لزوال السبب.

الخامس ـ بقاء وقت الصلاة الأولى يقينا إلى عقد الصلاة الثانية.

السادس ـ ظن صحة الصلاة الأولى :فلو جمع العصر مع الجمعة فى مكان تعددت فيه لغير حاجة، وشک فى السبق والمعية، لا يصح جمع العصر معها جمع تقديم.

ويشترط لجمع التأخير شرطان فقط:

الأول ـ نية التأخير قبل خروج وقت الصلاة الأولى، ولو بقدر ركعة :أى بزمن لو ابتدئت فيه، كانت أداء .وإلا فيعصى، وتكون قضاء .ودليل اشتراط النية :أنه قد يؤخر للجمع، وقد يؤخر لغيره، فلا بد من نية يتميز بها التأخير المشروع عن غيره.

الثانی ــ دوام السفر إلى تمام الصلاة الثانية، فإن لم يدم إلى ذلک بأن أقام ولو فى أثنائها، صارت الأولى (وهى الظهر أو المغرب) قضاء ؛ لأنها تابعة للثانية فى الأداء للعذر، وقد زال قبل تمامها.

أما الترتيب :فليس بواجب؛ لأن وقت الثانية وقت الأولى، فجاز البداية بما شاء منهما .وأما التتابع: فلا يجب أيضا؛ لأن الأولى مع الثانية كصلاة فائتة مع صلاة حاضرة، فجاز التفريق بينهما .وإنما الترتيب والتتابع سنة، وليس بشرط.

أما سنة الصلاة :فإذا جمع الظهر والعصر قدم سنة الظهر التى قبلها، وله تأخيرها، سواء أجمع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مال کے نقصان کے پیشِ نظر جمع بین الصلاتین جائز ہے۔ ۲

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

تقديما أم تأخيرا، ولو توسيطها إن جمع تأخيرا، سواء قدم الظهر أم العصر .وإذا جمع المغرب والعشاء، أخر سنتهما، وله توسيط سنة المغرب إن جمع تأخيرا، وقدم المغرب، وتوسيط سنة العشاء إن جمع تأخيرا وقدم العشاء .وما سوى ذلک ممنوع(الفقه الاسلامی وادلتهٗ للزحيلی، ج۲ص۱۳۷۷ الیٰ ۱۳۸۰، الباب الثانی، الفصل العاشر، المبحث الثالث، المطلب الثانی)

۲ حنابلہ کے نزدیک جمع بین الصلاتین کے اعذار کی مثالیں یہ ہیں: ہر نماز کے پانی کے استعمال یا تیمّم سے عاجز ہونا، یا دودھ پلانے والی عورت کا دوسری نماز کے وقت پاکی سے قاصر ہونا، یا نابینا وغیرہ ہونے اور نماز کا وقت شروع اور ختم ہونے کا علم ہونے سے عاجز ہونا، یا استحاضہ یا سلسل البول وغیرہ کا عارضہ لاحق ہونا، یا جان، مال وغیرہ کے تلف یا سخت معاشی تنگی میں مبتلا ہونا یا ایسا عذر کہ جس کی بناء پر ترکِ جماعت جائز ہے، اس طرح کے اعذار میں حنابلہ کے نزدیک جمع تقدیم وتاخیر دونوں جائز ہیں۔

البتہ حنابلہ کے نزدیک بارش کی وجہ سے مالکیہ کی طرح مغرب اور عشاء کے درمیان ہی جمع کرنا جائز ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی ڈاکٹر مریض کے آپریشن میں مصروف ہے، جس کو درمیان میں چھوڑنا نقصان کا باعث ہے، تو حنابلہ کے نزدیک اس کو بھی جمع بین الصلاتین جائز ہے، کیونکہ اس کو ترکِ جماعت جائز ہے، فقہائے کرام نے تیمارداری میں مشغول کو ترکِ جماعت کی اجازت دی ہے، اور اس طرح کے علاج ومعالجہ میں مصروف ڈاکٹر کا درجہ عام تیماردار سے زیادہ ہے، مگر یہ تمام بحث ظہر کی نماز کو عصر کے ساتھ اور مغرب کی نماز کو عشاء کی نماز کے ساتھ تقدیماً وتاخیراً جمع کرنے تک محدود ہے۔ محمد رضوان۔

الحنابلة :يجوز جمع التقديم والتأخير فی ثمان حالات:

إحداها ـ السفر الطويل المبيح للقصر، أی قصر الصلاة الرباعية :بأن يكون السفر غير حرام ولا مكروه، ويبلغ مسافة يومين، لأنه أی الجمع رخصة تثبت لدفع المشقة فی السفر، فاختصت بالطويل كالقصر والمسح ثلاثا.

الثانية ـ المرض :الذی يؤدی إلى مشقة وضعف بترک الجمع، لأن النبی صلى الله عليه وسلم جمع من غير خوف ولا مطر وفی رواية من غير خوف ولا سفر، ولا عذر بعد ذلک إلا المرض، واحتج أحمد بأن المرض أشد من السفر .والمريض مخير فی التقديم والتأخير كالمسافر، فإن استوى عنده الأمران فالتأخير أولى.

الثالثة ـ الإرضاع :يجوز الجمع لمرضع، لمشقة تطهير النجاسة لكل صلاة، فهی كالمريضة.

الرابعة ـ العجز عن الطهارة بالماء أو التيمم لكل صلاة :يجوز الجمع لعاجز عنهما، دفعا للمشقة؛ لأنه كالمسافر والمريض.

الخامسة ـ العجز عن معرفة الوقت :يجوز الجمع لعاجز عن ذلک كالأعمى.

السادسة ـ الاستحاضة ونحوها :يجوز الجمع لمستحاضة ونحوها كصاحب سلس بول أو مذی أو رعاف دائم ونحوه، لما جاء فی حديث حمنة السابق حين استفتت النبی صلى الله عليه وسلم فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور حنابلہ کے نزدیک مذکورہ اعذار میں جمع تقدیم کے ساتھ دونوں نمازوں کو جمع کرنے کی ایک شرط تو یہ ہے کہ دونوں نمازوں کو ترتیب کے ساتھ پڑھے، یعنی پہلی نماز کو پہلے اور بعد والی نماز کو بعد میں پڑھے، اور ایک شرط یہ ہے کہ پہلی نماز شروع کرتے وقت ہی جمع بین الصلاتین کی نیت ہو، اور ایک شرط یہ ہے کہ دونوں نمازوں کو پے در پے پڑھے اور دونوں نمازوں کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الاستحاضة، حيث قال فيه :فإن قويت على أن تؤخرى الظهر، وتعجلى العصر، فتغتسلين وتجمعين بين الصلاتين، فافعلى ومن به سلس البول ونحوه فى معناها.

السابعة والثامنة :العذر أو الشغل :يجوز لمن له شغل، أو عذر يبيح ترك الجمعة والجماعة، كخوف على نفسه أو حرمته أو ماله، أو تضرر فى معيشة يحتاجها بترك الجمع ونحوه .وهذا منفذ يلجأ إليه العمال وأصحاب المزارع للسقى فى وقت النوبة (أو الدور)

والجمع للمطر :جائز بين المغرب والعشاء ، كما قال المالكية، لما قال أبو سلمة ابن عبد الرحمن: إن من السنة إذا كان يوم مطير أن يجمع بين المغرب والعشاء وهذا ينصرف إلى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم.

ولا يجوز الجمع بين الظهر والعصر، لقول أبى سلمة السابق، فلم يرد إلا فى المغرب والعشاء .

والجمع للمطر يكون فى وقت الأولى، لفعل السلف، ولأن تأخير الأولى إلى وقت الثانية يفضى إلى لزوم المشقة والخروج فى الظلمة، أو طول الانتظار فى المسجد إلى دخول وقت العشاء .وإن اختار الناس تأخير الجمع جاز .والمطر المبيح للجمع :هو ما يبل الثياب، وتلحق المشقة بالخروج فيه.

والثلج والبرد كالمطر فى ذلك .أما الطل والمطر الخفيف الذى لا يبل الثياب فلا يبيح.

وأما الوحل بمجرده فهو عذر فى الأصح؛ لأن المشقة تلحق بذلك فى النعال والثياب، كما تلحق بالمطر؛ لأن الوحل يلوث الثياب والنعال، ويعرض الإنسان للزلق فيتأذى به بنفسه وثيابه، وذلك أعظم من البلل.

وأما الريح الشديدة فى الليلة المظلمة الباردة :فيبيح الجمع فى الأصح؛ لأن ذلك عذر فى الجمعة والجماعة، روى نافع عن ابن عمر، قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينادى مناديه فى الليلة المطيرة أو الليلة الباردة ذات الريح :صلوا فى رحالكم .

وهذه الأعذار كلها تبيح الجمع تقديما وتأخيرا، حتى لمن يصلى فى بيته، أو يصلى فى مسجد ولو كان طريقه مسقوفا، ولمقيم فى المسجد ونحوه كمن بينه وبين المسجد خطوات يسيرة، ولو لم ينله إلا مشقة يسيرة.

وفعل الأرفق من جمع التقديم أو التأخير لمن يباح له أفضل بكل حال، لحديث معاذ السابق، المتضمن التخيير بحسب الحاجة بين التقديم والتأخير ، وروى مالك عن معاذ :وأخر النبى صلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

درمیان میں اقامت اور ہلکے پھلکے وضو کی مقدار سے زیادہ فاصلہ نہ کرے، اور ایک شرط یہ ہے کہ دونوں نمازوں کو شروع کرتے وقت اور پہلی نماز کے سلام کے وقت تک وہ عذر موجود ہو، جس کی بناء پر جمع بین الصلاتین کیا جارہا ہے، اور ایک شرط یہ ہے کہ اگر سفر یا مرض کی وجہ سے جمع کررہا ہے، تو دوسری نماز کے فارغ ہونے تک وہ عذر جاری ہو۔ [1]

اور حنابلہ کے نزدیک مذکورہ اعذار میں جمع تاخیر کے ساتھ دونوں نمازوں کو جمع کرنے کی ایک

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الله عليه وسلم الصلاة يوما فى غزوة تبوك، ثم خرج فصلى الظهر والعصر جميعا، ثم دخل ثم خرج، فصلى المغرب والعشاء جميعا ، فإن استويا فالتأخير أفضل لأنه أحوط، وفيه خروج من الخلاف، وعمل بالأحاديث كلها.

قال ابن تيمية :جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين الصلاتين فى السفر والحضر أيضا لئلا يحرج أمته، روى مسلم وغيره عن ابن عباس أنه قال :صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الظهر والعصر جميعا، والمغرب والعشاء جميعا من غير خوف ولا سفر .

لكن الجمع فى أثناء الحج يكون تقديما بين الظهر والعصر فى عرفة، وتأخيرا فى المزدلفة بين المغرب والعشاء ، لفعله صلى الله عليه وسلم، لاشتغاله وقت العصر بعرفة بالدعاء ، ووقت المغرب ليلة المزدلفة بالسير إليها (الفقه الاسلامی وادلتهٗ للزحيلی، ج۲ص ۱۳۸۰ الیٰ ۱۳۸۳، الباب الثانی، الفصل العاشر، المبحث الثالث، المطلب الثانی)

[1] شروط الجمع :يشترط لصحة الجمع مطلقا تقديما وتأخيرا :مراعاة الترتيب بين الصلوات، فيقدم الأولى على الثانية، ولا يسقط ـ على الصحيح فى المذهب ـ الترتيب هنا بالنسيان، كما يسقط فى قضاء الفوائت.

ويشترط لصحة جمع التقديم شروط أربعة أخرى:

الأول ـ نية الجمع عند الإحرام بالصلاة الأولى :لحديث إنما الأعمال بالنيات.

الثانى ـ الموالاة :فلا يفرق بين المجموعتين إلا بقدر الإقامة والوضوء الخفيف؛ لأن معنى الجمع المتابعة والمقارنة، ولا يحصل ذلک مع التفريق الطويل، والخفيف أمر يسير وهو معفو عنه، وهما من مصالح الصلاة.

الثالث ـ وجود العذر المبيح للجمع من سفر أو مرض ونحوه عند افتتاح الصلاتين المجموعتين، وعند سلام الأولى؛ لأن افتتاح الأولى من موضع النية وفراغها، وافتتاح الثانية موضع الجمع، فلو انقطع المطر، ولم يوجد وحل بعده قبل ذلک، بطل الجمع.

الرابع ـ دوام العذر إلى فراغ الثانية شرط فى السفر والمرض :فلو انقطع السفر قبل ذلک، بطل الجمع .ولا يشترط دوام العذر إلى فراغ الثانية فى جمع مطر ونحوه كثلج وبرد إن خلفه وحل (الفقه الاسلامی وادلتهٗ للزحيلی، ج۲ص ۱۳۸۴ ، الباب الثانی، الفصل العاشر، المبحث الثالث، المطلب الثانی)

Idara Ghufran

شرط یہ ہے کہ پہلی نماز کے وقت میں ہی جمع کرنے کی نیت کی ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ دوسری نماز کا وقت داخل ہونے تک وہ عذر باقی رہے۔

اور حنابلہ کے نزدیک جمع تاخیر کی صورت میں دونوں نمازوں کے درمیان سنت ونوافل کا فاصلہ ہونے میں حرج نہیں۔ ۱

جب کوئی ایسا مرض وعذر ہو کہ جمع بین الصلاتین کئے بغیر نماز کا ترک کرنا یا اپنے وقت پر پڑھنے میں شدید مشقت کا لاحق ہونا لازم آتا ہو، تو ہماری دیانت دارانہ رائے کے مطابق شافعیہ وحنابلہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے ظہر کی نماز کو عصر کی نماز کے ساتھ اور مغرب کی نماز کو عشاء کی نماز کے ساتھ ادا کر لینے کی گنجائش دی جا سکتی ہے۔ ۲

---

۱ ويشترط لجمع التأخير شرطان:

الأول ـ نية الجمع في وقت الصلاة الأولى ما لم يضق وقتها عن فعلها، فإن ضاق وقت الأولى عن فعلها، لم يصح الجمع؛ لأن تأخيرها إلى القدر الذي يضيق عن فعلها حرام، ويأثم بالتأخير.

الثاني ـ استمرار العذر إلى دخول وقت الثانية؛ لأن المجوز للجمع العذر، فإذا لم يستمر، وجب ألا يجوز، لزوال المقتضي، كالمريض يبرأ، والمسافر يقدم، والمطر ينقطع .ولا أثر لزوال العذر بعد دخول وقت الثانية؛ لأنهما صارتا واجبتين في ذمته، فلا بد له من فعلهما.

ويشترط الترتيب في كل من الجمعين، كما قدمنا .ولا تشترط الموالاة في جمع التأخير، فلا بأس بالتطوع بينهما، كما لا تشترط نية الجمع في الثانية؛ لأنها مفعولة في وقتها، فهي أداء بكل حال.

ولا يشترط في نوعي الجمع اتحاد إمام ولا مأموم، فلو تنوع الإمام في صلاتي الجمع، أو نوى الجمع إماما بمن لا يجمع، صح الجمع؛ لأن لكل صلاة حكم نفسها، وهي منفردة بنيتها.

وإذا بان فساد الأولى بعد الجمع بنسيان ركن أو غيره، بطلت الأولى والثانية.

السنن :إذا جمع في وقت الأولى :فله أن يصلي سنة الثانية منهما، ويوتر قبل دخول وقت الثانية؛ لأن سنتها تابعة لها، فيتبعها في فعلها ووقتها .وبما أن وقت الوتر :ما بين صلاة العشاء إلى صلاة الصبح، وقد صلى العشاء ، فإن وقته يدخل بعد صلاة العشاء جمعا(الفقه الاسلامی وادلتہ للزحيلي، ج۲ص ۱۳۸۵، الباب الثاني، الفصل العاشر، المبحث الثالث، المطلب الثاني)

۲ آج کل لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وہ مخصوص بیماری اور دوسرے اعذار میں نمازوں کا اہتمام نہیں کرتے، لیکن اگر ان کو جمع بین الصلاتین کی اجازت دی جائے، تو وہ نماز پڑھ سکتے ہیں، ایسے لوگوں کو بعض فقہائے کرام کے اقوال کے مطابق جمع بین الصلاتین کر کے نماز ادا کر لینا اہون ہے، بنسبت نماز کے بالکلیہ ترک کرنے کے۔

ولا ننهى كسالى العوام عن صلاة الفجر وقت الطلوع لأنهم قد يتركونها بالمرة والصحة على قول مجتهد أولى من الترك (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح، ج ا ،ص ٧٦، كتاب الصلاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مذکورہ تفصیل تو بیماری اور دوسرے اعذار میں جمع بین الصلاتین کی ذکر کی گئی اور سفر میں جمع بین الصلاتین کی تفصیل آگے سفر کے احکام میں ذکر کردی گئی ہے، وہاں ملاحظہ فرمالی جائے۔

غیر معتدل علاقوں میں نماز کے اوقات کا حکم

جن علاقوں میں دن اور رات کی پانچوں نمازوں کے اوقات چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر پورے ہوجاتے ہیں، لیکن بعض اوقات دن کے غیر معمولی لمبا اور رات کے غیر معمولی چھوٹا یا رات کے غیر معمولی لمبا اور دن کے غیر معمولی چھوٹا ہونے کے باعث نمازوں کے اوقات مختصر ہوجاتے ہیں، یا مکمل رات کی تاریکی نہیں آتی، مثلاً سورج غروب ہونے کے بعد شفقِ ابیض غروب نہیں ہوتی، اور اسی حال میں مغرب سے سمت تبدیل کر کے مشرق کی طرف منتقل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومما ينشأ من الجهل والتعصب تفويت فرض من فروض الله تعالى مع إمكان اقامته على رأى مجتهد جليل بل رأى جمع من المجتهدين وذلك أن جهلة المتعصبين يمتنعون ويمنعون من جمع الصلاتين فى السفر الذى ذهب إلى جوازه الإمام الشافعي وغيره من صدر الإسلام رحمة الله عليهم ويؤدى ذلك إلى تفويت الفرض رأسا وذلك إنهم لما يعزمون على السير عند الزوال مثلا فيصلون الظهر لأول وقتها ويمتنعون من جمع العصر اليها فيركبون ويسيرون بناء على إنهم قد لا يتهيأ لهم النزول إلا مع المغرب أو الغروب بحيث لا يتسع الوقت إلى الطهارة والصلاة وخصوصا فى حق من تتعسر الطهارة عليه فتفوتهم الفرصة وقد كانوا يمكنهم أداؤها فى المنزل فى المكان الذى كانوا به مجموعة جمع تقديم إلى الظهر على مذهب الإمام الشافعي رحمة الله عليه وعلى مذهب غيره ممن جوز الجمع لأجل السفر فيمتنعون عن ذلك ويرضون بتفويتها ولا يرضون بفعلها على مذهب مجتهد يجوز لهم أو يجب عليهم اتباعه والحال ما قرر لأن تحصيل الفرض من وجه مقدم على تفويته من كل وجه وما هذا إلا محض التعصب والجهل وقد ذكر الإمام الأجل ظهير الدين الكبير المرغينانى عن أستاذه السيد الإمام أبى شجاع رحمه الله تعالى انه سئل شمس الأئمة الحلوانى عن كسالى بخارى أنهم يصلون الفجر والشمس طالعة فهل نمنعهم من ذلك فقال لا يمنعون لأنهم لوا منعوا يتركونها أصلا ظاهرا أى مما يظهر من حالهم ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث ولا شك أن الاداء الجائز عند البعض أولى من الترك أصلا هذا جواب الحلوانى وناهيك به إذ هو شيخ المذهب فى عصره تخرج به الفحول النظار من أئمتنا كشمس الأئمة السرخسى وفخر الإسلام البزودى صاحب المبسوطين وأضرابهم من رؤساء المذهب الذين هم قدماء الدهر وعظماء ما وراء النهر(القول السديد فى بعض مسائل الاجتهاد والتقليد،لمحمد بن عبد العظيم المكى الرومى المورى الحنفى،ص ۱۳۱ الى ۱۳۶، الفصل الاول)

ہوجاتی ہے، اور فجر کا وقت آ جاتا ہے (جس کا مطلب جمہور فلکیین کے نزدیک یہ ہے کہ سورج اٹھارہ درجے اُفق سے نیچے نہیں جاتا) البتہ شفقِ احمر غروب ہوجاتی ہے۔

ان علاقوں میں عشاء سمیت دوسری نمازوں کا مسئلہ تو آسان ہے، کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ صاحبین اور دوسرے فقہاء کے نزدیک شفقِ احمر کے غروب ہونے پر عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

لہٰذا ایسے علاقوں میں ان فقہائے کرام کے قول کے مطابق شفقِ احمر غروب ہونے کے بعد عشاء کی نماز پڑھ لینا بلاشک وشبہ درست ہوگا۔

اسی طرح جن علاقوں میں زوال کے بعد جلدی سورج غروب ہوجاتا ہے، ان علاقوں میں بھی زوال کے بعد ظہر کی نماز ادا کرکے ایک مثل کے بعد عصر کی نماز پڑھ لینا درست ہوگا، کیونکہ جمہور فقہاء کے نزدیک ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

اور جن نمازوں کے اوقات بہت مختصر ہوں (جیسا کہ سڑسٹھ درجہ عرض البلد پر بعض زمانوں میں دن کا دورانیہ مختصر ہوجاتا ہے) تو نمازوں کو ان کے اوقات ہی میں ادا کیا جائے گا، خواہ چند نمازوں کو ان کے قریب قریب اوقات میں کیوں نہ پڑھنا پڑے (جیسا کہ جمع بین الصلاتین میں بھی ہوتا ہے) اور خواہ وہ اوقات اتنے مختصر کیوں نہ ہو کہ ان اوقات میں صرف فرض کی رکعات پڑھنے کی ہی گنجائش ہو (اور سنتیں وقت گزرنے کے بعد پڑھنی پڑیں)

البتہ اگر وقت اتنا تنگ ہو کہ فرضوں کی رکعات بھی ادا نہ کی جاسکیں، تب بھی احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ فرض نماز کو اپنے وقت میں شروع کردیا جائے، اگرچہ اس کا اختتام وقت گزرنے کے بعد ہی کیوں نہ ہو "كما في العصر اذا غربت الشمس ، والفجر اذا طلعت عند اكثر الفقهاء" [۱]

---

[۱] (قوله :ولا ينوى القضاء إلخ) قد علمت ما أورده الزيلعي عليه من أنه يلزم من عدم نية القضاء أن يكون أداء ضرورة إلخ، فيتعين أن يحمل كلام البرهان الكبير على وجوب القضاء كما كان يقول به الحلواني .وقد يقال :لا مانع من كونها لا أداء ولا قضاء كما سمى بعضهم ما وقع بعضها في الوقت أداء وقضاء ،لكن المنقول عن المحيط وغيره أن الصلاة الواقع بعضها في الوقت وبعضها خارجه يسمى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور جن علاقوں میں چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر پانچ نمازوں کے تمام یا بعض معروف اوقات سِرے سے نہیں آتے (مثلاً شفقِ احمر بھی غروب نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے عشاء کا معروف وقت ہاتھ نہیں آتا) وہاں بھی دلائل کی رُو سے راجح یہ ہے کہ چوبیس گھنٹوں میں دن رات کی پانچوں نمازوں کو پڑھنا ضروری ہے۔

اور بعض حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ ایسے مقامات پر وہ نمازیں پڑھنا فرض نہیں کہ جن کے معروف اوقات نہ آتے ہوں، یہ دلائل کے لحاظ سے کمزور قول ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ ما وقع منها فى الوقت أداء ، وما وقع خارجه يسمى قضاء اعتبارا لكل جزء بزمانه فافهم(ردالمحتار، ج ا ص ۳۶۳، كتاب الصلاة)

المناطق التى تكمل فيها دورة الليل والنهار فى مدة اربع عشرين ساعة ، وتوجد فيها جميع اوقات الصلوات، غير ان بعض هذه الاوقات قصيرة جدا، والفصل بينها وبين الوقت اللاحق قليل جدا، وذلك مثل المناطق التى تقع على عرض ۵۴ فى الشمال ، فان مدة غياب الشفق فى هذه البلاد العاشر من شهر مايو لاتستمر الا لمدة تسع دقائق.

وحكم الصلاة فى هذه المناطق ان كل صلاة انما تؤدى فى وقتها المعهود الذى يعرف بعلاماتها المعروفة ، مهما قصر ذلك الوقت ، فلا تؤدى صلاة العشاء فى المنطقة المذكورة الا فى خلال تسع دقائق يغيب فيها الشفق، فان كان ذلك الوقت لايتسع للسنن يكتفى فيه بالفرائض او الواجبات كالوتر، ويستحب ان يصلى النوافل بمقدار السنن المتروكة فى وقت آخر.

ولم ار احدا من الفقهاء القدامى والمعاصرين من جوز التقدير فى مثل هذه المناطق، فينبغى ان لا يعدل عن الاصل مهما امكن العمل به،ولكن يبدو ان اختصار الوقت فى مثل هذه المناطق يبرّر توسعة دائرة الاعذار اذا لم يتمكن المرأ من اداء الصلاة فى هذا الوقت القليل، فيصليها قضاء متى قدر على ذلك .اما اذا قصر الوقت جدا بحيث لايمكن ان يصلى فيه المرء ركعات مفروضة ، ففيه احتمالان : الاولىٰ: ان يشرع الصلاة فى ذلك الوقت ، ولو وقع اتمامها بعد خروج الوقت . والثانى: ان تلتحق هذه المناطق بالمناطق التى لايوجد فيها وقت، فيعمل بالتقدير، والله سبحانه وتعالىٰ اعلم (تكملة فتح الملهم ج۶ص ۳۸۱، كتاب الفتن واشراط الساعة)

(تنبيه)لو عدم وقت العشاء كأن طلع الفجر كما غربت الشمس وجب قضاؤها على الأوجه من اختلاف فيه بين المتأخرين ولو لم تغب إلا بقدر ما بين العشاء ين ، فأطلق الشيخ أبو حامد أنه يعتبر حالهم بأقرب بلد إليهم(حاشية الشبراملسى علىٰ نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، ج ا ص ۳۶۹، كتاب الصلاة،وقت العشاء)

[1] (وفاقد وقتهما) كبلغار، فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق فى أربعينية الشتاء (مكلف بهما فيقدر لهما ولا ينوى القضاء لفقد وقت الأداء به أفتى البرهان الكبير واختاره الكمال، وتبعه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

البتہ جن علاقوں میں بعض راتوں میں شفقِ احمر بھی غائب نہیں ہوتی، وہاں عشاء کی نماز کے وقت کی تقدیر وادائیگی کے طریقے اہلِ علم حضرات نے مختلف بیان کئے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ابن الشحنة فى ألغازه فصححه، فزعم المصنف أنه المذهب (وقيل لا) يكلف بهما لعدم سببهما(الدرالمختار مع ردالمحتار، ج ا ص ۲۶۲،۲۶۳، كتاب الصلاة)

والأحسن فى الجواب عن المحقق الكمال ابن الهمام أنه لم يذكر حديث الدجال ليقيس عليه مسألتنا أو يلحقها به دلالة، وإنما ذكره دليلا على افتراض الصلوات الخمس وإن لم يوجد السبب افتراضا عاما؛ لأن قوله وما روى معطوف على قوله ما تواطأت عليه أخبار الإسراء ، وما أورده عليه من عدم الافتراض على الحائض والكافر يجاب عنه بما قاله المحشى من ورود النص بإخراجهما من العموم.هذا وقد أقر ما ذكره المحقق تلميذاه العلامتان المحققان ابن أمير حاج والشيخ قاسم . والحاصل أنهما قولان مصححان، ويتأيد القول بالوجوب بأنه قال به إمام مجتهد وهو الإمام الشافعى كما نقله فى الحلية عن المتولى عنه(ردالمحتار، ج ا ص ۳۶۵، كتاب الصلاة، دارالفكر، بيروت)

(قوله :أفتى بأن عليه صلاة العشاء إلى آخره) وردت هذه الفتوى من بلغار على شمس الأئمة الحلوانى فأفتى بقضاء العشاء ثم وردت بخوارزم على الشيخ الكبير سيف السنة البقالى فأفتى بعدم الوجوب فبلغ جوابه الحلوانى فأرسل من يسأله فى عامته بجامع خوارزم ما تقول فيمن أسقط من الصلوات الخمس واحدة هل يكفر فأحس به الشيخ فقال :ما تقول فيمن قطع يداه من المرفقين أو رجلاه من الكعبين كم فرائض وضوئه ؟ قال :ثلاث لفوات محل الرابع قال وكذلك الصلاة الخامسة فبلغ الحلوانى جوابه فاستحسنه ووافقه فيه .ا هـ .مجتبى قال العلامة كمال الدين - رحمه الله تعالى -ولا يرتاب متأمل فى ثبوت الفرق بين عدم محل الفرض وبين سببه الجعلى الذى جعل علامة على الوجوب الخفى الثابت فى نفس الأمر وجواز تعدد المعرفات للشىء فانتفاء الوقت انتفاء للمعرف وانتفاء الدليل على الشىء لا يستلزم انتفاءه لجواز دليل آخر وقد وجد وهو ما تواطأت عليه أخبار الإسراء من فرض الله الصلاة خمسا بعدما أمروا أولا بخمسين ، ثم استقر الأمر على الخمس شرعا عاما لأهل الآفاق لا تفصيل فيه بين أهل قطر وقطر وما روى ذكر الدجال رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قلنا ما لبثه فى الأرض قال أربعون يوما كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر أيامه كأيامكم فقيل يا رسول الله فذلك اليوم الذى كسنة أيكفينا فيه صلاة يوم قال لا أقدروا له رواه مسلم فقد أوجب فيه ثلثمائة عصر قبل صيرورة الظل مثلا أو مثلين وقس عليه فاستفدنا أن الواجب فى نفس الأمر خمس على العموم غير أن توزيعها على تلك الأوقات عند وجودها فلا يسقط بعدمها الوجوب ، وكذا قال -صلى الله عليه وسلم -خمس صلوات كتبهن الله على العباد ومن أفتى بوجوب العشاء يجب على قوله الوتر ا هـ .(حاشية الشلبى على التبيين،ج ا ص ۸۱، كتاب الصلاة، مواقيت الصلاة، المطبعة الكبرىٰ الاميرية، قاهرة،مصر)

وذهبت جماعة منهم الى انه لاتسقط عنهم صلاة العشاء، بل يجب عليهم ان يصلوا العشاء بتقدير

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

جن میں سے محتاط اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد جب اتنی مقدار گزر جائے، کہ اتنی مقدار میں اس علاقے کے قریب ترین علاقے میں شفق (احمر یا ابیض جو بھی ہو) غائب ہوتی ہے، اتنی مقدار گزرنے کے بعد عشاء کی نماز پڑھی جائے، اور جب وہ شفق مشرق کی طرف مائل ہوجائے، تو فجر کی نماز پڑھی جائے۔ [1]

اور اگر قریب ترین معتدل علاقے میں شفق کے غائب ہونے کا انتظار کرنے کی صورت میں یہاں فجر کا وقت داخل ہوجائے (یعنی وہ شفق مشرق کی طرف مائل ہوجائے) تو پھر اس کا طریقہ یہ ہے کہ قریب ترین معتدل علاقے کی رات کے وقت کا اپنے علاقے کی رات کے وقت کے ساتھ تناسب نکال کر حساب لگایا جائے، مثلاً اگر قریب ترین علاقے میں سورج غروب ہونے سے لے کر طلوعِ فجر تک کا وقت چار گھنٹے کا ہے، اور اس کا چوتھائی حصہ (یعنی ایک گھنٹہ) گزرنے پر وہاں شفق غروب ہورہی ہے، اور اپنے علاقے میں سورج غروب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الوقت ، وطرق التقدير مختلفة ستاتى ان شاء الله ، وهذا ما اختاره البرهان الكبير ، والمحقق ابن الهمام ، وتلميذاه ابن امير الحاج والقاسم ابن قطلوبغا من الحنفية ، وهو الذى جزم به الشافعية كما فى مغنى المحتاج ١ :١٢٣ ، واختاره القرافى من المالكية، كما فى حاشية الصاوى على الدردير ١ :٢٢٥ (تكملة فتح الملهم ج٦ ص ٣٧٥، كتاب الفتن واشراط الساعة)

(ولكن اقدروا .إلخ) لفظ حديث الباب ، وتمسك ابن همام على أن صلوات أهل بلغار خمس بهذا الحديث ، وفى بلغار يطلع الصبح حين غيبوبة الشفق بعد غروب الشمس ومختار الشيخ ابن همام ، واختاره شمس الأئمة الحلوانى ، واختار البقالى الأربع ،.........أقول :إن الصلوات عليهم خمس(العرف الشذى للكشميرى، ج٣ ص ٤٢٥، كتاب الفتن، باب ما جاء فى فتنة الدجال)

[1] ولكن حال الصلاة وحال رمضان عليهم كيف يكون حكمه ولم يتوجه إلى هذا أحد إلا الشوافع توجهوا إلى الصلاة ، ويقولون :إن أهل بلغار يمرون على حساب من قريب منهم ويجدون وقت العشاء(العرف الشذى للكشميرى، ج٣ ص ٤٢٥، كتاب الفتن، باب ما جاء فى فتنة الدجال)

الطريق الثانى للتقدير ان تقدر اوقات العشاء والفجر فى مثل هذه المناطق على اساس اقرب البلاد المعتدلة وهذا القول هو الذى جزم به الشافعية ومن وافقهم من المالكية(تكملة فتح الملهم ج٦ ص ٣٨٠، كتاب الفتن واشراط الساعة)

أما الساكنون بناحية تقصر لياليهم ولا يغيب عنهم الشفق فيصلون العشاء إذا مضى من الزمان قدر ما يغيب فيه الشفق فى أقرب البلاد إليهم (روضة الطالبين وعمدة المفتين للنووى، ج١ ص ١٨٢، كتاب الصلاة، الباب الاول فى المواقيت)

ہونے سے لے کر طلوعِ فجر تک کا وقت ایک گھنٹہ کا ہے، تو اس کا چوتھائی حصہ (پندرہ منٹ) گزرنے کے بعد عشاء کی نماز پڑھی جائے۔ [1]

[1] اور اس کے بجائے بعض حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ عشاء کے لئے مطلقاً اقرب بلاد میں شفق کے غروب ہونے، اور فجر کے لئے مطلقاً اقربِ بلاد میں فجر کے طلوع ہونے کا اعتبار کیا جائے، خواہ اپنے یہاں عشاء کے انتظار میں طلوعِ فجر ہی کیوں نہ ہو جائے، یہ دلائل کے لحاظ سے راجح معلوم نہیں ہوا، کیونکہ اس میں ایک تو اپنے یہاں فجر کو اس کے حقیقی وقت سے مؤخر کرنا یا پھر عشاء کو فجر سے مؤخر کرنا (جبکہ درمیان میں فجر پڑھ لی جائے) لازم آتا ہے۔ جبکہ اصل مسئلہ عشاء کا ہے، نہ کہ فجر کا۔

الخلاف المنقول بين مشايخ المذهب إنما هو في وجوب العشاء والوتر فقط، ولم نر أحدا منهم تعرض لقضاء الفجر في هذه الصورة(ردالمحتار، ج ا ص ۳۶۲، كتاب الصلاة، دار الفكر، بيروت)

نیز فجر کی نماز شرعاً دن کی نماز ہے، اور شفق کے مائل بہ مشرق ہونے کے بعد فجر کا وقت ہونے میں شبہ نہیں، اور طرفین سے شفق کے وقت کو جو بعض نے رات کہا ہے، وہ مجازاً ہے، اس نسبت سے کہ سورج اتنے وقت تک نظروں سے غائب ہوتا ہے، اور عشاء کی نماز رات کی نماز ہے، اور شفق کے مغرب کی طرف ہونے کی صورت میں شرعاً رات ہے، اور مشرق کی طرف آ جانے کی صورت میں شرعاً دن ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ عشاء کو رات کے وقت میں اور فجر کو دن کے وقت میں ادا کیا جائے، بالخصوص جبکہ غروب کے بعد سورج کی مغرب کی طرف پائی جانے والی روشنی ان فقہاء کے نزدیک، جو شفقِ احمر کے غروب اور ابیض کے قائم رہنے پر عشاء کے وقت کے قائل ہیں، مغرب اور عشاء کا مشترک وقت ہے، اس حیثیت سے عشاء کے وقت کو اس شفق سے تعلق قائم ہے، جو مائل بہ مغرب ہو، نہ کہ اس شفق سے جو کہ مائل بہ مشرق ہو۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تقدیرِ وقت کا یہ مسئلہ شافعیہ سے اخذ کیا گیا ہے، چنانچہ علامہ طحطاوی نے درمختار کے حاشیہ میں شوافع سے قریب ترین بلد کے مطابق تقدیر کی دو صورتیں بیان کی ہیں، ایک حقیقی تقدیرِ اوقات کی، اور دوسرے تقدیرِ اوقات بالتناسب کی، جس کے بعد فرمایا:

وانما ذكرت كلام الشافعية لان المصنف اختار التقدير ولم يبين معناه ولم اره لائمتنا والله اعلم بحقائق الاحوال اهـ حلبي مختصرا(حاشية الطحطاوى على الدر، ج ا ص ۱۷۵، كتاب الصلاة)

اور شافعیہ نے خود اس اطلاق کا انکار کیا ہے، بلکہ بعض نے تقدیرِ وقتِ عشاء کا علی الاطلاق صرف یہی تناسب والا طریقہ اختیار کیا ہے۔

من لا شفق لهم يعتبر بأقرب بلد إليهم ويظهر أن محله ما لم يؤد اعتبار ذلك إلى طلوع فجر هؤلاء بأن كان ما بين الغروب ومغيب الشفق عند هم بقدر ليل هؤلاء ففي هذه الصورة لا يمكن اعتبار مغيب الشفق لانعدام وقت العشاء حينئذ وإنما الذي ينبغي أن ينسب وقت المغرب عند أولئك إلى ليلهم فإن كان السدس مثلا جعلنا ليل هؤلاء سدسه وقت المغرب وبقيته وقت العشاء وإن قصر جدا، ثم رأيت بعضهم ذكر في صورتنا هذه اعتبار غيبوبة الشفق بالأقرب وإن أدى إلى طلوع فجر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان علاقوں میں جس دن آخری مرتبہ سورج غروب ہونے کے جتنی دیر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

هؤلاء فلا يدخل به وقت الصبح عند هم ، بل يعتبرون أيضا بفجر أقرب البلاد إليهم وهو بعيد جدا إذ مع وجود فجر لهم حسى كيف يمكن إلغاؤه ويعتبر فجر الأقرب إليهم والاعتبار بالغير إنما يكون كما يصرح به كلامهم فيمن انعدم عند هم ذلک المعتبر دون ما إذا وجد فيدار الأمر عليه لا غير ولا ينافى هذا إطلاق أبى حامد الآتى لتعين حمله على اعتبار ما قررته من النسبة(تحفة المحتاج فى شرح المنهاج ، ج ۱ ص ۴۲۴، کتاب الصلاة)

(قوله :إنه يعتبر حالهم إلخ) تقدم أن محله ما لم يؤد اعتبار ذلک إلى طلوع فجرهم وإلا فينسب وقت المغرب عند أولئک إلى ليلهم ، ثم تعتبر هذه النسبة فى ليلهم القصير النسبة(حاشية الشروانى علىٰ تحفة المحتاج فى شرح المنهاج ، ج ۱ ص ۴۲۵، کتاب الصلاة)

قوله :(فإن كان السدس الخ) عبارة الاجهورى وشيخنا واللفظ للاول مثاله إذا كان من لا يغيب شفقهم أو لا شفق لهم ليلهم عشرون درجة مثلا وليل أقرب البلاد إليهم الذين لهم شفق يغيب ثمانون درجة مثلا وشفقهم يغيب بعد مضى عشرين درجة فإذا نسب عشرون إلى ثمانين كانت ربعا فيعتبر لمن لا يغيب شفقهم مضى ربع ليلهم وهو فى مثالنا خمس درج فنقول لهم إذا مضى من ليلكم خمس درج دخل وقت عشائكم اهـ(حاشية الشروانى على تحفة المحتاج ، ج ۱ ص ۴۲۴، کتاب الصلاة)

فإن كان شفقهم يغيب عند ربع ليلهم مثلا اعتبر من ليل هؤلاء بالنسبة، لا أنهم يصبرون بقدر ما يمضى من ليلهم لأنه ربما استغرق ذلک ليلهم، نبه على ذلک فى الخادم(مغنى المحتاج إلى معرفة ألفاظ المنهاج، ج ۱ ص ۳۰۲، کتاب الصلاة)

قوله :(اعتبر من ليل هؤلاء بالنسبة الخ) مثاله إذا كان من يغيب شفقهم أو من لا شفق لهم ليلهم عشرون درجة مثلاً وليل أقرب البلاد إليهم الذين لهم شفق يغيب ثمانون درجة مثلاً وشفقهم يغيب بعد مضى عشرين ، فإذا نسب عشرون إلى ثمانين .كانت ربعاً فيعتبر لمن لا يغيب شفقهم مضى ربع ليلهم ، وهو من مثالنا خمس درج فنقول لهم :إذا مضى من ليلكم خمس درج دخل وقت العشاء ذكره ا ج .قال الحلبى على المنهج :محل اعتبار النسبة إذا كان اعتبار مغيب شفق أقرب البلاد إليهم يؤدى إلى طلوع الفجر عندهم ، وإلا فلا تعتبر بالنسبة بل يصبرون بقدر مغيب شفق أقرب البلاد إليهم ، فقول الشارح لا أنهم يصبرون بقدر ما يمضى ليس مسلماً على إطلاقه(حاشية البجيرمى ،المعروف تحفة الحبيب على شرح الخطيب، ج ۱ ص ۳۹۳، کتاب الصلاة)

والذى ذكره بعض حواشى شرح المنهج أن يقدر لهم مدة شفق من ليلهم بنسبة مدة شفق غيره لليله ، فإذا كان الشفق يغيب فى أقرب مكان لهم فى ساعة ومدة الليل فى ذلک المكان من الغروب للفجر ثمان ساعات ، فغيبوبة الشفق فى الثمن .فإذا كان ليل هؤلاء من الغروب للفجر اثنتى عشرة درجة فوقت العشاء بعد الغروب بدرجة ونصف وهو أنسب بقواعدهم أعنى الشافعية من اعتبار اختلاف المطالع ، وإن لكل مكان حكم نفسه (انتهى بحروفه) . وقد قلت فى هذا المعنى (حاشية الصاوى ، المعروف بلغة السالک لأقرب المسالک،لأحمد الصاوى، ج ۱ ص ۲۲۵، ۲۲۶، باب الصلاة، اوقات الصلاة)

بعد شفق غائب ہوئی تھی، اتنی ہی دیر بعد عشاء کے وقت کا آغاز سمجھا جائے (بشرطیکہ اس کے انتظار میں یہاں فجر طلوع نہ ہوجائے، جیسا کہ گزرا) [۱]

اور ایک تیسرا طریقہ یہ ہے کہ غروب ہونے کے بعد سے لے کر جب تک شفق مغرب کی طرف مائل رہے، اس وقت کو مغرب اور عشاء کے لئے اس طرح مشترک سمجھا جائے کہ اس وقت کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پہلے حصے میں مغرب اور دوسرے حصے میں عشاء کی نماز ادا کی جائے۔ [۲]

اور جن علاقوں میں چوبیس گھنٹوں میں شب وروز پیدا نہ ہوں، جس کی وجہ سے نمازوں کے معروف اوقات بالکل نہ آئیں، مثلاً سورج موجود رہنے یا غائب رہنے کا عرصہ بہت لمبا ہو (جیسا کہ قطبین اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں ہوتا ہے) وہاں نماز کی تقدیر وادائیگی کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ قریب ترین معتدل علاقوں میں نمازوں کے اوقات کا اعتبار کرتے ہوئے چوبیس گھنٹوں میں پانچوں نمازیں ادا کی جائیں، یعنی قریب ترین معتدل علاقہ میں جب کسی نماز کے وقت کی ابتدا ہو، تو اسی اعتبار سے یہاں بھی اس نماز کے وقت کی ابتداء سمجھی جائے، اور جب کسی نماز کے وقت کی انتہا ہو، تو یہاں بھی اس نماز کے وقت کی انتہاء سمجھی جائے، غرضیکہ ہر دو نمازوں کے درمیان کا فاصلہ قریب ترین معتدل علاقہ میں دو نمازوں کے فاصلے کے حساب سے رکھا جائے، اور اپنے غیر معتدل علاقے کے وقت کو نہ دیکھا جائے۔ [۳]

---

[۱] الطريق الاولىٰ ان يقع تقدير وقت العشاء على اساس اقرب الايام المعتدلة فى نفس تلك المنطقة(تكملة فتح الملهم ج٦ص ٣٨٠، كتاب الفتن واشراط الساعة)

[۲] الطريق الثالث لـلتقدير ان الشفق مادام مائلا الى جهة الغروب ، فانه وقت مشترك بين المغرب والعشاء (ويمكن ان يعتبر نصفه الاول وقتا للمغرب ، ونصفه الثانى للعشاء) واما اذا انتقل الشفق الى جهة طلوع الشمس ، فهو ابتداء وقت الصبح ، وهذا القول ذكره المرجانى فى جملة الاقوال التى سردها فى طرق التقدير ، راجع "ناظورة الحق ق٨٦.(تكملة فتح الملهم ج٦ص ٣٨٠، كتاب الفتن واشراط الساعة)

[۳] فالصحيح انه تجب فى هذه المناطق خمس صلوات فى كل اربع وعشرين ساعة ، وتقدر اوقاتها على حساب اقرب البلاد المعتدلة اليها ، مع قطع النظر عن وجود علامات الاوقات التى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

بعض اہلِ علم حضرات نے اس کے علاوہ بعض دوسرے طریقے بھی ذکر فرمائے ہیں۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری دوسری کتاب ''نماز کے فضائل واحکام'')

فوت شدہ شخص کی قضاء نمازوں کا فدیہ

جب تک زندگی ہو، اس وقت تک اپنے ذمہ کی فرض نمازوں کو خود ادا کرنا ضروری ہے، اور جو نمازیں قضا ہو گئی ہیں، ان کو بھی ادا کرنا ضروری ہے، لیکن اگر کوئی نماز نہیں پڑھ سکا، اور وہ اس حال میں فوت ہو گیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر فوت ہونے سے پہلے اپنے ذمہ قضا شدہ نماز کے فدیہ کی وصیت کرنا ضروری ہے، جس کے بعد اس کے ترکہ کے تہائی حصہ میں سے اس کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تعتبر سببا للوجوب الصلوات فی البلاد المعتدلة ، ویستمر هذا الوضع الی ان تکمل دورة النهار فی مدة اربع وعشرین ساعة ، فینطبق حینئذ احکام القسم الاول او الثانی (تکملة فتح الملهم ج٦ص ٣٨٢، کتاب الفتن واشراط الساعة)

إما إذا كان المكان لا يتخلله الليل والنهار فی أربع وعشرين ساعة طيلة العام فی الفصول كلها فإنه يحدد لأوقات الصلاة بقدرها لما رواه مسلم من حديث النواس بن سمعان -رضی الله عنه -أن النبی صلی الله عليه وسلم ذكر الدجال الذی يكون فی آخر الزمان فسألوه عن لبثه فی الأرض فقال " :أربعون يوماً ،يوم كسنة ، ويوم كشهر ، ويوم كجمعة ، وسائر أيامه كأيامكم "

قالوا :يا رسول الله فذلك اليوم كسنة أتكفينا فيه صلاة يوم ؟

قال " :لا ، اقدروا له قدره.

فإذا ثبت أن المكان الذی لا يتخلله الليل والنهار يقدر له قدره فماذا نقدره ؟

يری بعض العلماء ، أنه يقدر بالزمن المعتدل ، فيقدر الليل باثنتی عشرة ساعة وكذلك النهار ، لأنه لما تعذر اعتبار هذا المكان بنفسه اعتبر بالمكان المتوسط ، كالمستحاضة التی ليس لها عادة ولا تمييز .

ويری آخرون أنه يقدر بأقرب البلاد إلی هذا المكان مما يحدث فيه ليل ونهار فی أثناء العام ، لأنه لما تعذر اعتباره بنفسه اعتبر بأقرب الأماكن شبهاً به وهو أقرب البلاد إليه التی يتخللها الليل والنهار فی أربع وعشرين ساعة .

وهذا القول أرجح لأنه أقوی تعليلاً وأقرب إلی الواقع .والله أعلم (مجموع فتاوی ورسائل فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين، ج١٢ ص ٢٤٠، ٢٤١، كتاب الصلاة، رسالة فی مواقيت الصلاة، الفصل الاول)

Idara Ghufran

وصیت کو پورا کیا جائے گا، اور پانچوں نمازوں میں سے ایک نماز کا فدیہ ایک فطرانہ کے حساب سے ادا کیا جائے گا۔ [1]

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

---

[1] اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر کی نماز کا بھی الگ سے فدیہ ادا کیا جائے گا۔

اور مندرجہ بالا حکم حنفیہ کے نزدیک ہے، جبکہ جمہور فقہاء (یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے نزدیک میت کے ذمہ فرض شدہ نماز فدیہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

إسقاط الصلاة بالإطعام:

ذهب جمهور الفقهاء (المالكية والشافعية والحنابلة) إلى أن الصلاة لا تسقط عن الميت بالإطعام. وذهب الحنفية إلى أنه إذا مات المريض ولم يقدر على أداء الصلاة بالإيماء برأسه لا يلزمه الإيصاء بها. أما إذا كان قادرا على الصلاة ولو بالإيماء وفاتته الصلاة بغير عذر لزمه الإيصاء بالكفارة عنها، فيخرج عنه وليه من ثلث التركة لكل صلاة مفروضة، وكذا الوتر لأنه فرض عملى عند أبى حنيفة. وقد ورد النص فى الصيام، وهو قوله صلى الله عليه وسلم :ولكن يطعم عنه والصلاة كالصيام باستحسان المشايخ لكونها أهم. والصحيح :اعتبار كل صلاة بصوم يوم، فيكون على كل صلاة فدية، وهى نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه، أو صاع تمر أو زبيب أو شعير أو قيمته، وهى أفضل لتنوع حاجات الفقير وإن لم يوص وتبرع عنه وليه أو أجنبى جاز إن شاء الله تعالى عند محمد بن الحسن وحده لأنه قال فى تبرع الوارث بالإطعام فى الصوم يجزيه إن شاء الله تعالى من غير جزم. وفى إيصائه به جزم الحنفية بالإجزاء. وللتفصيل يرجع إلى مصطلح (صلاة وصوم) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٥، ص٨٣، مادة "سقوط")

﴿باب نمبر ۶﴾

سفر میں اور سواری پر نماز کے چند احکام

سفر بھی شرعی اعتبار سے عذر میں شمار ہوتا ہے، اور اسی لئے سفر کے کئی شرعی احکام میں تخفیف وسہولت رکھی گئی ہے، اس لئے اب سفر میں اور سواری پر نماز سے متعلق چند احکام کا ذکر کیا جاتا ہے۔ [1]

چلتی سواری پر سنن ونوافل کو اشارہ سے پڑھنے کی اجازت

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ عَلَی الرَّاحِلَۃِ یُسَبِّحُ، یُوْمِءُ بِرَأْسِہٖ قِبَلَ أَيِّ وَجْہٍ تَوَجَّہَ، وَلَمْ یَکُنْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَصْنَعُ ذٰلِکَ فِی الصَّلاۃِ الْمَکْتُوْبَۃِ (بخاری) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر نفل نماز سَر کے اشارہ سے پڑھتے ہوئے دیکھا، جس طرف کو بھی سواری ہوتی تھی، اُسی طرف کو رُخ کر کے نماز پڑھتے ہوئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح فرض نماز میں نہیں کیا کرتے تھے (بخاری)

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کو سواری سے اتر کر باقاعدہ رکوع وسجدہ اور قیام کے ساتھ ادا

---

[1] السفر سبب للتخفيف لما فيه من مشقة؛ ولحاجة المسافر إلى التقلب فى حاجاته، وقضاء مآربه من سفره؛ ولذا شرع التخفيف عن المسافر فى العبادات (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ص۲۲۸، مادة "تيسير")

[2] رقم الحديث ۱۰۹۷، ابواب تقصير الصلاة، باب ينزل للمكتوبة؛ مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۶۹۵.

www.idaraghufran.org

فرمایا کرتے تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ، حَيْثُ تَوَجَّهَتْ فَإِذَا أَرَادَ الْفَرِيْضَةَ نَزَلَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ (بخاری) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر (بیٹھے ہوئے ہونے کی حالت میں) نماز پڑھ لیا کرتے تھے، جس طرف کو بھی سواری کا رخ ہوتا تھا، پھر جب فرض نماز پڑھنا چاہتے تھے، تو سواری سے اترتے تھے اور قبلہ کی طرف رخ کر کے (باقاعدہ رکوع وسجدہ کے ساتھ) نماز پڑھتے تھے (بخاری؛ مسند احمد)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَهُوَ عَلٰى رَاحِلَتِهِ النَّوَافِلَ فِيْ كُلِّ جِهَةٍ، وَلٰكِنَّهٗ يَخْفِضُ السُّجُوْدَ مِنَ الرَّكْعَةِ، وَيُوْمِءُ إِيْمَاءً

(مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۱۵۶) [2]

ترجمہ: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرف رُخ کر کے اپنی سواری پر نفل نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، البتہ آپ رکوع کے مقابلہ میں سجدہ کے لئے زیادہ جھکتے تھے، اور اشارہ سے (نفل نماز) پڑھتے تھے (مسند احمد)

اس قسم کی احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص سواری پر سفر کر رہا ہو اور وہ شرعی مسافر ہو یعنی اس کو سفر میں قصر کرنا جائز ہو، تو اس کو تو تمام فقہائے کرام کے نزدیک بلاشبہ چلتی ہوئی سواری پر بیٹھے بیٹھے سنت ونفل نماز پڑھنا جائز ہے، کیونکہ کئی احادیث

---

[2] فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

[1] رقم الحديث ۴۰۰، كتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان، واللفظ لهٗ؛ مسند احمد، رقم الحديث ۱۵۰۳۸.

فی حاشية مسند احمد: اسناده صحيح على شرط الشيخين.

www.idaraghufran.org

میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر کی حالت میں سواری پر نفل نماز پڑھنا ثابت ہے۔

اور جو شخص سواری پر سوار ہو، اور وہ شہر وآبادی سے باہر ہو، لیکن شرعی اعتبار سے مسافر نہ ہو، تو اس کو بھی اکثر فقہائے کرام کے نزدیک چلتی سواری پر بیٹھے بیٹھے سنت ونفل نماز پڑھنا جائز ہے، کیونکہ کئی احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ سے باہر عام سفر میں سواری پر نماز پڑھنا ثابت ہے۔

اور جو شخص مقیم ہونے کی حالت میں آبادی وشہر کی حدود میں سواری پر سوار ہو تو اس کو بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک سواری پر بیٹھ کر سنت ونفل نماز پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ عام طور پر احادیث میں آبادی سے باہر ہی سواری پر نماز پڑھنے کا ذکر ملتا ہے، البتہ بعض فقہاء کے نزدیک اس کو سواری پر بیٹھ کر نفل نماز پڑھنا جائز ہے، کیونکہ بعض احادیث میں سفر وآبادی کی قید اور شرط کے بغیر سواری پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ذکر آیا ہے، اور آج کل جب کہ شہر بڑے بڑے ہو گئے ہیں، ان حالات میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو نفل نمازوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہی قول راجح اور قابلِ عمل ہونا چاہئے۔ [1]

---

[1] اور جن روایات میں سفر میں پڑھنے کا ذکر پایا جاتا ہے وہ اس کے منافی نہیں ہیں، کیونکہ شہر وآبادی سے باہر اور سفر میں بدرجہ اولیٰ جائز ہے، اور سواری پر سوار ہونے کی صورت میں جس طرح آبادی سے باہر اور سفر میں نوافل ادا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح آبادی میں بھی ہوتی ہے، خاص کر جبکہ آبادی بھی آج کل کی طرح سے غیر معمولی وسیع ہو، اور کسی شخص کا آبادی کی حدود میں سواری پر چلنے کا زیادہ مشغلہ ہو، اور عدمِ جواز کی صورت میں بہت سے لوگ نوافل سے محروم ہو جائیں گے، اور نوافل میں توسع کا تقاضا بھی یہی ہے۔ محمد رضوان۔

اتفق الفقهاء على أنه يجوز للمسافر صلاة النفل على الراحلة حيثما توجهت به.

والدليل على ذلک قول الله تعالى :(ولله المشرق والمغرب فأينما تولوا فثم وجه الله قال ابن عمر -رضى الله تعالى عنهما :-نزلت فى التطوع خاصة، وعن ابن عمر رضى الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسبح على ظهر راحلته حيث كان وجهه وعن جابر -رضى الله عنه - كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى على راحلته حيث توجهت، فإذا أراد الفريضة نزل فاستقبل القبلة.

وأجمعوا على أن صلاة التطوع على الراحلة فى السفر الطويل الذى تقصر فيه الصلاة جائزة.

وأما السفر القصير، وهو ما لا يباح فيه القصر فإن الصلاة على الراحلة جائزة عند الحنفية والشافعية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پھر سواری پر نفل اور سنت (خواہ مؤکدہ ہوں، یا غیر مؤکدہ) دونوں قسم کی نمازیں پڑھنا جائز ہے، اور اکثر فقہائے کرام یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک وتر کی نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والحنابلة، وهو قول الأوزاعي والليث والحسن بن حيي.

وقال مالك :لا يباح إلا في سفر طويل؛ لأنه رخصة سفر فاختص بالطويل كالقصر.

واستدل الأولون بالآية المذكورة، وقول ابن عمر فيها، وحديثه الذي قال فيه :إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوتر على البعير .

والمشهور عند الحنفية :أنه لا يشترط السفر وإنما قيدوا جواز النفل .على الراحلة بما إذا كان المصلي خارج المصر محل القصر، أي في المحل الذي يجوز للمسافر قصر الصلاة فيه .

وأجاز أبو يوسف من الحنفية التنفل على الراحلة في المصر وقال :حدثني فلان -وسماه -عن سالم عن ابن عمر -رضي الله عنهما -أن النبي صلى الله عليه وسلم ركب الحمار في المدينة يعود سعد بن عبادة -رضي الله تعالى عنهما -وكان يصلي وهو راكب وأجاز ذلك محمد مع الكراهة مخافة الغلط لما في المصر من كثرة اللغط .

كما أجاز التنفل على الدابة في المصر بعض الشافعية كأبي سعيد الإصطخري والقاضي حسين وغيرهما، وكان أبو سعيد الإصطخري محتسب بغداد يطوف السكك وهو يصلي على دابته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۲۲۸، ص۲۲۹، مادة صلاة، الصلاة على الراحلة)

يجوز باتفاق المذاهب صلاة التطوع على الدابة في السفر .قال ابن قدامة :لا نعلم خلافا بين أهل العلم في إباحة التطوع على الراحلة في السفر الطويل .قال الترمذي :هذا عند عامة أهل العلم، وقال ابن عبد البر :أجمعوا على أنه جائز لكل من سافر سفرا يقصر فيه الصلاة أن يتطوع على دابته حيثما توجهت، يومء بالركوع والسجود، ويجعل السجود أخفض من الركوع.

ويجوز عند الحنابلة التطوع على الراحلة في السفر القصير أيضا، لقوله تعالى :(ولله المشرق والمغرب فأينما تولوا فثم وجه الله) قال ابن عمر رضي الله عنهما :نزلت هذه الآية في التطوع خاصة حيث توجه به بعيرك .وهذا يتناول بإطلاقه محل النزاع، وعن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوتر على بعيره، وفي رواية :كان يسبح على ظهر راحلته حيث كان وجهه، يومء برأسه وكان ابن عمر يفعله .وللبخاري :إلا الفرائض ولمسلم وأبي داود : غير أنه لا يصلي عليها المكتوبة ولم يفرق بين قصير السفر وطويله؛ ولأن إباحة الصلاة على الراحلة تخفيف في التطوع، كي لا يؤدي إلى قطعها وتقليلها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۲ ص۱۵۶، مادة "تطوع")

لأن كثيرا من الناس يشق عليهم طول القيام، فلو وجب في التطوع لترك أكثره، فسامح الشارع في ترك القيام فيه ترغيبا في تكثيره، كما سامح في فعله على الراحلة في السفر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۲۶۶، مادة "جلوس")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک سواری پر بلاعذر وتر کی نماز رکوع وسجدہ کے اشارہ کے ساتھ اور قیام ترک کرکے سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق فجر کی سنتوں کا بھی یہی حکم ہے۔

اس لئے حتی الامکان وتر کی نماز کو بطورِ خاص اور فجر کی سنتوں کو باقاعدہ رکوع وسجدہ اور قیام کے ساتھ پڑھنے میں احتیاط ہے۔

اگرچہ ضرورت کے وقت دوسرے فقہاء کے قول پر عمل کرلینے کی بھی گنجائش ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأما التطوع على الدابة فى المصر فلا يجوز فى ظاهر الرواية وعن أبى يوسف يجوز استحسانا (تحفة الفقهاء، ج ۱، ص ۱۵۵، كتاب الصلاة، فصل ثم الصلاة على الراحلة)

ولم يذكر فى ظاهر الرواية التطوع على الدابة فى المصر. قال الحاكم فى الكتاب :قال أبو حنيفة رحمه الله :لا يصلى النافلة على الدابة فى المصر، وقال أبو يوسف :لا بأس بذلك، قال شمس الأئمة الحلوانى رحمه الله :قال فى الكتاب :لا يصلى النافلة على الدابة فى المصر، ولكن لم يذكر أنه لو صلى يجزئه. وذكر الفقيه أبو جعفر فى غريب الروايات، وقال :إنى لا أعرف مذهب أبى حنيفة فى هذه المسألة، وذكر شمس الأئمة السرخسى رحمه الله فى الهارونيات أنه لا يجوز التطوع على الدابة فى المصر عند أبى حنيفة، وعند أبى يوسف لا بأس به، وعند محمد يجوز ويكره......... وحكى أن أبا يوسف رحمه الله لما سمع هذا الجواب عن أبى حنيفة رحمه الله، قال :حدثنى فلان، وسماه عن سالم عن ابن عمر رضى الله عنهما :أن النبى عليه السلام ركب الحمار فى المدينة، يقول سعد بن عبادة؛ وكان يصلى وهو راكب، فسكت أبو حنيفة ولم يرفع رأسه.قيل :إنما لم يرفع رأسه رجوعاً منه.

وقيل :إنما لم يرفع رأسه؛ لأنه عده من شواذ الأخبار، وآحاده، ومثل هذا الخبر لا يكون حجة فيما تعم به البلوى، فأبو يوسف رحمه الله أخذ بهذا الحديث، ومحمد كذلك، إلا أنه كره ذلك فى المصر لأن اللفظ يكثر فيها والكثرة ربما تمتلىء بالغلط فى القراء ة، فلهذا يكره، قيل :اللفظ صور مهمة (المحيط البرهانى ج۲ص ۵۴،كتاب الصلاة،الفصل الثالث والعشرون فى الصلاة على الدابة)

[۱] والتطوع الجائز على الراحلة يشمل النوافل المطلقة والسنن الرواتب والمعينة والوتر وسجود التلاوة، وهذا عند جمهور الفقهاء المالكية والشافعية والحنابلة.

واستدلوا بأن النبى صلى الله عليه وسلم كان يوتر على بعيره، وكان يسبح على بعيره إلا الفرائض.

وعند الحنفية ما يعتبر واجبا عندهم من غير الفرائض كالوتر لا يجوز على الراحلة بدون عذر، وكذلك سجدة التلاوة وعن أبى حنيفة :أنه ينزل عن دابته لسنة الفجر؛ لأنها آكد من سائر السنن الرواتب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص ۲۲۹، مادة صلاة، الصلاة على الراحلة)

چلتی سواری پر بیٹھ کر سنت ونفل نماز پڑھنے کے جائز ہونے کی صورت میں اشارہ سے رکوع وسجدہ کرنا جائز ہے۔

البتہ سجدہ کا اشارہ رکوع سے زیادہ جھک کر کرنا چاہئے، تاکہ رکوع وسجدہ کی حالتوں میں امتیاز ہوجائے۔ [1]

اور سواری پر سنت ونفل نماز پڑھنے کی صورت میں قبلہ کی طرف رُخ کرنا بھی ضروری نہیں، بلکہ جس طرف کو سواری جارہی ہے، اور سفر کرنے والے کا رخ ہے، اسی طرف منہ کرکے اشارہ سے رکوع وسجدے کے ساتھ بیٹھ کر سنت ونفل نماز پڑھنا جائز ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اسی سمت کو شریعت نے قبلہ کے حکم میں شمار کیا ہے۔ [2]

اگر سواری کی پشت یا اس کی زین (اور گاڑی کی نشست گاہ یعنی سیٹ) ناپاک ہو، تو اس صورت میں بھی اس پر بیٹھ کر سنت ونفل نماز پڑھنا جائز ہے، اور اس ناپاکی کو شریعت نے حرج وتنگی کی وجہ سے معاف قرار دے دیا ہے۔

---

[1] من جازت لـه الـصـلاة على الراحلة فإنه يومء فى صلاته بالركوع والسجود، ويجعل سجوده أخفض من ركوعه، قال جابر :بعثنى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى حاجة فجئت وهو يصلى على راحلته نحو المشرق، والسجود أخفض من الركوع.وروى البخارى :أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يصلى فى السفر على راحلته حيث توجهت به يومء إيماء صلاة الليل إلا الفرائض.

قال ابن عرفة من المالكية :من تنفل فى محمله فقيامه تربع، ويركع كذلك ويداه على ركبتيه فإذا رفع رفعهما، ويومء بالسجود وقد ثنى رجليه، فإن لم يقدر أومأ متربعا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۲۳۳، كيفية الصلاة على الراحلة، مادة "صلاة")

[2] اور اگر ایسی سیٹ پر بیٹھ کر سفر کررہا ہو کہ سیٹ کا رخ دوسری سمت میں ہو، جبکہ وہ سواری کسی اور سمت میں جارہی ہو، جیسا کہ آج کل ریل اور بعض بسوں وغیرہ میں ہوتا ہے، تو قواعد کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرف کہ رخ کرکے بیٹھا ہوا ہو، اسی طرف رخ کرکے نفل نماز پڑھنا جائز ہوگا۔ محمد رضوان۔

اتفق الفقهاء على جواز التنفل على الراحلة فى السفر لجهة سفره ولو لغير القبلة ولو بلا عـذر، لأنه صلى الله عليه وسلم :كـان يـصـلى على راحلته فى السفر حيثما توجهت به وفسـر قـوله تعالى :(فأيـنـما تولوا فثم وجه الله) بـالتـوجـه فى نفل السفر (الموسوعة الـفـقـهية الـكـويتية، ج۴، ص۷۵، استـقـبـال الـمـتـنـفـل عـلى الراحلة فى السفر، مـادة "استقبال")

www.idaraghufran.org

البتہ اگر نماز پڑھنے والے کے جوتے ناپاک ہوں، تو ان کو اتار دینا چاہیے۔ [1]

نماز شروع کرنے کے لیے تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت ہاتھ اٹھانا اور قیام کے وقت آگے ہاتھ

---

[1] لیکن اگر جوتے اُتارنے میں حرج لازم آتا ہو، جیسا کہ موٹر سائیکل اور سکوٹر چلانے والے کا معاملہ ہے کہ اس کو جوتے پہننا ضروری ہوتا ہے، اور بعض اوقات زمین پر بھی جوتوں کے واسطہ سے پیروں کا سہارا لینا پڑتا ہے، تو پھر زین، رکاب اور سیٹ وغیرہ پر قیاس کرتے ہوئے ناپاک جوتوں میں بھی نفل نماز کی اجازت ہوگی۔ للعلة المشتركة.

ولم يشترط المصنف طهارة الدابة لأنها ليست بشرط على قول الأكثر سواء كان على السرج أو على الركابين أو الدابة لأن فيها ضرورة فسقط اعتبارها(مجمع الانهر، ج ١ ، ص١٣٥، كتاب الصلاة، فصل فى التراويح)

ولم يشترط المصنف طهارة الدابة لأنها ليست بشرط على قول الأكثر سواء كانت على السرج أو على الركابين أو الدابة لأن فيها ضرورة فيسقط اعتبارها وصرح فى المحيط والكافى بأنه الأصح وفى الخلاصة بأنه ظاهر المذهب من غير تفصيل وعلله فى البدائع بأنه لما سقط اعتبار الأركان الأصلية فلأن يسقط شرط طهارة المكان أولى(البحر الرائق، ج٢، ص ٦٩، كتاب الصلاة، التنفل راكبا)

(قوله وعلله فى البدائع بأنه لما سقط إلخ) أقول :يفهم من تخصيص السقوط لطهارة المكان أنه يجب عليه خلع النعلين لو كان فيهما نجاسة مانعة ولم أره صريحا فليراجع ثم رأيت فى النهر قال وقياس هذا ولو على المصلى أيضا مع أن ظاهر كلامهم المنع فى هذا والفرق قد يعسر فتدبر اهـ.

قلت :الظاهر أنه غير عسير لأن الدابة وما يتبعها من السرج ونحوه مظنة النجاسة لنومها على عذرتها وتمرغها بها فلو اشترط طهارتها لربما أدى إلى الحرج بخلاف المصلى إذ يمكنه خلع ثوبه المتنجس على أنه يندر بالنسبة إليها تأمل ثم رأيت بعض الفضلاء تعقب النهر بقوله الفرق أظهر من نار على علم وهو أنه لا ضرورة فيها على المصلى بخلاف ما فى موضع الجلوس أو الركابين اهـ(منحة الخالق على البحر الرائق، ج٢، ص ٦٩، كتاب الصلاة، التنفل راكبا)

ثم نجاسة الدابة تمنع الجواز، فكذا نجاسة السرج بل أولى؛ لأنها أقل، من أصحابنا من قال :لم يرد محمد بقوله :وإذا كان بسرجه قذر أن يكون على سرجه نجاسة حقيقية، وإنما أراد به قذر الدابة الذى يتلطخ به الثوب، أما إذا كان على سرجه نجاسة حقيقية نحو رجيع الآدمي وما أشبه ذلك، وكانت فى موضع الجلوس أو الركابين أكثر من قدر الدرهم تمنع الجواز، وهو قول الفقيه محمد بن مقاتل الرازى والشيخ الإمام الزاهد أبى حفص الكبير رحمهما الله.

وبعضهم قالوا :إذا كانت النجاسة فى الركابين لا بأس به، وإن كان فى موضع الجلوس يمنع الجواز، والحاكم الشهيد يشير إلى أن كل ذلك على السواء وشيء منها لا يمنع الجواز؛ لأن هذا أمر بنى على الخفة والرخصة وطهارة السرج والركابين نادر، فلا يشترط طهارتها؛ ولأنه قد سقط عنه القيام والسجود وذلك ركن وطهارة المكان شرط والركن أقوى من الشرط، فسقوط الركن يدل على سقوط الشرط من طريق الأولى(المحيط البرهانى ج٢، ص٥٤، كتاب الصلاة، الفصل الثالث والعشرون فى الصلاة على الدابة)

www.idaraghufran.org

باندھنا، اور قعدہ وتشہد اور جلسہ کے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔ [1]

اور سواری پر سوار شخص کو شریعت نے سنت ونفل نمازوں کے اندر کئی فرائض میں بھی رعایت دی ہے، مثلاً حقیقی رکوع وسجدہ، اور قبلہ کی طرف رخ کرنا فرض نہیں کیا گیا، اس لیے اگر سواری پر سوار شخص زبان سے تو سنت ونفل نماز شروع کرتے وقت تکبیرِ تحریمہ کے الفاظ کہہ لے، اور اس کے بعد کے اذکار وتسبیحات بھی زبان سے پڑھتا رہے، لیکن تکبیرِ تحریمہ کے وقت ہاتھ نہ اٹھائے، اور قیام کے وقت ہاتھ نہ باندھے، تب بھی اس کی نماز درست ہوجاتی ہے، چنانچہ جس شخص نے سوار ہونے کی حالت میں سواری کی لگام ہاتھوں میں پکڑی ہوئی ہو، تو وہ اسی حالت میں سنت ونفل نماز پڑھ سکتا ہے۔ [2]

چلتی سواری پر فرض نماز پڑھنے کا حکم

چونکہ احادیث میں عام حالات میں چلتی سواری پر نفل وسنت نماز پڑھنے اور فرض نماز کو سواری

---

[1] اتفق الفقهاء على أنه يسن للمصلى عند تكبيرة الإحرام أن يرفع يديه؛ لما روى ابن عمر :أن رسول صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه حذو منكبيه إذا افتتح الصلاة.

وقد نقل ابن المنذر وغيره الإجماع على ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ٨٣، مادة "صلاة"رفع اليدين عند تكبيرة الإحرام)

ذهب جمهور الفقهاء -الحنفية والشافعية والحنابلة -إلى أن من سنن الصلاة القبض، وهو :وضع اليد اليمنى على اليسرى.

وخالف فى ذلك المالكية فقالوا :يندب الإرسال وكراهة القبض فى صلاة الفرض .وجوزوه فى النفل وقد سبق تفصيل ذلك فى مصطلح :(إرسال(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ٨٦، مادة "صلاة"وضع اليد اليمنى على اليسرى)

و "يسن "وضع اليدين على الفخذين "حال الجلسة "فيما بعد السجدتين "فيكون "كحالة التشهد"(حاشية الطحطاوى على المراقى ، ج ١، ص ٢٦٨ ،كتاب الصلاة، فصل فى بيان سننها)

[2] اور اگر کوئی شخص مثلاً موجودہ دور کی گاڑی چلا رہا ہو، اور اس کے ہاتھ اسٹیرنگ یا ہینڈل یا گیر لگانے میں مشغول ہوں، تو لگام پر قیاس کرتے ہوئے اس صورت میں نفل نماز پڑھ لینے اور پیروں سے بریک وغیرہ لگانے کی گنجائش پائی جاتی ہے، اور رکوع وسجدہ کا اشارہ بقدرِ امکان کرے، تاکہ کوئی حادثہ پیش نہ آئے۔

(مزید تفصیل اور دلائل کے لئے ہماری دوسری کتاب "نفل وسنت نمازوں کے فضائل واحکام" ملاحظہ فرمائیں)

www.idaraghufran.org

سے اتر کر پڑھنے کا ذکر آیا ہے، اس لئے فرض نماز کو بلا عذر اس طرح چلتی سواری (مثلاً ریل، بس، جہاز وغیرہ) پر قیام، رکوع وسجدہ اور استقبالِ قبلہ ترک کرکے پڑھنا جائز نہیں۔ [1]

البتہ اگر عذر ہو، مثلاً سواری کا روکنا اختیار میں نہ ہو، یا رکنے کی وجہ سے جانی یا مالی نقصان کا یا ساتھیوں سے بچھڑنے کا اندیشہ ہو، یا سواری سے باہر بارش وکیچڑ کی وجہ سے نماز کی جگہ میسر نہ ہو، اور نماز قضاء ہونے کا اندیشہ ہو، تو پھر سواری پر فرض نماز کا پڑھنا جائز ہے، لیکن اگر سواری پر نماز پڑھنے کی صورت میں قیام اور با قاعدہ رکوع وسجدہ اور قبلہ کی طرف رخ کرنا ممکن ہو، تو ان کی ادائیگی کا اہتمام کرنا یا ان میں سے جن چیزوں پر قدرت ہو، ان کی ادائیگی کا اہتمام کرکے نماز پڑھنا ضروری ہے۔ [2]

---

[1] ب -صلاة الفريضة:

الأصل أن صلاة الفريضة على الراحلة لا تجوز إلا لعذر، فعن جابر بن عبد الله -رضى الله عنه -أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يصلى على راحلته نحو المشرق فإذا أراد أن يصلى المكتوبة نزل فاستقبل القبلة .

قال ابن بطال :أجمع العلماء على أنه لا يجوز لأحد أن يصلى الفريضة على الدابة من غير عذر.

ولأن أداء الفرائض على الدابة مع القدرة على النزول لا يجوز.

ولأن شرط الفريضة المكتوبة أن يكون المصلى مستقبل القبلة مستقرا فى جميعها،فلا تصح من الراكب المخل بقيام أو استقبال (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲۷، ص ۲۳۰، مادة،الصلاة على الراحلة)

[2] اور اگر پورے ارکان کی ادائیگی نہ کی گئی تو بعض اہلِ علم اس نماز کو بعد میں لوٹا لینے میں احتیاط کے قائل ہیں۔

وقد عدد الفقهاء الأعذار التى تبيح الصلاة على الراحلة.

ومن ذلك :الخوف على النفس أو المال من عدو أو سبع، أو خوف الانقطاع عن الرفقة، أو التأذى بالمطر والوحل؛ ففى مثل هذه الأحوال تجوز صلاة الفريضة على الراحلة بالإيماء من غير ركوع وسجود؛ لأن عند اعتراض هذه الأعذار عجزا عن تحصيل هذه الأركان .

قال ابن قدامة :إذا اشتد الخوف، بحيث لا يتمكن من الصلاة إلى القبلة، أو عجز عن بعض أركان الصلاة :إما لهرب مباح من عدو، أو سيل، أو سبع، أو حريق، أو نحو ذلك مما لا يمكنه التخلص منه إلا بالهرب، أو المسابقة، أو التحام الحرب والحاجة إلى الكر والفر والطعن والضرب والمطاردة فله أن يصلى على حسب حاله راجلا وراكبا إلى القبلة إن أمكن، أو إلى غيرها إن لم يمكن، وإذا عجز عن الركوع والسجود أومأ بهما وينحنى إلى السجود أكثر من الركوع على قدر طاقته، وإن عجز عن الإيماء سقط، وإن عجز عن القيام، أو القعود، أو غيرهما سقط، وإن احتاج إلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

سفر کی نماز میں قصر کا حکم

یہ بات تو ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص شرعی اعتبار سے مسافر ہو، تو اس کو ظہر، عصر اور عشاء کی نماز میں قصر کرنے یعنی چار کے بجائے دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے، لیکن سفر میں نماز کو قصر کرنے کا کیا درجہ ہے؟ تو جمہور فقہائے کرام یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نماز میں اتمام کرنا یعنی دو کے بجائے چار رکعت پڑھنا اصل ہے، اور قصر کرنا یعنی چار کے بجائے دو رکعت پڑھنا رخصت ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک نماز میں قصر اصل ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الطعن والضرب والكر والفر فعل ذلك ولا يؤخر الصلاة عن وقتها لقول الله تعالى :(فإن خفتم فرجالا أو ركبانا)

وحديث يعلى بن أمية :أن النبي صلى الله عليه وسلم انتهى إلى مضيق هو وأصحابه وهو على راحلته والسماء من فوقهم والبلة من أسفل منهم فحضرت الصلاة فأمر المؤذن فأذن وأقام ثم تقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم على راحلته فصلى بهم يومء إيماء يجعل السجود أخفض من الركوع .

وإذا كانت صلاة الفرض على الراحلة لا تجوز إلا لعذر؛ لأن شرط الفريضة المكتوبة أن يكون المصلي مستقبل القبلة مستقرا فى جميعها ومستوفيا شروطها وأركانها، فإن من أمكنه صلاة الفريضة على الراحلة مع الإتيان بكل شروطها وأركانها، ولو بلا عذر صحت صلاته وذلك كما يقول الشافعية والحنابلة -وهو الراجح المعتمد عند المالكية -قال الحنابلة :وسواء أكانت الراحلة سائرة أم واقفة، لكن الشافعية قيدوا ذلك بما إذا كان فى نحو هودج وهى واقفة، وإن لم تكن معقولة .أما لو كانت سائرة فلا يجوز؛ لأن سيرها منسوب إليه بدليل جواز الطواف عليها .ولو كان للدابة من يلزم لجامها ويسيرها، بحيث لا تختلف الجهة جاز ذلك، وقال سحنون من المالكية :لا يجزء إيقاع الصلاة على الدابة قائما وراكعا وساجدا لدخوله على الغرر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص ۲۳۰، و ۲۳۱ مادة "الصلاة على الراحلة")

[1] هل الأصل القصر أو الإتمام؟

قال المالكية والشافعية والحنابلة :إن الأصل هو الإتمام وأن القصر رخصة، واستدلوا بحديث مسلم السابق " :صدقة تصدق الله بها عليكم ."

إلا أن المشهور من مذهب الشافعية :أن القصر أفضل من الإتمام، إذا بلغ السفر ثلاثة أيام، اقتداء برسول الله صلى الله عليه وسلم؛ وخروجا من خلاف من أوجبه، كأبى حنيفة، إلا الملاح الذى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اسی وجہ سے جمہور فقہائے کرام یعنی شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک مسافر کو نماز میں قصر کرنا افضل ومستحب یا سنت ہے، فرض یا واجب نہیں۔

اور حنفیہ کے نزدیک مسافر کو نماز میں قصر کرنا واجب ہے، اور مسافر کی نماز کے قعدۂ اخیرہ کا فریضہ دو رکعت پر شمار ہوتا ہے۔ [1]

اور اسی وجہ سے اگر کوئی مسافر دو رکعتوں کے بجائے فرض نماز کی چار رکعتیں ادا کرے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی دو رکعتیں فرض اور دو رکعتیں نفل شمار ہوتی ہیں، اور اگر کوئی مسافر اس

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ يسافر فى البحر بأهله، ومن لا يزال مسافرا بلا وطن، فالإتمام لهما أفضل خروجا من خلاف من أوجبه عليهما، كالإمام أحمد .ومقابل المشهور :إن الإتمام أفضل مطلقا، لأنه الأصل، والأكثر عملا، أما إذا لم يبلغ السفر ثلاثة أيام فالإتمام أفضل لأنه الأصل.

وعند الحنابلة :القصر أفضل من الإتمام نصا، لمداومة النبى صلى الله عليه وسلم والخلفاء عليه. لكن إن أتم من يباح له القصر لم يكره.وعند الحنفية :القصر هو الأصل فى الصلاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۲۷۴و۲۷۵، مادة"صلاة المسافر")

[1] ذهب الشافعية والحنابلة :إلى أن القصر جائز تخفيفا على المسافر؛ لما يلحقه من مشقة السفر غالبا، واستدلوا بالآية الكريمة :(وإذا ضربتم فى الأرض فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة إن خفتم أن يفتنكم الذين كفروا)فقد علق القصر على الخوف؛ لأن غالب أسفار النبى صلى الله عليه وسلم لم تخل منه .ونفى الجناح فى الآية يدل على جواز القصر، لا على وجوبه.

واستدلوا كذلك بحديث يعلى بن أمية السابق " :صدقة تصدق الله بها عليكم.

وذهب الحنفية :إلى أن فرض المسافر من ذوات الأربع ركعتان لا غير، فليس للمسافر عندهم أن يتم الصلاة أربعا؛ لقول عائشة -رضى الله عنها " :-فرضت الصلاة ركعتين ركعتين، فأقرت صلاة السفر، وزيد فى صلاة الحضر ،ولا يعلم ذلك إلا توقيفا، وقول ابن عباس -رضى الله عنهما :-إن الله عز وجل فرض الصلاة على لسان نبيكم صلى الله عليه وسلم على المسافر ركعتين وعلى المقيم أربعا، وفى الخوف ركعة .

والراجح المشهور عند المالكية :أن القصر سنة مؤكدة؛ فإنه لم يصح عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه أتم الصلاة، بل المنقول عنه القصر فى كل أسفاره، وما كان هذا شأنه فهو سنة مؤكدة.

وهناك أقوال أخرى فى المذهب فقيل :إنه فرض، وقيل :إنه مستحب، وقيل :إنه مباح (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص۲۷۴، مادة "صلاة المسافر")

ثم اختلفوا فى أيهما أفضل، فقال بعضهم :القصر أفضل، وهو قول الأبهرى وغيره .وقيل :إن الإتمام أفضل، وحكى عن الشافعى .وحكى أبو سعيد الفروى المالكى أن الصحيح فى مذهب مالك التخيير للمسافر فى الإتمام والقصر .قلت -وهو الذى يظهر من قوله سبحانه وتعالى : (فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة) إلا أن مالكا رحمه الله يستحب له القصر(تفسير القرطبى، ج۵، ص۳۵۲، تفسير سورة النساء)

طرح چار رکعتیں پڑھے کہ دوسری رکعت پر قعدہ بھی کرے، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی فرض نماز (دوسری رکعت پر قعدہ کا فریضہ پائے جانے کی وجہ سے) درست ہوجاتی ہے، اور دوسری رکعت پر قعدہ نہ کرے، تو اس کی نماز (دوسری رکعت پر قعدہ کا فریضہ رہ جانے کی وجہ سے) درست نہیں ہوتی، اور اگر مسافر امام چار رکعتیں پڑھائے، اور اس کی اقتداء میں مقیم مقتدی نماز پڑھے، تو حنفیہ کے نزدیک اس مقتدی کی نماز درست نہیں ہوتی۔

جب کہ حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک مسافر اگر چار رکعتیں پڑھے، تو اس کی چاروں رکعتیں فرض ہوتی ہیں، اور دو رکعت پر قعدہ کرنے، نہ کرنے کی دونوں صورتوں میں اس کی نماز درست ہوجاتی ہے، اور اگر یہ مسافر امام ہو، تو اس کی اقتداء میں مقیم مقتدیوں کی نماز بھی درست ہوجاتی ہے۔ [1]

---

[1] بعض اوقات کسی جگہ امامت کی قابلیت مسافر کو ہوتی ہے، اور اس کے مقتدی کم علم ہوتے ہیں، ایسی صورت میں مسافر امام پوری نماز پڑھا دیتا ہے، اور اسے مسئلہ کا علم نہیں ہوتا، اور بعد میں علم ہونے پر ان مقتدیوں کو نماز کے اعادہ کا حکم کرنا مشکل یا فتنہ کا باعث ہوتا ہے۔

ایسی صورت میں بندہ کے نزدیک فیما بینی وبین اللہ جمہور فقہائے کرام کے قول کے مطابق امام ومقتدیوں کی نماز درست قرار دیئے جانے کی گنجائش پائی جاتی ہے۔ محمد رضوان۔

فی مذاهب العلماء فی القصر والإتمام :قد ذكرنا أن مذهبنا أن القصر والإتمام جائزان وأن القصر أفضل من الإتمام وبهذا قال عثمان بن عفان وسعد بن أبی وقاص وعائشة وآخرون وحكاه العبدری عن هؤلاء وعن ابن مسعود وابن عمر وابن عباس والحسن البصری ومالك وأحمد وأبی ثور وداود وهو مذهب أكثر العلماء ورواه البيهقی عن سلمان الفارسی فی اثنی عشر من الصحابة وعن أنس والمسور بن مخرمة وعبد الرحمن بن الأسود وابن المسيب وأبی قلابة :

وقال أبو حنيفة والثوری وآخرون القصر واجب قال البغوی وهذا قول أكثر العلماء وليس كما قال وحكى ابن المنذر وجوب القصر عن ابن عمر وابن عباس وجابر وعمر بن عبد العزيز ورواية عن مالك وأحمد قال أبو حنيفة فإن صلى أربعا وقعد بعد الركعتين قدر التشهد صحت صلاته لأن السلام ليس بواجب عنده وتقع الأخيرتان نفلا وإن لم يقعد هذا القدر بعد الركعتين فصلاته باطلة(المجموع شرح المهذب ، ج۴، ص ۳۳۸،باب صلاة المسافر)

فأما ما كان الأصل فرضيته ووجوبه ثم سقط بعضه تخفيفا، فإذا فعل الأصل وصف الكل بالوجوب على الصحيح، فمن ذلك إذا صلى المسافر أربعا فإن الكل فرض فی حقه، وعن أبی بكر أن الركعتين الأخيرتين نفل لا يصح اقتداء المفترض به فيهما، وهو متمش على أصله وهو عدم اعتبار

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مدتِ مسافت کی مقدار

اکثر فقہائے کرام کے نزدیک شرعی مدتِ مسافت یعنی اتنی مقدار کہ جس میں کوئی شخص شرعی اعتبار سے مسافر قرار دیا جاتا ہے، وہ چار برید یعنی اڑتالیس میل کی مقدار ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نية القصر، والمذهب الأول(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲،ص ۳۴۱،مادة "واجب")

أما قصر الصلاة فهو عزيمة والإكمال مكروه ومخالفة للسنة ولكن سمى رخصة مجازا وقال الشافعى القصر رخصة والإكمال عزيمة

وثمرة الخلاف أن المسافر إذا صلى أربعا لا يكون الأربع فرضا بل المفروض ركعتان لا غير والشطر الثانى تطوع عندنا حتى إنه إذا قعد على رأس الركعتين قدر التشهد تجوز صلاته وإذا لم يقعد لا تجوز لأنها القعدة الأخيرة فى حقه وهى فرض فإذا تركها فقد ترك فرضا بخلاف المقيم تجوز لأن الإكمال عزيمة عنده وقد اختار العزيمة فيكون فرضا.

وكذا إذا ترك القراء ة فى الركعتين الأوليين أو فى ركعة منهما تفسد صلاته عندنا خلافا له(تحفة الفقهاء، ج ۱،ص ۱۴۹،باب صلاة المسافر)

قال أصحابنا رحمهم الله :فرض المسافر فى كل صلاة رباعية ركعتان، وقال الشافعى رحمه الله فرضه أربع وركعتان رخصة حتى أن عند علمائنا رحمهم الله إذا صلى المسافر أربعا ولم يقعد على رأس الركعتين فسدت صلاته، لانشغاله بالنفل قبل إكمال الفرض، وإن كان قعد تمت صلاته وهو مسىء لخروجه عن الفرض ودخوله فى النفل لا على وجه المسنون(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۲،ص ۲۱،كتاب الصلاة،الفصل الثانى والعشرون فى صلاة السفر)

ومن أحرم مع من يظنه مقيمًا أو يشك فيه، لزمه الإتمام، وإن قصر إمامه اعتبارًا بالنية، وإن غلب على ظنه أنه مسافر لدليل، فله أن ينوى القصر، ويتبع إمامه، فيقصر بقصره، ويتم بإتمامه، وإن أحدث إمامه قبل علمه بحاله، فله القصر؛ لأن الظاهر أنه مسافر.

وإن أم المسافر مقيمًا لزم المقيم الإتمام، ويستحب للإمام أن يقول لهم :أتموا فإنا قوم سفر، لما روى عمران بن حصين قال :شهدت الفتح مع رسول الله -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -فكان لا يصلى إلا ركعتين، ثم يقول لأهل البلد :صلوا أربعًا فإنا سفر رواه أبو داود

وإن أتم الإمام بهم صحت الصلاة.

وعنه :تفسد صلاة المقيمين؛ لأنهم ائتموا بمتنفل فى الركعتين الأخيرتين، والأول المذهب؛ لأن الإتمام يلزمه بنيته(الكافى فى فقه الإمام أحمد، ج ۱،ص ۳۰۹،باب قصر الصلاة)

[1] أناط الفقهاء بالمراحل السفر المثبت للرخص كالقصر فى الصلاة وجمع الصلوات وقد ذهب الجمهور إلى أن السفر المثبت للرخص ما كان قدر مرحلتين وقدروه بستة عشر فرسخا، أو أربعة برد، أو ثمانية وأربعين ميلا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس کی مقدار موجودہ حساب سے بعض حضرات کے نزدیک سوا ستّر کلومیٹر اور بعض حضرات کے نزدیک اسّی کلومیٹر سے کچھ اوپر ہے۔ ۱؎

مدتِ اقامت کتنے دن ہے؟

جب کوئی مسافر ہو، اور وہ کسی ایسی جگہ قیام کرے اور ٹھہرے کہ جو اس کا وطنِ اصلی یا وطنِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ قال الدردير :وهى -أى مسافة السفر -باعتبار الزمان مرحلتان أى سير يومين معتدلين .وقال الدسوقى :فالعبرة بالأربعة البرد .

وقال النووى :وطويل السفر ثمانية وأربعون ميلا هاشمية، قال وهو مرحلتان بسير الأثقال .

وقال المقدسى :يبلغ سفره ذهابا ستة عشر فرسخا تقريبا .وهى يومان .

أما الحنفية فقد نصوا على أن مسافة السفر المثبت للرخص هى ثلاث مراحل، قال ابن عابدين: التقدير بثلاث مراحل قريب من التقدير بثلاثة أيام ، ولا عبرة عند جمهور الحنفية للمسافة، بل العبرة للزمن فقط على المذهب، وقال الحصكفى :ولا اعتبار بالفراسخ على المذهب .

فالمرحلة من حيث المسافة عند الجمهور تساوى أربعة وعشرين ميلا هاشميا، أو بريدين، أو ثمانية فراسخ، وكلها متساوية .

وعند الحنفية المرحلة ستة فراسخ، وقيل خمسة فراسخ، وقيل سبعة فراسخ، والفتوى على الأول (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۸ص ۳۲۳، ۳۲۴،مادة " مقادير")

من معانى البريد فى اللغة :الرسول، ومنه قول بعض العرب :الحمى بريد الموت .وأبرد بريدا : أرسله، وفى الحديث أنه صلى الله عليه وسلم قال :إذا أبردتم إلى بريدا فاجعلوه حسن الوجه، حسن الاسم وإبراده :إرساله.

وقال الزمخشرى :البريد :كلمة فارسية معربة، كانت تطلق على بغال البريد، ثم سمى الرسول الذى يركبها بريدا، وسميت المسافة التى بين السكتين بريدا، والسكة :موضع كان يسكنه الأشخاص المعينون لهذا الغرض من بيت أو قبة أو رباط .وكان يرتب فى كل سكة بغال، وبعد ما بين السكتين فرسخان أو أربعة .أ .هـ .والفرسخ ثلاثة أميال، والميل أربعة آلاف ذراع .وفى كتب الفقه :السفر الذى يجوز فيه القصر أربعة برد، وهى 48ميلا بالأميال الهاشمية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸ص ۸۱، مادة "بريد")

۱؎ اور اگر قصر واتمام میں تعارض کے وقت اتمام کو ترجیح حاصل ہونے کے اصول پر غور کیا جائے، تو دوسرا قول راجح قرار دیا جاسکتا ہے۔ محمد رضوان۔

والسفر الذى لا يجوز فيه قصر الصلاة، ولا الفطر هو ما كان دون المسافة عند القائلين بأنه يحدد السفر بمسافة أربعة برد ستة عشر فرسخا والفرسخ ثلاثة أميال، وتقدر بالكيلوات نحو واحد وثمانين كيلو وثلاثمائة متر أو نحوها (مجموع فتاوىٰ ورسائل العثيمين، ج ۱۹ ص ۱۵۴، كتاب الصيام)

اقامت نہیں، تو کتنی مدت قیام کرنے اور ٹھہرنے سے وہ مقیم شمار ہوتا ہے؟ اس میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک شرعی اقامت کی مدت کم از کم پندرہ راتیں ہے۔

جبکہ دیگر جمہور فقہائے کرام (مالکیہ، شافعیہ وحنابلہ) کے نزدیک چار دن ہے، البتہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک چار دن سے زیادہ یعنی کم از کم پانچ دن ہے۔

لہٰذا حنفیہ کے نزدیک مسافر اپنے وطنِ اقامت سے باہر کسی جگہ مجموعی طور پر کم از کم پندرہ رات قیام کی نیت کرنے کی وجہ سے مقیم شمار ہوتا ہے، اور اس کو پوری نماز پڑھنے کا حکم ہوتا ہے، اور اس سے کم مقدار قیام کرنے کی صورت میں مقیم شمار نہیں ہوتا، بلکہ مسافر شمار کیا جاتا ہے۔

جبکہ حنابلہ کے نزدیک چار دن سے زیادہ (مثلاً پانچ یا اس سے زیادہ دن) اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک صرف چار دن قیام کرنے کی وجہ سے وہ شخص مقیم شمار ہوجاتا ہے، اور اس کو پوری نماز پڑھنے کا حکم ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] ثانیا :السفر:یشترط فی السفر المرخص فی الفطر ما یلی:

أ -أن یکون السفر طویلا مما تقصر فیه الصلاة قال ابن رشد :وأما المعنى المعقول من إجازة الفطر فی السفر فهو المشقة، ولما کانت لا توجد فی کل سفر، وجب أن یجوز الفطر فی السفر الذی فیه المشقة، ولما کان الصحابة کأنهم مجمعون علی الحد فی ذلک، وجب أن یقاس ذلک علی الحد فی تقصیر الصلاة .

ب -أن لا یعزم المسافر الإقامة خلال سفره مدة أربعة أیام بلیالیها عند المالکیة والشافعیة، وأکثر من أربعة أیام عند الحنابلة، وهی نصف شهر أو خمسة عشر یوما عند الحنفیة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۸،ص۴۷، مادة "صوم")

مسألة :قال :(وإذا نوى المسافر الإقامة فی بلد أکثر من إحدى وعشرین صلاة، أتم) المشهور عن أحمد -رحمه الله -أن المدة التی تلزم المسافر الإتمام بنیة الإقامة فیها، هی ما کان أکثر من إحدى وعشرین صلاة .رواه الأثرم، والمروذی، وغیرهما، وعنه أنه إذا نوى إقامة أربعة أیام أتم، وإن نوى دونها قصر .وهذا قول مالک، والشافعی، وأبی ثور؛ لأن الثلاث حد القلة، بدلیل قول النبی -صلى الله علیه وسلم :-یقیم المهاجر بعد قضاء منسکه ثلاثا .ولما أخلى عمر -رضی الله عنه -أهل الذمة، ضرب لمن قدم منهم تاجرا ثلاثا، فدل على أن الثلاث فی حکم السفر، وما زاد فی حکم الإقامة .ویروى هذا القول عن عثمان -رضی الله عنه .-وقال الثوری، وأصحاب الرأی :إن أقام

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جہاں قصر واتمام میں اشتباہ ہو، وہاں نماز کس طرح پڑھی جائے؟

جس جگہ اس بارے میں اشتباہ پیدا ہو جائے کہ وہاں نماز پوری پڑھی جائے یا قصر کیا جائے؟ تو وہاں پوری نماز پڑھنے کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔

لہٰذا اگر کوئی ایسی جگہ ہے، جہاں اس کو پوری نماز پڑھنے یا قصر کرنے کا حکم معلوم نہیں، اور کوئی شرعی مسئلہ بتلانے والا بھی نہیں، یا کسی جگہ مقیم ومسافر ہونے کے اعتبار سے اہلِ علم کی آراء مختلف ہیں، تو اس کو وہاں پوری نماز پڑھنے کو ترجیح حاصل ہوگی، اور پوری نماز پڑھنے میں احتیاط ہوگی۔

اور جس جگہ کسی شخص نے اقامت اختیار کرلی، اور وہ وہاں سے عارضی طور پر کسی جگہ (مدتِ مسافت پر یا اپنے وطنِ اصلی) جائے، اور اس کا واپس آنے کا ارادہ ہو، تو پہلی جگہ کا اس کے حق میں وطنِ اقامت ہونا برقرار رہتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علمائے عصر کا اختلاف ہے، اور مذکورہ اصول کی رُو سے وطنِ اقامت برقرار رہنا اور پوری نماز پڑھنا راجح اور احتیاط پر مبنی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

خمسة عشر يوما مع اليوم الذى يخرج فيه أتم، وإن نوى دون ذلك قصر (المغنى لابن قدامة، ج۲، ص۲۱۲، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر)

الذى يجوز للمسافر إذا أقام فيه فى بلد أن يقصر فاختلاف كثير حكى فيه أبو عمر نحوا من أحد عشر قولا، إلا أن الأشهر منها هو ما عليه فقهاء الأمصار، ولهم فى ذلك ثلاثة أقوال :أحدها: مذهب مالك، والشافعى أنه إذا أزمع المسافر على إقامة أربعة أيام أتم .والثانى :مذهب أبى حنيفة، وسفيان الثورى أنه إذا أزمع على إقامة خمسة عشر يوما أتم.

والثالث :مذهب أحمد، وداود أنه إذا أزمع على أكثر من أربعة أيام أتم (بداية المجتهد، ج۱، ص۱۸۰، كتاب الصلاة، الباب الرابع فى صلاة السفر، الفصل الأول فى القصر)

[1] احسن الفتاویٰ میں ہے کہ:

صورتِ اختلاف واشتباہ میں بوجوہِ ذیل اتمام اَرجح واَحوط ہے:

(۱) اتمام اصل ہے اور قصر بوجہ عارض، لہٰذا بدون تیقن عارض قصر جائز نہیں۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سفر میں جمع بین الصلاتین کا حکم

حنفیہ کے نزدیک مسافر کو سفر کے دوران حقیقتاً جمع بین الصلاتین کرنا یعنی دو نمازوں کو اکٹھی ایک نماز کے وقت میں پڑھنا جائز نہیں، بلکہ ہر نماز کو اپنے وقت کے اندر پڑھنا ضروری ہے۔ البتہ اس طرح کرنا جائز ہے کہ ایک نماز (مثلاً ظہر) کو اس کے آخری وقت میں، اور دوسری نماز (مثلاً عصر) کو اس کے ابتدائی وقت میں پڑھیں، اور اس طرح نماز پڑھنے کو حنفیہ کے نزدیک صورتاً جمع بین الصلاتین کہا جاتا ہے۔ [1]

البتہ حج کرنے والے کو بعض شرائط کے ساتھ عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز کو عشاء کے وقت میں حقیقتاً جمع کر کے پڑھنا حنفیہ کے نزدیک درست ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ (۲) مقامِ قصر میں اتمام سے نماز مع الکراہۃ ہو جاتی ہے، مگر مقامِ اتمام میں قصر سے نماز قطعاً ہوتی ہی نہیں، لہٰذا قول مسافت بعیدہ واجبُ العمل ہے، ونص عليه الامام محمد رحمه الله تعالىٰ (كتاب الحجة صفحه ١٦٦ جلد ١)

(۳) مذاہبِ ثلاثہ میں مقامِ قصر میں بھی اتمام جائز ہے، ان کے مطابق نماز بلا کراہت ہوگئی، مگر مقامِ اتمام میں قصر سے کسی مذہب پر بھی نہیں ہوگی (احسن الفتاویٰ جلد ۴ صفحہ ۹۸، باب صلاۃ المسافر)

لانه اجتمع فى هذه الصلوة مايوجب الاربع ومايمنع فرجحنا مايوجب الاربع احتياطا (ردالمحتار ج ١ ص ٥٧٩)(كذا فى البحرالرائق ج ٢ ص ١٢٩ باب المسافر)

[1] ذهب جمهور الفقهاء إلى أن للمسافر أن يجمع بين صلاتى الظهر والعصر، وبين صلاتى المغرب والعشاء، جمع تقديم أو جمع تأخير بشروطه.

وخالف الحنفية فى ذلك، وقالوا :لا جمع فى السفر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٤ص٦٠، مادة "وطن")

[2] جمع الصلاة :المراد بالجمع :هو أن يجمع المصلى بين فريضتين فى وقت إحداهما، جمع تقديم أو جمع تأخير .والصلاة التى يجوز فيها الجمع هى :الظهر مع العصر، والمغرب مع العشاء .

والجمع بين فريضتين جائز بإجماع الفقهاء .إلا أنهم اختلفوا فى مسوغات الجمع :فعند الحنفية يجمع بين الظهر والعصر فى وقت الظهر بعرفة، وبين المغرب والعشاء فى وقت العشاء بمزدلفة، فمسوغ الجمع عندهم هو الحج فقط، ولا يجوز عندهم الجمع لأى عذر آخر، كالسفر والمطر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧ص٢٨٧، مادة "صلاة المغرب")

www.idaraghufran.org

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک مسافر کو بعض شرائط کے ساتھ حقیقتاً جمع بین الصلاتین کرنا جائز ہے۔

چنانچہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایسے مسافر کو کہ جس کو نماز میں قصر کا حکم ہو، اور اس کا سفر بھی گناہ والا نہ ہو، ظہر اور عصر کو اور اسی طرح مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے، خواہ آنے والے وقت کی نماز کو پہلی نماز کے ساتھ پڑھا جائے، جس کو جمع تقدیم کہا جاتا ہے، یا ایک نماز کا وقت گزرنے کے بعد اس نماز کو اگلے وقت کی نماز کے ساتھ پڑھا جائے، جس کو جمع تاخیر کہا جاتا ہے۔

مگر ان حضرات کے نزدیک ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ جمع کرنا ہی جائز ہے، اور دوسری نمازوں یعنی فجر کو ظہر کے ساتھ، اور عصر کو مغرب کے ساتھ اور اسی طرح عشاء کو فجر کے ساتھ جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں۔ [1]

پھر جن حضرات کے نزدیک بحالتِ سفر ظہر اور عصر کی نماز کو اور اسی طرح مغرب اور عشاء کی نماز کو ایک وقت میں جمع کر کے پڑھنا جائز ہے، ان کے نزدیک اس کے لئے کچھ شرائط کا پایا

---

[1] اور مالکیہ کے نزدیک مذکورہ طریقہ پر جمع بین الصلاتین چھوٹے سفر میں بھی جائز ہے، جس میں نماز کے قصر کا حکم نہ ہو، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

الجمع للسفر: ذهب الشافعية والحنابلة إلى جواز الجمع بين الظهر والعصر، وبين المغرب والعشاء جمع تقديم، أو جمع تأخير بسبب السفر الطويل الذى تقصر فيه الرباعية ما لم يكن سفر معصية للأدلة الآتية:

أ -عن أنس رضى الله عنه قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا ارتحل قبل أن تزيغ الشمس أخر الظهر إلى وقت العصر ثم نزل فجمع بينهما الحديث، وفى رواية :فإن زاغت الشمس قبل أن يرتحل صلى الظهر والعصر ثم ركب وفى رواية أخرى كان صلى الله عليه وسلم إذا كان فى سفر فزالت الشمس صلى الظهر والعصر جميعا ثم ارتحل .

ب -وعن معاذ رضى الله عنه قال :خرجنا مع النبى صلى الله عليه وسلم فى غزوة تبوك فكان يصلى الظهر والعصر جميعا والمغرب والعشاء جميعا .

أما المالكية فلا يشترط للجمع فى السفر عندهم طول مسافة السفر أو قصرها، فإذا نوى الإقامة فى أثناء إحدى الصلاتين عند التقديم بطل الجمع .ولا يشترط فيه إقامة أربعة أيام لبطلان الجمع(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ،ص ۲۸۴، ۲۸۵، مادة "جمع")

جانا ضروری ہے۔

چنانچہ بحالتِ سفر ظہر اور عصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں پڑھنے کی ایک شرط تو یہ ہے کہ جس جگہ نماز پڑھنے کے لئے اترا یا قیام (Stay) کیا ہے، وہاں ظہر کا وقت داخل ہو چکا ہو، یعنی زوال ہو چکا ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ اس جگہ سے عصر کا وقت داخل ہونے سے پہلے کوچ کرنے یعنی روانہ ہونے اور دوسری جگہ سورج غروب ہونے کے بعد اترنے یا قیام (Stay) کرنے کا ارادہ ہو۔ [1]

اور اگر کوئی شخص سفر میں ہے، اور سفر میں ہی زوال بھی ہو گیا ہے، تو اگر اس کا سورج غروب ہونے بلکہ سورج ماند پڑنے سے بھی پہلے اترنے اور قیام (Stay) کرنے کا ارادہ ہے، تو اس کو ظہر کی نماز مؤخر کر کے عصر کی نماز کے ساتھ اور عصر کی نماز کے وقت میں جمع کر کے پڑھنا چاہئے۔ [2]

---

[1] وأحوال جواز الجمع فی السفر أو عدمه كالآتی- :
يرخص الجمع بين الظهر والعصر جمع تقديم بشرطين:
أحدهما :أن تزول عليه الشمس بالمكان الذى نزل فيه للراحة.
ثانيهما :أن ينوى الارتحال قبل دخول وقت العصر والنزول فی مكان آخر بعد غروب الشمس.
وإن نوى النزول قبل اصفرار الشمس صلى الظهر أول وقتها، وأخر العصر وجوبا حتى ينزل ليوقعها فی وقتها الاختيارى، فإن قدمها مع الظهر أجزأت، وندب إعادتها فی وقتها عند نزوله.
وإن نوى النزول بعد الاصفرار وقبل الغروب صلى الظهر قبل أن يرتحل وهو مخير فی العصر إن شاء قدمها مع الظهر، وإن شاء أخرها حتى ينزل هذا إذا زالت عليه الشمس أثناء نزوله(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج١٥ ،ص٢٨٥، مادة "جمع")

[2] فإن زالت عليه الشمس أثناء سيره فأحواله هى:
إن نوى النزول وقت اصفرار الشمس أو قبله أخر الظهر، ليجمعها مع العصر جمع تأخير وقت نزوله وجوبا على ما قال الدسوقی وجوازا على ما قال اللخمی.
وإن نوى النزول بعد الغروب جمع بينهما جمعا صوريا، وهو أن يصلى الظهر آخر وقته الاختيارى، والعصر أول وقته الاختيارى.
هذا بالنسبة للظهر والعصر .ومثلهما المغرب والعشاء مع مراعاة ما يدخل به وقت العشاء وهو الشفق وما يخرج به وهو الفجر.
وذهب الأوزاعی إلى جواز جمع التأخير فقط للمسافر عملا برواية من حديث أنس رضى الله عنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پھر پہلے وقت میں اگلے وقت کی نماز کو جمع کر کے پڑھنے یعنی جمع تقدیم کے لئے یہ شرط ہے کہ دونوں نمازوں میں سے پہلی نماز کو پہلے اور دوسری نماز کو اس کے بعد پڑھا جائے، اور یہ بھی شرط ہے کہ جمع کرنے کی نیت سے نماز پڑھے، اور یہ بھی شرط ہے کہ دونوں نمازیں متصل پڑھے، اور دونوں نمازوں کے درمیان غیر معمولی فاصلہ نہ کرے، اور یہ بھی شرط ہے کہ پہلی نماز کو ختم کرنے اور دوسری نماز کو شروع کرنے تک مسافر ہونا باقی ہو۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ وهى قوله :فإن زاغت الشمس قبل أن يرتحل صلى الظهر ثم ركب .

وذهب الحسن البصرى، والنخعى، وابن سيرين، ومكحول، وأبو حنيفة إلى أنه لا يجوز الجمع للمسافر لا تقديما ولا تأخيرا، وتأولوا ما ورد من جمعه صلى الله عليه وسلم بأنه جمع صورى، وهو أنه أخر الظهر إلى آخر وقتها وقدم العصر فى أول وقتها وفعل مثل ذلك فى المغرب والعشاء .

واستدلوا بأدلة منها:

أ -عن ابن مسعود رضى الله عنه قال .ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى صلاة بغير ميقاتها إلا صلاتين جمع بين المغرب والعشاء .

ب -قوله صلى الله عليه وسلم :ليس فى النوم تفريط إنما التفريط على من لم يصل الصلاة حتى يجىء وقت الأخرى، فمن فعل ذلك فليصلها حين ينتبه لها، فإذا كان الغد فليصلها عند وقتها .

ج -واحتجوا بأن مواقيت الصلاة ثبتت بالتواتر وأحاديث الجمع آحاد فلا يجوز ترك المتواتر بخبر الواحد(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۱۵ ،ص۲۸۵،۲۸۶، مادة "جمع")

۱؎ شروط صحة جمع التقديم:

ذهب جمهور الفقهاء القائلين بجواز الجمع إلى أنه يشترط لجمع التقديم أربعة شروط:

أولها :البداءة بالأولى من الصلاتين كالظهر والمغرب لأن الوقت لها والثانية تبع لها والتابع لا يتقدم على متبوعه، فلو صلى العصر قبل الظهر أو العشاء قبل المغرب لم يصح الظهر فى الصورة الأولى، ولا العشاء فى الثانية، وعليه أن يعيدها بعد الأولى إذا أراد الجمع.

ثانيها :نية الجمع ومحلها الفاضل أول الصلاة الأولى ويجوز فى أثنائها إلى سلامها.

ثالثها :الموالاة بين الصلاتين وهى أن لا يفصل بينهما زمن طويل، أما الفصل اليسير فلا يضر؛ لأن من العسير التحرز منه.

فإن أطال الفصل بينهما بطل الجمع سواء أفرق بينهما لنوم، أم سهو، أم شغل، أم غير ذلك.

والمرجع فى الفصل اليسير والطويل العرف كما هو الشأن فى الأمور التى لا ضابط لها فى الشرع أو فى اللغة كالحرز والقبض وغيرهما.

وقدر بعض الحنابلة والشافعية الفصل اليسير بقدر الإقامة، وزاد الحنابلة وقدر الوضوء .

رابعها :دوام سفره حال افتتاح الأولى والفراغ منها وافتتاح الثانية، فإذا نوى الإقامة أثناء الصلاة الأولى، أو وصل إلى بلده وهو فى الأولى، أو صار مقيما بين الصلاتين انقطع الجمع لزوال سببه، ولزمه تأخير الثانية إلى وقتها(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۱۵ ،ص۲۸۷، مادة "جمع")

www.idaraghufran.org

اور پہلی نماز کو اگلی نماز کے وقت میں جمع کر کے پڑھنے یعنی جمع تاخیر کے لئے یہ شرط ہے کہ پہلی نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے جمع کرنے کی نیت کرے، اور یہ بھی شرط ہے کہ دونوں نمازیں پڑھنے تک مسافر ہونا برقرار رہے۔ [1]

مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ مسافر کو مذکورہ فقہائے کرام کے نزدیک جمع بین الصلاتین جائز ہے۔ [2]

---

[1] شروط صحة جمع التأخير:

يشترط لصحة جمع التأخير نية الجمع قبل خروج وقت الأولى بزمن لو ابتدئت فيه كانت أداء ، فإن أخرها بغير نية الجمع أثم وتكون قضاء لخلو وقتها عن الفعل أو العزم.

وزاد الشافعية شرطا آخر لجمع التأخير وهو دوام سفره إلى تمام الصلاتين، فإن أقام قبل فراغه منهما أصبحت الأولى قضاء .

أما الحنابلة فيشترطون استمرار السفر إلى حين دخول وقت الثانية، وعليه فلا يضر زوال السفر قبل فعل الصلاتين وبعد دخول وقت الثانية(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٥، ص٢٨٨، مادة "جمع")

[2] اور حقیقی جمع بین الصلاتین کے قائلین نے جو نماز کے کسی ایک وقت میں نزول یا قیام (Stay) کے ارادہ کی قید لگائی ہے، اس سے مسافر کا اپنا ارادہ مراد ہے، جس سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک مسافر کو خود سے اپنے حالات کو دیکھ کر اس طرح ارادہ کرنا اور اس کی بنیاد پر جمع بین الصلاتین کرنا جائز ہے، اور آج کل جو سواریاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے روکنے کا اختیار مسافر کو نہیں ہوتا، بلکہ یا تو سواری چلانے والے (یعنی سائق) کو ہوتا ہے، یا انتظامیہ کو ہوتا ہے، بلکہ اکثر و بیشتر لمبے اور طویل اسفار میں مختلف اداروں کے تحت چلنے والی سواریوں کے قیام (Stay) کے قواعد وضوابط (Rules) طے شدہ ہوتے ہیں، جن کی پابندی سواری چلانے والوں (یعنی ڈرائیوروں) پر لازم ہوتی ہے۔

ایسے مواقع پر سائق یعنی ڈرائیور کے ارادہ یا قاعدہ وضابطہ کے مطابق قیام (Stay) کرنے کو بھی ارادہ کے قائم مقام قرار دیا جاسکتا ہے، جس طریقہ سے مسافر اور مقیم ہونے کے اعتبار سے متبوع کی نیت پر مدار رکھا جاتا ہے، تاہم پھر بھی مسافر کے لئے مناسب یہی ہونا چاہئے کہ اگر اسے سفر میں قیام (Stay) کے نظم کا علم نہ ہو، تو وہ معلوم کر کے پہلے سے خود اس کے مطابق جمع بین الصلاتین کی نیت کر لے۔

آج کل اکثر علاقوں میں جہاز اور ٹرین اور بہت سے مقامات پر بسوں کے قواعد وضوابط پہلے سے طے شدہ اور مسافروں کو معلوم ہوتے ہیں، اور جن کو معلوم نہ ہوں، ان کو آسانی معلوم کرنا ممکن ہوتا ہے، ایسے حالات میں اگر مسافر کو ہجوم اور جگہ کی تنگی وغیرہ کے سبب سے چلتی سواری میں فرض نماز کو قیام اور باقاعدہ رکوع وسجدے اور قبلہ کی طرف رخ کر کے پڑھنے کی قدرت حاصل نہ ہو، اور اسے ظہر وعصر میں سے کسی ایک نماز کے وقت میں اور اسی طرح مغرب وعشاء میں سے کسی ایک نماز کے وقت میں نزول وقیام (Stay) کر کے باقاعدہ قیام اور رکوع وسجدہ کی شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے نماز پڑھنے کی قدرت حاصل ہو، تو مذکورہ فقہائے کرام کے نزدیک اسے مندرجہ بالا صورتوں میں جمع بین الصلاتین کی اجازت ہوگی۔

پھر شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جمع بین الصلاتین ایسے طویل سفر میں ہی جائز ہے، جس میں نماز کے قصر کرنے کا حکم ہوتا ہے، اور مالکیہ کے نزدیک یہ شرط نہیں، بلکہ ان کے نزدیک مختصر سفر میں بھی جمع بین الصلاتین اپنی شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ [1]

اگر کبھی سفر میں ایسی جلدی ہو کہ شدید ضرورت میں کہیں جلدی پہنچنا ہو (مثلاً فلائٹ پکڑنی ہو) اور راستہ میں دو جگہ قیام کرنے سے حرج یا جانی یا مالی نقصان لازم آتا ہو، یا نماز کا قضاء ہونا لازم آتا ہو، تو ایسی صورت میں غیر حنفیہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ جمع کر کے پڑھنے کی اجازت ہے، جبکہ ماقبل میں بیان کردہ شرائط کے مطابق عمل کیا جائے۔ [2]

---

[1] وقد اختلف الفقهاء فى جواز الجمع فى السفر القصير.
فذهب الشافعية فى الراجح عندهم والحنابلة إلى أنه لا يجوز الجمع فى السفر القصير، لأن الجمع رخصة ثبتت لدفع المشقة فى السفر فاختصت بالطويل كالقصر ولأنه إخراج عبادة عن وقتها فلم يجز فى السفر القصير كالفطر فى الصوم، ولأن دليل الجمع فعل النبى صلى الله عليه وسلم والفعل لا صيغة له وإنما هو قضية عين، فلا يثبت حكمها إلا فى مثلها، ولم ينقل أنه صلى الله عليه وسلم جمع إلا فى سفر طويل .وذهب الشافعية فى المرجوح عندهم إلى جواز الجمع فى السفر القصير لأن أهل مكة يجمعون بعرفة ومزدلفة وهو سفر قصير.
وتفصيل ما يتصل بالسفر قصرا وطولا ينظر فى :(صلاة المسافر).
هذا وروى عن أحمد أن الجمع لا يجوز إلا إذا كان سائرا فى وقت الأولى فيؤخر إلى وقت الثانية ثم يجمع بينهما .والرواية الثانية جواز تقديمه الصلاة الثانية ليصليها مع الأولى على ما سبق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ،ص۲۸۸، مادة "جمع")

[2] وقد شاهدت كثيرا من الناس فى الأسفار خصوصا فى سفر الحج ماشين على هذا تقليدا للإمام الشافعى فى ذلك إلا أنهم يخلون بما ذكرت الشافعية فى كتبهم من الشروط له فأحببت إيرادها إبانة لفعله على وجهه لمريده، اعلم أنهم بعد أن اتفقوا على أن فعل كل صلاة فى وقتها أفضل إلا للحاج فى الظهر والعصر بعرفة وفى حق المغرب والعشاء بمزدلفة قالوا شروط التقديم ثلاثة البداءة بالأولى ونية الجمع بينهما ومحل هذه النية عند التحريم أعنى فى الأولى ويجوز فى أثنائها فى الأظهر ولو نوى مع السلام منها جاز على الأصح والموالاة بأن لا يطول بينهما فصل، فإن طال وجب تأخير الثانية إلى وقتها ولا يضر فصل يسير وما عده العرف فصلا طويلا فهو طويل يضر ومالا فلا وللمتيمم الجمع على الصحيح ولا يشترط على الصحيح فى جوازنا تأخير الأولى إلى الثانية سوى تأخيرها بنية الجمع بينهما والأصح أنه إن نوى، وقد بقى من الوقت ما يسع ركعة كفى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

سفر میں سنن ونوافل کا حکم

جو نمازیں نفل ہیں، یا غیر مؤکدہ سنتیں ہیں، ان کو تو مقیم ہونے کی حالت میں بھی چھوڑنے اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

على ما فى الرافعي والروضة واعتبر فى شرح المهذب قدر الصلاة، فإن لم ينو كما ذكرنا وأخر عصى فى التأخير وكانت صلاته قضاء قالوا وإذا كان سائرا وقت الأولى فتأخيرها إلى وقت الثانية أفضل، وإن كان نازلا فتقديم الثانية إلى وقت الأولى أفضل ذكره ابن أمير حاج فى مناسكه والله سبحانه وتعالى أعلم(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ۱، ص۲۶۷، كتاب الجنائز)

قال الراقم: واذكر اثرين لابن عمر فى الجمع فى هذا الصدد، فربما يضطر الانسان الى الجمع مخافة فوت احدى الصلاتين فى بعض الاسفار لاسباب كثيرة، ففى "الكنز" (۴۔۱۱۷) اذا حضر احدكم الامر يخشى فوته فليصل هذه الصلاة، يعنى الجمع بين الصلاتين(معارف السنن، ج۴ص۴۹۰، باب ماجاء فى الجمع بين الصلاتين، مطبوع: المكتبة الرشيدية، كراتشى)

ولا ننهى كسالى العوام عن صلاة الفجر وقت الطلوع لأنهم قد يتركونها بالمرة والصحة على قول مجتهد أولى من الترك (مراقى الفلاح شرح متن نور الإيضاح، ج ۱، ص ۷۶، كتاب الصلاة)

ومما ينشأ من الجهل والتعصب تفويت فرض من فروض الله تعالى مع إمكان اقامته على رأى مجتهد جليل بل رأى جمع من المجتهدين وذلك أن جهلة المتعصبين يمتنعون ويمنعون من جمع الصلاتين فى السفر الذى ذهب إلى جوازه الإمام الشافعى وغيره من صدر الإسلام رحمة الله عليهم ويؤدى ذلك إلى تفويت الفرض رأسا وذلك إنهم لما يعزمون على السير عند الزوال مثلا فيصلون الظهر لأول وقتها ويمتنعون من جمع العصر اليها فيركبون ويسيرون بناء على إنهم قد لا يتهيأ لهم النزول إلا مع المغرب أو الغروب بحيث لا يتسع الوقت إلى الطهارة والصلاة وخصوصا فى حق من تتعسر الطهارة عليه فتفوتهم الفرصة وقد كانوا يمكنهم أداؤها فى المنزل فى المكان الذى كانوا به مجموعة جمع تقديم إلى الظهر على مذهب الإمام الشافعى رحمة الله عليه وعلى مذهب غيره ممن جوز الجمع لأجل السفر فيمتنعون عن ذلك ويرضون بتفويتها ولا يرضون بفعلها على مذهب مجتهد يجوز لهم أو يجب عليهم اتباعه والحال ما قرر لأن تحصيل الفرض من وجه مقدم على تفويته من كل وجه وما هذا إلا محض التعصب والجهل وقد ذكر الإمام الأجل ظهير الدين الكبير المرغينانى عن أستاذه السيد الإمام أبى شجاع رحمه الله تعالى انه سئل شمس الأئمة الحلوانى عن كسالى بخارى أنهم يصلون الفجر والشمس طالعة فهل نمنعهم من ذلك فقال لا يمنعون لأنهم لوا منعوا يتركونها أصلا ظاهرا أى مما يظهر من حالهم ولو صلوها تجوز عند أصحاب الحديث ولا شك أن الاداء الجائز عند البعض أولى من الترك أصلا هذا جواب الحلوانى وناهيك به إذ هو شيخ المذهب فى عصره تخرج به الفحول النظار من أئمتنا كشمس الأئمة السرخسى وفخر الإسلام البزودى صاحب المبسوطين وأضرابهم من رؤساء المذهب الذين هم قدماء الدهر وعظماء ما وراء النهر(القول السديد فى بعض مسائل الاجتهاد والتقليد، لمحمد بن عبد العظيم المكى الرومى المورى الحنفى، ص ۱۳۱ الى ۱۳۶، الفصل الاول)

نہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، جہاں تک مؤکدہ سنتوں کا تعلق ہے، تو سفر میں ان کے پڑھنے نہ پڑھنے کی دونوں طرح کی احادیث پائی جاتی ہیں، جن کے پیشِ نظر یہ بات واضح ہے کہ سفر میں سنتوں کی وہ تاکید برقرار نہیں رہتی، جو حضر اور مقیم ہونے کی حالت میں ہوتی ہے، کیونکہ سفر کی حالت عادتاً تکلیف اور مشقت کی حالت ہوتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے کئی احکام میں تخفیف اور آسانی پیدا فرمائی ہے، اور خود چار فرضوں میں بھی تقصیر یعنی کمی کر کے دو کی تعداد مقرر فرمادی ہے، خواہ وہ سفر میں چلنے کی حالت میں ہو، یا کہیں ٹھہرا ہوا ہو، لیکن شرعاً مسافر ہو۔

اور اسی وجہ سے بعض احادیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ سفر میں ہوتا ہے، یا بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو اُسی طرح کے عمل کا اجر وثواب عطا فرماتا ہے، جو وہ مقیم اور صحت مند ہونے کی حالت میں کرتا ہے۔ [1]

البتہ پھر بھی اگر سفر میں کوئی عذر اور جلدی نہ ہو، تو سنتوں کو پڑھ لینا بہتر قرار دیا جاسکتا ہے، ضروری پھر بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ [2]

---

[1] أبو بردة: سمعت أبا موسى مرارا يقول :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إذا مرض العبد، أو سافر، كتب له مثل ما كان يعمل مقيما صحيحا (بخاری، رقم الحديث٢٩٩٦، باب يكتب للمسافر مثل ما كان يعمل فى الإقامة)

عن أبي موسى، قال :سمعت النبى صلى الله عليه وسلم غير مرة، ولا مرتين يقول :إذا كان العبد يعمل عملا صالحا، فشغله عنه مرض، أو سفر، كتب له كصالح ما كان يعمل، وهو صحيح مقيم (سنن ابی داؤد، رقم الحديث ٣٠٩١، باب إذا كان الرجل يعمل عملا صالحا فشغله عنه مرض أو سفر)

[2] وفى السفر يرى جمهور الفقهاء استحباب صلاة السنن الرواتب أيضا لكنها فى الحضر آكد .واستدلوا بأن النبى صلى الله عليه وسلم كان يصلى النوافل على راحلته فى السفر حيث توجهت به . وبحديث أبى قتادة أنهم كانوا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى سفر فناموا عن صلاة الصبح حتى طلعت الشمس، فساروا حتى ارتفعت الشمس، ثم نزل رسول الله صلى الله عليه وسلم فتوضأ، ثم أذن بلال بالصلاة فصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين، ثم صلى الغداة فصنع كما كان يصنع كل يوم ،وجوز بعض الحنفية للمسافر ترك السنن، والمختار عندهم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

لیکن اگر کوئی ریل میں یا کسی ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہو، جہاں اس کے نماز پڑھنے کی وجہ سے لوگوں کو اٹھنے بیٹھنے اور آمد ورفت میں تکلیف ہوتی ہو، تو ایسے موقع پر دوسروں کو تکلیف سے بچانا سفر میں سنت ونفل نماز پڑھنے سے زیادہ اہم ہے، لہٰذا ایسے موقع پر مسافر کو فرض اور واجب نمازوں کو ادا کرنے پر اکتفاء کرنا چاہئے، اور سنت ونفل نمازوں میں مشغول ہوکر دوسروں کو ایذاء وتکلیف نہیں پہنچانی چاہئے۔ [1]

سفر کی نماز، حضر میں اور حضر کی نماز، سفر میں قضاء کرنے کا حکم

اگر کسی کی کوئی نماز حضر یعنی مقیم ہونے کی حالت میں قضاء ہوگئی تھی، اور وہ اس نماز کو سفر کی حالت میں قضاء کرتا ہے، تو وہ مقیم ہونے کے اعتبار سے قضاء نماز چار رکعت ہی پڑھے گا، اور اس کو دو رکعت پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔

اور اس کے برعکس اگر کوئی نماز سفر میں قضاء ہوگئی تھی (یعنی اس نماز کا مکمل وقت سفر کی حالت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أنه لا يأتي بها في حال الخوف، ويأتي بها في حال القرار والأمن.وعند الحنابلة يخير المسافر بين فعل الرواتب وتركها إلا في سنة الفجر والوتر فيحافظ عليهما سفرا وحضرا.وقالت طائفة :لا يصلي الرواتب في السفر، وهو مذهب ابن عمر ثبت عنه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵،ص۲۷۶، مادة "سن")

[1] لكن إذا وجد الطائف زحاما فيجتنب الإيذاء ، ويكتفي بالإشارة إلى الحجر بيديه؛ لأن استلام الحجر سنة، وإيذاء الناس حرام يجب تركه، ولا يجوز ارتكاب الحرام لأجل السنة، وقد قال صلى الله عليه وسلم لعمر رضي الله عنه :يا عمر، إنك رجل قوي، لا تزاحم على الحجر، فتؤذي الضعيف، إن وجدت خلوة فاستلمه، وإلا فاستقبله فهلل وكبر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۱۴۲، وص۱۴۳،مادة "طواف")

استلام الحجر وتقبيله في الزحام:إذا كان في الطواف زحام وخشي الطائف إيذاء الناس فالأولى أن يترك تقبيل الحجر الأسود واستلامه، لأن استلام الحجر الأسود سنة وترك إيذاء الناس واجب فلا يهمل الواجب لأجل السنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص۱۰۷، مادة "الحجر الاسود")

وإن لم يستطع استلام الحجر من غير أن يؤذي أحداً لا يستلمه لكن يستقبل الحجر ويشير بكفيه نحو الحجر ويكبر ويهلل ويحمد الله تعالى ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ثم يقبل كفيه (فتاویٰ قاضی خان، ج۱، ص۱۹۷، فصل في كيفية أداء الحج)

میں ختم ہوگیا تھا) تو اس نماز کو حضر کی حالت میں (یعنی مقیم ہونے کے بعد) قضاء کرتے وقت حنفیہ کے نزدیک دو رکعتیں پڑھنے کا حکم ہے، البتہ اگر وہ نماز مقیم ہونے کے بعد قضاء ہوئی تھی، یعنی اس نماز کا وقت مقیم ہونے کے بعد ختم ہوا تھا، خواہ اس نماز کا وقت سفر کی حالت میں شروع ہوچکا تھا، تو پھر اس نماز کو مقیم ہونے کے بعد قضاء کرتے وقت چار رکعت ہی پڑھنے کا حکم ہوگا۔ [1]

اور حنفیہ کے علاوہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک جو نماز سفر میں قضاء ہوجائے، اس کو مقیم ہونے کے بعد ادا کرتے وقت چار رکعت پڑھنے کا حکم ہوتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک سفر میں پوری نماز پڑھنے کا حکم اصل ہے، اور جب سفر ختم ہوگیا، تو بدرجہ اولیٰ پوری نماز پڑھنے کا حکم ہوگا۔ [2]

---

[1] صفة قضاء الفوائت فى السفر والحضر:
ذهب الحنفية والمالكية والثورى إلى أن الفائتة تقضى على الصفة التى فاتت إلا لعذر وضرورة، فيقضى المسافر فى السفر ما فاته فى الحضر من الفرض الرباعى أربعا، والمقيم فى الإقامة ما فاته فى السفر منها ركعتين(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴ص ۲۹،مادة " قضاء")

[2] وقال الشافعية :المقضية إن فاتت فى الحضر وقضاها فى السفر لم يقصر خلافا للمزنى، وإن شك هل فاتت فى السفر أو الحضر؟ لم يقصر أيضا، وإن فاتت فى السفر فقضاها فيه أو فى الحضر فأربعة أقوال:
أظهرها :إن قضى فى السفر قصر وإلا فلا.
والثانى :يتم فيهما، والثالث :يقصر فيهما، والرابع :إن قضى ذلك فى السفر قصر، وإن قضى فى الحضر أو سفر آخر أتم .
وقال الحنابلة :إذا نسى صلاة الحضر فذكرها فى السفر فعليه الإتمام، لأن الصلاة تعين عليه فعلها أربعا، فلم يجز له النقصان من عددها كما لو سافر، ولأنه إنما يقضى ما فاته، وقد فاته أربع.
وأما إن نسى صلاة السفر فذكرها فى الحضر فقال أحمد :عليه الإتمام احتياطا، وبه قال الأوزاعى.
وإن نسى صلاة سفر وذكرها فيه قضاها مقصورة، لأنها وجبت فى السفر وفعلت فيه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴ص ۳۰، مادة " قضاء")
ويظهر أثر الخلاف فى مقيم سافر فى آخر وقت الظهر، فعند الحنفية حين يقضى الظهر يقضيه ركعتين؛ لأن وجوب الأداء يتعلق بآخر الوقت، وهو فى آخر الوقت كان مسافرا، فيقضى صلاة المسافرين .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اگر کسی شخص کی کچھ نمازیں سفر کی حالت میں قضاء ہوگئی تھیں، لیکن اس کو ان کی تعداد و مقدار یاد نہیں، تو چار فرضوں کو چار ہی کر کے پڑھنے میں احتیاط ہے، تاکہ یقینی طور پر فرض سر سے اتر جائے۔ [1]

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعند غير الحنفية يقضى الظهر أربعا؛ لأن وجوب الأداء يتعلق بالجزء الأول من الوقت وما بعده، وهو فى الجزء الأول من الوقت كان مقيما فوجب عليه قضاء صلاة المقيمين(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷، ص ۱۷۶، مادة "أوقات الصلاة")

[1] لانه اجتمع فى هذه الصلوة مايوجب الاربع ومايمنع فرجحنا مايوجب الاربع احتياطا (ردالمحتار ج ۱ ص ۵۷۹)(كذا فى البحرالرائق ج ۲ ص ۱۲۹ باب المسافر)

www.idaraghufran.org

﴿باب نمبر ۷﴾

مریض ومعذور سے متعلق طہارت ونجاست کے احکام

آخر میں مریض ومعذور شخص کو نماز سے متعلق پاکی وناپاکی کے پیش آنے والے چند مسائل تحریر کئے جاتے ہیں۔

وضو یا غسل کی جگہ تیمّم کب جائز ہے؟

وضو یا غسل کی جگہ تیمّم کرنا اس وقت بھی جائز ہے، جبکہ پانی میسر نہ ہو، مثلاً کوئی جنگل میں ہو، جہاں وضو وغیرہ کے لئے پانی دستیاب نہ ہو، اور اس وقت بھی جائز ہے، جبکہ پانی کے استعمال پر مرض وبیماری کی وجہ سے قدرت نہ ہو، مثلاً پانی کے استعمال کرنے سے اپنی جان یا کسی عضو کے تلف ہوجانے یا کسی مرض وبیماری کے پیدا ہوجانے یا پہلے سے پیدا شدہ مرض وبیماری کے بڑھ جانے یا دیر سے ٹھیک وصحت یاب ہونے کا واقعی درجہ میں (نہ کہ وہم کے درجہ میں) اندیشہ ہو۔

اور جو مریض ایسا ہو کہ وہ خود سے نقل وحرکت پر قادر نہ ہو، اور نہ اس کو کوئی وضو کرانے والا میسر ہو، وہ بھی مریض ومعذور میں داخل ہے، اور اس کو بھی تیمّم کرنا جائز ہے۔ [۲]

---

[۲] ثانیا: عدم القدرة علی استعمال الماء :

یجب علی من وجد الماء أن یستعمله فی عبادة وجبت علیه لا تصح إلا بالطهارة، ولا یجوز العدول عن ذلک إلی التیمم إلا إذا عدمت قدرته علی استعمال الماء ، ویتحقق ذلک بالمرض، أو خوف المرض من البرد ونحوه، أو العجز عن استعماله.

أ -المرض:

اتفق الفقهاء علی جواز التیمم للمریض إذا تیقن التلف، وکذلک عند الأکثرین إذا خاف من استعمال الماء للوضوء أو الغسل علی نفسه، أو عضوه هلاکه، أو زیادة مرضه، أو تأخر برئه،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بدن کے زخمی ہونے کی وجہ سے غسل یا وضو کی جگہ تیمّم کا حکم

جس کا اکثر بدن اتنا زخمی ہو یا وہ ایسا بیمار ہو کہ پانی کے استعمال سے بیمار ہو جانے یا پہلے سے موجود بیماری کے بڑھ جانے یا بیماری کے لمبا ہو جانے کا غالب گمان ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اس کے لئے غسل کے بجائے تیمّم کر کے پاکی حاصل کرنا درست ہے۔

اور اگر اکثر بدن صحیح سلامت ہے اور کچھ بدن زخمی ہے یا بیماری کے باعث اکثر بدن کے حصے پر پانی کا بہانا مذکورہ تفصیل کے مطابق نقصان دہ نہیں ہے، تو حنفیہ کے نزدیک ایسی صورت میں تیمّم کرنا درست نہیں، بلکہ اس اکثر بدن کے حصے کا غسل کرنا ضروری ہے۔

اور جس حصے پر پانی کا استعمال مذکورہ تفصیل کے مطابق نقصان دہ ہے اس پر ہاتھ بھگو کر مسح کر لیا جائے اور اگر یہ بھی نقصان دہ ہو یا ممکن نہ ہو، تو اس حصہ کو ویسے ہی چھوڑ دیا جائے۔[1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ویعرف ذلک بالعادة أو بإخبار طبيب حاذق مسلم عدل، واكتفى بعض الحنفية بأن يكون مستورا أى غير ظاهر الفسق، وصرح الشافعية فى الأظهر -والحنابلة زيادة على ما تقدم -خوف حدوث الشين الفاحش.

وقيده الشافعية بما يكون فى عضو ظاهر؛ لأنه يشوه الخلقة ويدوم ضرره، والمراد بالظاهر عند الشافعية ما يبدو عند المهنة غالبا كالوجه واليدين.

وذهب الحنفية والحنابلة إلى أن المريض الذى لا يقدر على الحركة ولا يجد من يستعين به يتيمم كعادم الماء ولا يعيد.

وقال الحنفية :فإن وجد من يوضئه ولو بأجر المثل وعنده مال لا يتيمم فى ظاهر المذهب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۴،ص ۲۵۸، مادة" تيمم")

[1] اتفق الفقهاء على أن من كان فى جسده كسور أو جروح أو قروح ونحو ذلك، فإن لم يخف ضررا أو شيئا وجب غسلها فى الوضوء والغسل، فإن خاف شيئا من ذلك فيجوز المسح على الجرح ونحوه، ويجوز التيمم وذلك فى أحوال خاصة يذكر تفصيلها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۴ ص ۲۷۳، مادة "تيمن")

ذهب الحنفية والمالكية إلى أن الواجب فى حق الجريح الذى يتضرر من غسل جراحته، أن يمسح على عين الجراحة إذا كان المسح عليها لا يضره، وإلا وجب عليه أن يمسح على الجبيرة .وخوف الضرر المجيز للمسح هو الخوف المجيز للتيمم .على تفصيل ينظر فى :(جبيرة).

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

www.idaraghufran.org

اگر وضو کی ضرورت پیش آ جائے، مگر اعضائے وضو کے زخمی ہونے کی وجہ سے وضو کرنا ممکن نہ ہو یا نقصان دہ ہو تو ایسے شخص کے وضو اور تیمّم کا حکم بھی حنفیہ کے نزدیک یہی ہے کہ اکثر اعضاء کے زخمی یا صحیح ہونے پر وضو یا تیمّم کرنے کا دارومدار ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وفی الطهارة من الجنابة عند الحنفية لو كان أكثر البدن أو نصفه جريحا فالواجب فی حقه التيمم، والكثرة تعتبر بعدد الأعضاء ، وإن كان أكثره صحيحا غسل الصحيح ومسح الجريح، وإن ضره المسح تركه .ولا يجمع بين الغسل والتيمم إذ لا نظير له فی الشرع لأنه جمع بين البدل والمبدل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۲۳۷، مادة "جراح")

[1] قال -رحمه الله -(ولو أكثره مجروحا تيمم) أی ولو كان أكثر أعضاء الوضوء منه مجروحا فی الحدث الأصغر أو أكثر جميع بدنه مجروحا فی الحدث الأكبر تيمم ؛ لأن للأكثر حكم الكل قال -رحمه الله -(وبعكسه يغسل) أی إذا كان الصحيح أكثر من المجروح يغسل لما قلنا(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج۱،ص۴۵،كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين)

(قوله :ولو أكثره مجروحا تيمم وبعكسه يغسل) أی لو كان أكثر أعضاء الوضوء منه مجروحا فی الحدث الأصغر أو أكثر جميع بدنه فی الحدث الأكبر تيمم، وإذا كان الصحيح أكثر من المجروح يغسل؛ لأن للأكثر حكم الكل ويمسح على الجراحة إن لم يضره، وإلا فعلى الخرقة، وقد اختلف فی حد الكثرة منهم من اعتبر من حيث عدد الأعضاء ، ومنهم من اعتبر الكثرة فی نفس كل عضو، فلو كان برأسه ووجهه ويديه جراحة والرجل لا جراحة بها يتيمم سواء كان الأكثر من أعضاء الجراحة جريحا أو صحيحا والآخرون قالوا إن كان الأكثر من كل عضو من أعضاء الوضوء المذكورة جريحا فهو الكثير الذی يجوز معه التيمم، وإلا فلا كذا فی فتح القدير من غير ترجيح، وفی الحقائق المختار اعتبار الكثرة من حيث عدد الأعضاء ولا يخفى أن الخلاف إنما هو فی الوضوء ، وأما فی الغسل فالظاهر أن يكون المراد أكثر البدن صحيحا أو جريحا الأكثرية من حيث المساحة فلو استويا لا رواية فيه واختلف المشايخ منهم من قال يتيمم ولا يستعمل الماء أصلا وقيل يغسل الصحيح ويمسح على الباقی واختار القول الأول فی الاختيار وقال إنه أحسن وفی الخلاصة أنه الأصح وفی فتح القدير تبعا للزيلعی أنه الأشبه بالفقه، وهو المذكور فی النوادر واختار فی المحيط الثانی.

وقال :وهو الأصح وفی فتاوى قاضی خان، وهو الصحيح ولا يخفى أنه أحوط فكان أولى وفی القنية والمبتغی بالغين المعجمة بيده قروح يضره الماء دون سائر جسده يتيمم إذا لم يجد من يغسل وجهه وقيل يتيمم مطلقا اهـ.

فهذا يفيد أن قولهم إذا كان الأكثر صحيحا يغسل الصحيح محمول على ما إذا لم يكن باليدين جراحة كما لا يخفى(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۱ ص۱۷۱، ۱۷۲، كتاب الطهارة،باب التيمم)

اور مالکیہ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ جسم کے صحیح حصہ کو دھونے سے اگر زخم کو نقصان نہ ہو، تو اس حصہ کو دھونا ضروری ہے، اور اگر زخم کو نقصان ہوتا ہو، تو تیمّم کرنے کا حکم ہے، خواہ زخم زیادہ حصہ پر ہو یا کم حصہ پر۔ [1]

اور شافعیہ وحنابلہ کا قول اس سے مختلف ہے۔ [2]

---

[1] وفصل المالكية فى حال الجرح، فله عندهم حالتان:
الأولى :أن لا يتضرر من غسل الجزء الصحيح المحيط بالجرح، فالواجب فى حقه مسح الجرح وجوبا إذا خاف الهلاك أو شدة الضرر، وجوازا إن خاف شدة الألم.
والثانية :أن يتضرر من غسل الصحيح المحيط بالجرح، ففرضه التيمم سواء أكان الصحيح هو الأكثر أو الأقل .كما لو عمت الجراحة جميع جسده وتعذر الغسل ففرضه التيمم.
وإن تكلف الجريح وغسل الجرح أو غسله مع الصحيح الضار غسله أجزأ؛ لإتيانه بالأصل، وإن تعذر وشق مس الجرح بالماء ، والجراحة واقعة فى أعضاء تيممه تركها بلا غسل ولا مسح؛ لتعذر مسها وتوضأ وضوءا ناقصا، بأن يغسل أو يمسح ما عداها من أعضاء الوضوء ، وإن كانت الجراح فى غير أعضاء التيمم ففى المسألة أربعة أقوال:
أولها :يتيمم ليأتى بطهارة ترابية كاملة .بخلاف ما لو توضأ كانت طهارته ناقصة لعدم إمكانه غسل الجرح.
ثانيها :يغسل ما صح ويسقط محل الجراح لأن التيمم إنما يكون عند عدم الماء أو عدم القدرة على استعماله.
ثالثها :يتيمم إن كانت الجراحة أكثر من الصحيح لأن الأقل تابع للأكثر.
رابعها :يجمع بين الغسل والتيمم فيغسل الصحيح ويتيمم للجريح، ويقدم الغسل(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۳۷، مادة "جراح")

[2] وحكم سلس البول والمذى ومن به حدث دائم وجرح سائل حكم المستحاضة على ما سبق وكذا الوضوء المضموم إليه التيمم لجرح أو كسر له حكم المستحاضة(المجموع شرح المهذب، ج۱ ص۵۱۶، كتاب الطهارة)
قال أصحابنا حكم سلس البول وسلس المذى حكم المستحاضة فى وجوب غسل النجاسة وحشو رأس الذكر والشد بخرقة والوضوء لكل فريضة والمبادرة بالفريضة بعد الوضوء وحكم الانقطاع وغير ذلك مما سبق :وأما صاحب الناصور والجرح السائل فهما كالمستحاضة فى وجوب غسل الدم لكل فريضة والشد على محله(المجموع شرح المهذب، ج۲ ص۵۴۱،كتاب الحيض،فصل فى مسائل ذكرها صاحب البحر تتعلق بالمتحيرة)
وذهب الشافعية والحنابلة :إلى أن الجريح المحدث إذا أراد الوضوء أو الغسل، وخاف من استعمال الماء الخوف المجوز للتيمم، بأن كان يتضرر من غسل الجراحة أو مسحها، لزمه غسل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ہاتھ کٹے ہوئے یا زخمی ہونے کی وجہ سے تیمّم کا حکم

اگر کسی شخص کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوں، تو ایسے شخص کو وضو کے اعضاء پر کسی بھی طرح پانی بہالینا چاہئے۔

اور اگر اس کی قدرت نہ ہو، تو تیمّم کر لینے کی اجازت ہے۔

اگر ہاتھوں پر زخم ہوں یا بازو پورے کٹے ہوئے ہوں اور چہرے پر کسی طرح پانی بہانا بھی ممکن نہ ہو تو چہرے کو زمین یا دیوار وغیرہ سے تیمّم کی نیت سے مل لے۔اور اگر چہرے پر زخم وغیرہ کی وجہ سے اس پر بھی قدرت نہ ہو تو اس کا حکم آگے ''وضو اور تیمّم کی قدرت نہ ہونے کے حکم'' میں آتا ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ الصحيح والتيمم عن الجريح .وهو مخير في غسل الجنابة، فإن شاء غسل الصحيح ثم تيمم عن الجريح، وإن شاء تيمم ثم غسل إذ لا ترتيب في طهارته.

أما في الوضوء فالترتيب واجب، فلا ينتقل من عضو إلى آخر حتى يكمل طهارته، فإذا كانت الجراحة في الوجه مثلا، وجب تكميل طهارة الوجه أولا، فإن شاء غسل صحيحه ثم تيمم عن جريحه، وإن شاء تيمم ثم غسل، فيخير بلا أولوية عند الحنابلة لأنه عضو واحد لا يراعى فيه الترتيب .والأولى عند الشافعية تقديم التيمم.

أما لو غسل صحيح وجهه ثم تيمم لجريحه وجريح يديه تيمما واحدا لم يجزئه؛ لأنه يؤدي إلى سقوط الفرض عن جزء من الوجه واليدين في حالة واحدة فيفوت الترتيب.

ونص الحنابلة على أنه إذا أمكنه المسح بالماء على الجرح وجب مسحه لأن الغسل مأمور به والمسح بعضه، فوجب كمن عجز عن الركوع والسجود وقدر على الإيماء .فإن كان الجرح نجسا تيمم ولم يمسح، فإن كانت النجاسة معفوا عنها ألغيت وكفت نية رفع الحدث، وإلا نوى رفع الحدث والنجاسة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۳۷، ۱۳۸، مادة "جراح")

۱؎ قلت أرأيت رجلا مقطوع اليدين من المرفقين فأراد أن يتيمم هل يمسح على وجهه ويمسح على موضع القطع .قال نعم .قلت فإن مسح وجهه وترك موضع القطع قال لا يجزيه قلت فإن صلى هكذا أياما قال عليه أن يمسح موضع القطع ويستقبل الصلاة قلت فإن كان القطع في اليدين من المنكب قال عليه أن يمسح وجهه وليس عليه أن يمسح موضع القطع قلت وكذلك لو كان القطع من فوق المرفق دون المنكب قال نعم قلت فإن كان القطع من المفصل قال عليه أن يمسح وجهه وذراعيه قلت وكذلك لو كان دون المرفق قال نعم قلت فإن لم يفعل وصلى هكذا أياما قال عليه أن يمسح ذلك ويعيد الصلوات كلها(الأصل المعروف بالمبسوط، ج۱، ص۱۲۲ و۱۲۳، كتاب الصلاة، بَاب التَّيَمُّم بالصعيد)

www.idaraghufran.org

سردی کی وجہ سے تیمّم کا حکم

اگر سردی کے سبب ٹھنڈے پانی کے استعمال کرنے سے اپنی جان چلے جانے یا کسی عضو کے تلف ہوجانے یا مرض وبیماری کے پیدا ہوجانے یا پہلے سے پیدا شدہ مرض وبیماری کے بڑھ جانے یا دیر سے ٹھیک ہونے کا ڈر ہو، وہ خواہ سفر میں ہو یا حضر اور شہر میں، تو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک مذکورہ حالتوں میں بہر حال تیمّم کرنا جائز ہے بشرطیکہ گرم پانی میسر نہ ہو اور اس کا انتظام بھی نہ ہوسکتا ہو، اگر گرم پانی کا استعمال بھی نقصان دہ ہو، مثلاً لباس اتارنے کی وجہ سے مذکورہ عذار لاحق ہوتے ہوں، اور اکثر فقہائے کرام کے نزدیک سردی کے سبب، تیمّم جائز ہونے کے لئے شہر سے باہر ہونا ضروری نہیں، بلکہ ضرورت ومجبوری کا پایا جانا کافی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک سردی کے سبب سے تیمّم کا جواز صرف جنبی کے لئے ہے الا یہ کہ وضو سے بھی سابقہ تفصیل کے مطابق نقصان ہوتا ہو۔ [1]

---

[1] ب -خوف المرض من البرد ونحوه:

ذهب جمهور الفقهاء إلى جواز التيمم فى السفر والحضر (خلافا لأبى يوسف ومحمد فى الحضر) لمن خاف من استعمال الماء فى شدة البرد هلاكا، أو حدوث مرض، أو زيادته، أو بطء برء إذا لم يجد ما يسخن به الماء ، أو لم يجد أجرة الحمام، أو ما يدفئه، سواء فى الحدث الأكبر أو الأصغر؛ لإقرار النبى صلى الله عليه وسلم عمرو بن العاص رضى الله عنه على تيممه خوف البرد وصلاته بالناس إماما ولم يأمره بالإعادة.

وذهب الحنفية إلى أن جواز التيمم للبرد خاص بالجنب؛ لأن المحدث لا يجوز له التيمم للبرد فى الصحيح خلافا لبعض المشايخ إلا إذا تحقق الضرر من الوضوء فيجوز التيمم حينئذ .وذهب جمهور الفقهاء إلى أن المتيمم للبرد -على الخلاف السابق -لا يعيد صلاته.

وذهب الشافعية إلى أنه يعيد صلاته فى الأظهر إن كان مسافرا، والثانى :لا يعيد لحديث عمرو بن العاص رضى الله عنه، أما إذا تيمم المقيم للبرد فالمشهور كما قال الرافعى القطع بوجوب الإعادة، وقال النووى :إن جمهور الشافعية قطعوا به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴، ص۲۵۸، مادة"تيمم")

ففى التيمم :أجاز المالكية والشافعية والحنابلة -وهو رأى للحنفية -التيمم للحدث الأكبر والأصغر فى البرد الشديد مع وجود الماء ، إذا لم يجد ما يسخنه وخشى الضرر .وأجاز الحنفية -

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

قید وحبس وغیرہ کی وجہ سے تیمّم کا حکم

اگر کسی شخص کو بیماری تو نہیں ہے، اور پانی بھی میسر ہے، لیکن وہ پانی کے استعمال پر قادر نہیں، مثلاً وہ کسی قید خانہ میں محبوس ہے، یا اسے پانی لانے یا پانی تک پہنچنے میں کسی جانور یا انسان کی طرف سے خطرہ لاحق ہے، تو بھی تیمّم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔ [1]

اگر پانی صرف اپنی ضرورت کے بقدر ہو تو تیمّم کا حکم؟

اگر کسی کے پاس پانی صرف اتنی مقدار میں ہے کہ جو اپنے یا اپنے کسی چوپائے کے کھانے پینے کی ضرورت کا ہے، اور اگر اس پانی سے وضو یا غسل کیا جائے، تو مذکورہ ضرورت متاثر ہوتی ہے، تب بھی اس کو تیمّم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فی المشهور -عندهم التيمم للحدث الأكبر دون الأصغر؛ لعدم تحقق الضرر فى الأصغر غالبا، لكن لو تحقق الضرر جاز فيه أيضا اتفاقا، كما قرره ابن عابدين، قال: لأن الحرج مدفوع بالنص، وهو ظاهر إطلاق المتون.

وأجاز المالكية التيمم للبرد الشديد المسبب برودة الماء ، إذا خاف الصحيح الحاضر أو المسافر خروج وقت الصلاة بطلبه الماء وتسخينه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٨، ص٥٧، مادة"برد")

[1] العجز عن استعمال الماء :

يتيمم العاجز الذى لا قدرة له على استعمال الماء ولا يعيد كالمكره، والمحبوس، والمربوط بقرب الماء ، والخائف من حيوان، أو إنسان فى السفر والحضر؛ لأنه عادم للماء حكما، وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن الصعيد الطيب طهور المسلم وإن لم يجد الماء عشر سنين فإذا وجد الماء فليمسه بشرته فإن ذلك خير. واستثنى الحنفية مما تقدم المكره على ترك الوضوء فإنه يتيمم ويعيد صلاته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٤، ص ٢٥٩، مادة" تيمم")

[2] الحاجة إلى الماء :يتيمم ولا يعيد من اعتقد أو ظن أنه يحتاج الماء الذى معه ولو فى المستقبل؛ لنحو عطش إنسان معصوم الدم، أو حيوان محترم شرعا -ولو كلب صيد أو حراسة - عطشا مؤديا إلى الهلاك أو شدة الأذى، وذلك صونا للروح عن التلف، بخلاف الحربى، والمرتد، والكلب غير المأذون فيه، فإنه لا يتيمم بل يتوضأ بالماء الذى معه لعدم حرمة هؤلاء .

وسواء أكانت الحاجة للماء للشرب، أم العجن، أم الطبخ.

ومن قبيل الاحتياج للماء إزالة النجاسة غير المعفو عنها به، سواء أكانت على البدن أم الثوب، وخصها الشافعية بالبدن، فإن كانت على الثوب توضأ بالماء وصلى عريانا إن لم يجد ساترا ولا إعادة عليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٤،ص ٢٥٩، مادة" تيمم")

تیمّم پاک مٹی سے کرنے کا حکم

تیمّم اس جگہ کی مٹی سے کرنا جائز ہے، جس جگہ پاک ہونے کی وجہ سے نماز پڑھنا جائز ہے۔[1]

مٹی کی جنس والی چیزوں سے تیمّم کا حکم

پاک مٹی سے تیمّم کے جائز ہونے پر تو تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے، خواہ وہ کچی مٹی ہو یا پکی مٹی۔

اور جو چیزیں مٹی کی جنس سے ہیں، مثلاً سرخ، کالی یا سفید مٹی، پکی اینٹ، مٹی کا پاک برتن، پتھر، چونا، سرمہ وغیرہ، ان سے بھی تیمّم کرنا جائز ہے، خواہ مٹی ہاتھ کو لگے یا نہ لگے، اور ان چیزوں پر گردوغبار موجود ہو یا نہ ہو۔

لہٰذا ماربل یا اینٹ یا سیمنٹ کی دیوار یا ان چیزوں سے تیار شدہ پاک فرش، اور اسی طرح آج کل کی پکی پاک چھت پر یا مٹی کی پاک چھت پر اور اسی طرح مٹی کے تیار شدہ برتن پر تیمّم کرنا

---

[1] البتہ جو ناپاک زمین دھوئے بغیر سورج کی دھوپ یا ہوا سے خشک ہونے سے پاک ہوجائے تو اس پر تیمّم جائز نہیں، تا آنکہ اس کو پانی سے دھو کر پاک نہ کردیا جائے، یا بارش کے برسنے سے پاک نہ ہوجائے۔

قال الطحاوی:ولما اختلفوا فی ذلک، ولم نجد لما اختلفوا فیه دلیلا فی الکتاب التمسناه فی سنة رسول الله (صلی الله علیه وسلم) ، فوجدنا قوله (صلی الله علیه وسلم) : تمت جعلت لی الأرض مسجدا وطهورا ، فلما أخبر أن الله جعل له الأرض مسجدا وطهورا، وکان المراد بالمسجد الصلاة علیها، والمراد بالطهور التیمم بها کانت کل أرض جازت الصلاة علیها جاز التیمم بها .قال ابن القصار :والدلیل علی أن المراد الأرض کلها قوله (صلی الله علیه وسلم) تمت فأیما رجل أدرکته الصلاة، فلیصل -، ولم یخص موضعا منها دون موضع، وقد یدرکه فی موضع منها من الأرض لا تراب علیه فیه رمل، أو جص کما تدرکه فی أرض علیها تراب (شرح صحیح البخاری لابن بطال، ج ا ،ص ۴۶۶، کتاب التیمم)

إذا أصابت الأرض نجاسة، فجفت بالشمس أو النار، وذهب أثرها، وهو هنا اللون والرائحة، جازت الصلاة مکانها عند الحنفیة......کما ذهبوا إلی أنه لا یجوز التیمم به؛ لأن طهارة الصعید شرط بنص الکتاب وقال الله تعالی :(فتیمموا صعیدا طیبا)وطهارة الأرض بالجفاف ثبتت بدلیل ظنی، فلا یتحقق بها الطهارة القطعیة المطلوبة للتیمم بنص الآیة(الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲ص ۱۱۶ ،مادة "احراق")

جائز ہے۔

اور اگر مٹی کے علاوہ کسی دوسری چیز، مثلاً لکڑی کپڑے وغیرہ پر اتنی گرد وغبار جمی ہوئی ہے، جو ہاتھ لگانے سے اس پر لگ جائے، تو پھر اس سے بھی تیمّم کرنا جائز ہے۔ [1]

---

[1] اتفق الفقهاء على جواز التيمم بالصعيد الطاهر، وهو شرط عند الجمهور، فرض عند المالكية قال الله تعالى :(فتيمموا صعيدا طيبا)وقد اختلفوا فى المراد بالصعيد هل هو وجه الأرض أو التراب المنبت؟ أما جواز المسح على التراب المنبت فبالإجماع، وأما غيره مما على وجه الأرض، فقد اختلف الفقهاء فيه، فذهب المالكية وأبو حنيفة ومحمد إلى أن المراد بالصعيد وجه الأرض، فيجوز عندهم التيمم بكل ما هو من جنس الأرض؛ لأن الصعيد مشتق من الصعود وهو العلو، وهذا لا يوجب الاختصاص،وقوله عليه الصلاة والسلام :جعلت لى الأرض مسجدا وطهورا، واسم الأرض يتناول جميع أنواعها.

والطيب عندهم هو الطاهر، وهو الأليق هنا؛ لأنه شرع مطهرا، والتطهير لا يقع إلا بالطاهر، مع أن معنى الطهارة صار مرادا بالإجماع حتى لا يجوز التيمم بالصعيد النجس.

وقد اختلفوا فى بعض ما يجوز به التيمم، فذهب المالكية إلى أنه يجوز التيمم بالتراب -وهو الأفضل من غيره عند وجوده -والرمل، والحصى، والجص الذى لم يحرق بالنار، فإن أحرق أو طبخ لم يجز التيمم به.

ويجوز التيمم بالمعادن ما دامت فى مواضعها ولم تنقل من محلها إذا لم تكن من أحد النقدين - الذهب أو الفضة -أو من الجواهر كاللؤلؤ، فلا يتيمم على المعادن من شب، وملح، وحديد، ورصاص، وقصدير، وكحل، إن نقلت من محلها وصارت أموالا فى أيدى الناس.

ولا يجوز التيمم بالخشب والحشيش سواء أوجد غيرهما أم لا؛ لأنهما ليسا من أجزاء الأرض، وفى المسألة خلاف وتفصيل عند المالكية.

ويجوز التيمم عندهم بالجليد وهو الثلج المجمد من الماء على وجه الأرض أو البحر، حيث عجز عن تحليله وتصييره ماء ؛ لأنه أشبه بجموده الحجر فالتحق بأجزاء الأرض.

وذهب أبو حنيفة ومحمد إلى أنه يجوز التيمم بكل ما كان من جنس الأرض، ثم اختلفا، فقال أبو حنيفة :يجوز التيمم بكل ما هو من جنس الأرض التزق بيده شىء أو لا؛ لأن المأمور به هو التيمم بالصعيد مطلقا من غير شرط الالتزاق، ولا يجوز تقييد المطلق إلا بدليل.

وقال محمد :لا يجوز إلا إذا التزق بيده شىء من أجزائه، فالأصل عنده أنه لا بد من استعمال جزء من الصعيد ولا يكون ذلك إلا بأن يلتزق بيده شىء منه.

فعلى قول أبى حنيفة يجوز التيمم بالجص، والنورة، والزرنيخ، والطين الأحمر، والأسود، والأبيض، والكحل، والحجر الأملس، والحائط المطين، والمجصص، والملح الجبلى دون المائى، والآجر، والخزف المتخذ من طين خالص، والأرض الندية، والطين الرطب.

ولكن لا ينبغى أن يتيمم بالطين ما لم يخف ذهاب الوقت؛ لأن فيه تلطيخ الوجه من غير ضرورة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تیمّم کا طریقہ

تیمّم کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وضو یا غسل جس کی بھی ضرورت ہو، اس کے تیمّم کی دل میں نیت کرے، اس کے بعد مٹی پر ایک دفعہ دونوں ہاتھ رکھے، اور اپنے پورے چہرے پر پھیر لے،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فيصير بمعنى المثلة، وإن كان لو تيمم به أجزأه عندهما؛ لأن الطين من أجزاء الأرض، فإن خاف ذهاب الوقت تيمم وصلى عندهما.

ويجوز التيمم عندهما بالغبار بأن ضرب يده على ثوب، أو لبد، أو صفة سرج، فارتفع غبار، أو كان على الحديد، أو على الحنطة، أو الشعير، أو نحوها غبار، فتيمم به أجزأه في قولهما؛ لأن الغبار وإن كان لطيفا فإنه جزء من أجزاء الأرض فيجوز التيمم به، كما يجوز بالكثيف بل أولى.

وقد روى أن عبد الله بن عمر -رضى الله عنهما- كان بالجابية فمطروا فلم يجدوا ماء يتوضئون به، ولا صعيدا يتيممون به، فقال ابن عمر: لينفض كل واحد منكم ثوبه، أو صفة سرجه، وليتيمم، وليصل، ولم ينكر عليه أحد فيكون إجماعا. ولو كان المسافر في طين وردغة لا يجد ماء ولا صعيدا وليس في ثوبه وسرجه غبار لطخ ثوبه أو بعض جسده بالطين فإذا جف تيمم به.

أما ما لم يكن من جنس الأرض فلا يجوز التيمم به اتفاقا عند الحنفية. فكل ما يحترق بالنار فيصير رمادا كالحطب والحشيش ونحوهما، أو ما ينطبع ويلين كالحديد، والصفر، والنحاس، والزجاج ونحوها، فليس من جنس الأرض.

كما لا يجوز التيمم بالرماد لأنه من أجزاء الحطب فليس من أجزاء الأرض. وذهب الشافعية والحنابلة وأبو يوسف من الحنفية إلى أنه لا يجوز التيمم إلا بتراب طاهر ذى غبار يعلق باليد غير محترق لقوله تعالى: (فامسحوا بوجوهكم وأيديكم منه) وهذا يقتضى أنه يمسح بجزء منه، فما لا غبار له كالصخر، لا يمسح بشيء منه. وقوله صلى الله عليه وسلم: جعل التراب لى طهورا.

فإن كان جريشا أو نديا لا يرتفع له غبار لم يكف. لأن الصعيد الطيب هو التراب المنبت، وقد سئل ابن عباس رضى الله عنهما أى الصعيد أطيب فقال: الحرث، وهو التراب الذى يصلح للنبات دون السبخة ونحوها.

وأضاف الشافعية إلى التراب الرمل الذى فيه غبار، وعن أحمد روايتان الجواز وعدمه، وعن أبى يوسف روايتان أيضا.

ولا يجوز عندهم جميعا (الشافعية وأحمد وأبو يوسف) التيمم بمعدن كنفط، وكبريت، ونورة، ولا بسحاقة خزف؛ إذ لا يسمى ذلك ترابا.

ولا بتراب مختلط بدقيق ونحوه كزعفران، وجص؛ لمنعه وصول التراب إلى العضو، ولا بطين رطب؛ لأنه ليس بتراب، ولا بتراب نجس كالوضوء باتفاق العلماء لقوله تعالى (فتيمموا صعيدا طيبا)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

اوراس کے بعد دوسری دفعہ پھر ہاتھ رکھے، اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک پھیر لے، بس تیمّم ہوگیا۔ [1]

زخم یا پٹی، پلستر وغیرہ پر مسح کا حکم

جس طرح ضرورت ومجبوری کے وقت وضو یا غسل کے بدلہ میں تیمّم کرنا جائز ہے، اسی طرح ضرورت ومجبوری کے وقت کسی عضو کو دھونے کے بجائے اس پر پانی سے بھیگا ہوا ہاتھ یا انگلیاں پھیر کر مسح کرنا یا بندھی ہوئی پٹی پر بھیگے ہوئے ہاتھ یا انگلیوں سے مسح کرنا بھی جائز ہے۔

پس اگر کسی مریض کے منہ اور ہاتھ پاؤں، یا سر وغیرہ پر پٹی یا پلستر چڑھا ہوا ہو، تو اس کے جس حصہ پر پٹی وغیرہ نہیں ہے، اس کو اگر بآسانی دھونا ممکن ہو، تو اُس کو دھولے یا کسی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الشافعية إن ما استعمل فى التيمم لا يتيمم به كالماء المستعمل .وزاد الحنابلة المغصوب ونحوه فلا يجوز التيمم به.

ويجوز المسح بالثلج عند الحنابلة على أعضاء الوضوء إذا تعذر تذويبه لقوله صلى الله عليه وسلم : إذا أمرتكم بشيء فأتوا منه ما استطعتم.ثم إذا جرى الماء على الأعضاء بالمس لم يعد الصلاة لوجود الغسل وإن كان خفيفا، وإن لم يسل أعاد صلاته؛ لأنه صلى بدون طهارة كاملة(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج ١٤،ص ٢٦٠ الىٰ ٢٦٢، مادة" تيمم")

[1] اختلف الفقهاء فى كيفية التيمم:

أ -فذهب الحنفية والشافعية إلى أن التيمم ضربتان :ضربة للوجه وضربة لليدين لقوله صلى الله عليه وسلم :التيمم ضربتان :ضربة للوجه وضربة لليدين إلى المرفقين.

ب -وذهب المالكية والحنابلة إلى أن التيمم الواجب ضربة واحدة؛ لحديث عمار أن النبى صلى الله عليه وسلم قال فى التيمم :إنما كان يكفيك ضربة واحدة للوجه واليدين واليد إذا أطلقت لا يدخل فيها الذراع كما فى اليد المقطوعة فى السرقة .والأكمل عنهم ضربتان وإلى المرفقين كالحنفية والشافعية.وصورته -عندهم جميعا -فى مسح اليدين بالضربة الثانية :أن يمر اليد اليسرى على اليد اليمنى من فوق الكف إلى المرفق، ثم باطن المرفق إلى الكوع (الرسغ) ، ثم يمر اليمنى على اليسرى كذلك . والمقصود من التيمم إيصال التراب إلى الوجه واليدين، فبأى صورة حصل استيعاب العضوين بالمسح أجزأه تيممه .سواء احتاج إلى ضربتين أو أكثر، وعلى هذا اتفق الفقهاء (الموسوعة الفقهية الكويتية،ج ١٤،ص ٢٦٢، ٢٦٣، مادة" تيمم")

دوسرے سے دُھلوالے اور پٹی، پلستر چڑھے ہوئے حصہ پر مسح کرلے اور اگر غیر پٹی والے پورے عضو کو دھونا مشکل ہو، تو اس پورے عضو پر مسح کرلے یا کسی دوسرے سے کرالے، یعنی اس عضو کو دھونے کے بجائے اس پر پانی سے بھیگا ہوا ہاتھ یا انگلیاں پھیرلے، یا بندھی ہوئی پٹی پر بھیگے ہوئے ہاتھ یا انگلیوں کو پھیرلے۔ [۱]

اور بدن کے کسی حصہ پر مسح کے جائز ہونے کے لئے وہی اعذار معتبر ہیں، جو تیمّم جائز ہونے کے لئے معتبر ہیں، مثلاً اس عضو کو دھونے سے اس کے ضائع ہونے یا مرض پیدا ہونے یا مرض کے بڑھ جانے یا مرض کے دیر سے ٹھیک ہونے کا اندیشہ ہو، تو ان صورتوں میں اس عضو یا اس پر بندھی ہوئی پٹی، پلستر وغیرہ پر مسح کرنا جائز ہے، خواہ وضو کرتے ہوئے ایسا کیا جائے یا غسل کرتے ہوئے۔ [۲]

ناخن پالش وغیرہ پر وضو اور غسل کا حکم

اگر ناخنوں پر کسی نے ناخن پالش یا کوئی دوسری ایسی چیز لگائی، جو ناخنوں تک پانی پہنچنے کے

---

[۱] اتفق الفقهاء على مشروعية المسح على الجبائر فى حالة العذر نيابة عن الغسل أو المسح الأصلى فى الوضوء أو الغسل أو التيمم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۰۷، مادة "جبيرة")

"وكفى المسح على ما ظهر من الجسد بين عصابة المفتصد "ونحوه إن ضره حلها تبعا للضرورة لئلا يسرى الماء فيضر الجراحة وإن لم يضر الحل حلها وغسل الصحيح ومسح الجريح وإن ضره المسح تركه (مراقى الفلاح شرح نور الايضاح، صفحه ۵۹، كتاب الطهارة، فصل فى الجبيرة ونحوها)

قوله (وكفى المسح الخ) هو الأصح كما فى الذخيرة وغيرها وعليه مشى فى مختارات النوازل لأنه لو كلف غسل ذلک الموضع ربما تبتل العصابة وتنفذ البلة إلى موضع الفصد فيتضرر (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، صفحه ۷۳، كتاب الطهارة، فصل فى الجبيرة ونحوها)

[۲] ذهب الحنفية والمالكية إلى أن الواجب فى حق الجريح الذى يتضرر من غسل جراحته، أن يمسح على عين الجراحة إذا كان المسح عليها لا يضره، وإلا وجب عليه أن يمسح على الجبيرة. وخوف الضرر المجيز للمسح هو الخوف المجيز للتيمم .على تفصيل ينظر فى (جبيرة) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۵ ص۱۳۷، مادة "جراح")

لئے مانع ہے، تو اس کے اوپر سے وضو اور غسل درست نہیں ہوتا۔

اور اگر ناخنوں پر ایسا میل کچیل یا خشک آٹا لگا ہوا ہو کہ جو پانی پہنچنے کے لئے مانع ہوتا ہے، تب بھی وضو اور غسل درست نہیں ہوتا۔

البتہ جو پیشہ ور شخص ہو، جیسا کہ نانبائی، تو اس کے ناخنوں پر جو تھوڑا بہت آٹا یا اپنے پیشہ سے متعلق کوئی اور دَلدار چیز لگی رہ جاتی ہے، اور کوشش کے باوجود بآسانی دور نہیں ہوتی، وہ معاف ہے، جیسا کہ اگلے مسئلہ کے ذیل میں آتا ہے۔

اسی طرح بعض فقہائے کرام کے نزدیک ناخنوں پر یا ان کے نیچے لگا ہوا تھوڑا بہت میل کچیل جو پانی پہنچنے کے لئے مانع ہو، وہ بھی معاف ہوتا ہے، جس طریقہ سے دانتوں پر لگا ہوا میل کچیل معاف ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] واتفق الأئمة الأربعة على وجوب تعميم اليدين والمرفقين بالماء، وقالوا :إذا لصق باليدين، أو بأصل الظفر طين أو عجين، يجب إزالته وإيصال الماء إلى أصل الظفر، وإلا بطل وضوءه . ويجب غسل تكاميش (تجاعيد) الأنامل ليعمها الماء، إلا أن بعض الحنفية يرى ضرورة غسل الأوساخ اللاصقة بباطن الظفر الطويل، فإن لم يفعل بطل وضوءه .واغتفروا للخباز الذى تطول أظفاره، فيبقى تحتها شيء من العجين لضرورة المهنة.

وقال المالكية :إن وسخ الأظفار يعفى عنه إلا إذا تفاحش وكثر، فيجب إزالته ليصل الماء إلى ما تحت الظفر .أما الشافعية فقالوا :إن الأوساخ التى تحت الأظفار إن منعت من وصول الماء إلى الجلد المحاذى لها من الأصبع، فإن إزالتها واجبة ليعم الماء الجلد، ولكن يعفى عن العمال الذين يعملون فى الطين ونحوه، بشرط ألا يكون كثيرا يلوث رأس الأصبع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٣ ص ١٩، مادة "تعميم")

قال الحنفية والشافعية والحنابلة :يجب غسل ظفر اليد وإن طال؛ لأنه متصل بيده اتصال خلقة، فيدخل فى مسمى اليد .وقال المالكية والحنابلة فى قول :لا يضر وسخ يسير تحت الظفر ولو منع وصول الماء، قال المرداوى :وهو الصحيح؛ لأنه مما يكثر وقوعه عادة، فلو لم يصح الوضوء معه لبينه النبى صلى الله عليه وسلم؛ لأنه لا يجوز تأخير البيان عن وقت الحاجة.

وألحق الشيخ بالوسخ اليسير تحت الظفر كل يسير منع وصول الماء حيث كان من البدن كدم وعجين ونحوهما، واختاره قياسا على ما تحت الظفر.

وعبارة المنتهى وغيره :تحت ظفر ونحوه، فيدخل فيه الشقوق فى بعض الأعضاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٣، ص ٣٤٤، مادة "فروض الوضوء")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

رنگ ساز وغیرہ کے جسم پر رنگ کی وجہ سے وضو اور غسل کا حکم

رنگ ساز اور اسی طرح جو لوگ مختلف قسم کے ایسے کام کاج کرتے ہیں کہ کام کاج کے دوران ان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ پر رنگ یا دَلدَار کوئی اور (Liquid) چیز (مثلاً ایلفی، بونڈ، گلیو وغیرہ) لگ جاتی ہے، اور وہ چیز پانی کو اندر سرایت کرنے کے لئے رکاوٹ بنتی ہے، مگر اس چیز کو جسم یا اعضاء سے بآسانی چھڑانا اور دور کرنا ممکن نہیں ہوتا، تو ایسے لوگوں کے لئے وضو اور غسل کے وقت یہ حکم ہے کہ ممکنہ حد تک ان چیزوں کو چھڑانا اور دور کرنا چاہئے، لیکن اگر کوشش

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

إذا كان تحت الأظفار وسخ يمنع وصول الماء إلى ما تحته، فقد ذهب المالكية، والحنفية فى الأصح عندهم، إلى أنه لا يمنع الطهارة، وعللوا ذلك بالضرورة، وبأنه لو كان غسله واجبا لبينه النبى صلى الله عليه وسلم "وقد عاب النبى صلى الله عليه وسلم كونهم يدخلون عليه قلحا ورفع أحدهم بين أنمله وظفره . يعنى أن وسخ أرفاغهم تحت أظفارهم يصل إليه رائحة نتنها، فعاب عليهم نتن ريحها لا بطلان طهارتهم، ولو كان مبطلا للطهارة لكان ذلك أهم فكان أحق بالبيان.

وقال الحنابلة، وهو رأى للحنفية، والمفهوم من مذهب الشافعية :لا تصح الطهارة حتى يزيل ما تحت الأظفار من وسخ، لأنه محل من اليد استتر بما ليس من خلقه، وقد منع إيصال الماء إليه مع إمكان إيصاله(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص ۱۷۲، مادة "اظفار")

ولو تلطخ يده بحمرة أو حناء جاز.

وفى "المغنى :"إذا كان تحت أظفاره وسخ يمنع وصول الماء إلى ما تحته فقال ابن عقيل :لا تصح طهارته حتى يزيله، ويحتمل أن لا يلزمه ذلك لأن هذا يسير عادة(البناية شرح الهداية، ج ا ص ۱۵۱، كتاب الطهارة)

وسئل الدبوسى عمن عجن فأصاب يده عجين فيبس وتوضأ؟ قال :يجزيه إذا كان قليلا، كذا فى الزاهدى(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۳، ص ۳۴۴،مادة "فروض الوضوء")

وأما إذا كان تحت أظفارها وسخ فإنه يجزيها من غير إزالته (الجوهرة النيرة، ج ا، ص ۱۰، سنن الطهارة)

ولا يمنع الدرن "أى وسخ الأظفار سواء القروى والمصرى فى الأصح فيصح الغسل مع وجوده (مراقى الفلاح، كتاب الطهارة، فصل فى تمام احكام الوضوء)

قوله" :أى وسخ الأظفار "وكذا درن سائر الأعضاء بالإجماع كما فى الخانية والدرر لأنه متولد عن البدن كما فى الفتح والبرهان قوله" :فى الأصح "وعليه الفتويحاشية الطحطاوى على المراقى، ص۶۳، كتاب الطهارة، فصل فى تمام احكام الوضوء)

کے باوجود بھی کوئی چیز لگی رہ جائے، یا اس کو دور کرنے سے ضَرَر ونقصان لاحق ہوتا ہو، تو وہ ضرورت اور دفعِ حرج کی وجہ سے معاف ہوجاتی ہے، اور وضو اور غسل کے درمیان اگر اس کے نیچے پانی سرایت نہ کرے، تو بھی وضو اور غسل درست ہوجاتا ہے، اور نماز پڑھنا جائز ہوجاتا ہے۔

اور مہندی وخضاب لگانے اور اس کا واضح دَل دور کرنے کے بعد رنگ کے ساتھ جو انتہائی معمولی سا دَل باقی رہ جاتا ہے، وہ بھی ضرورت کی وجہ سے معاف ہوتا ہے۔ [1]

---

[1] وقال الحنفية -كما جاء فى الفتاوى الهندية :-على أنه إن بقى من موضع الوضوء قدر رأس إبرة أو لزق بأصل ظفره طين يابس أو رطب لم يجز، وإن تلطخ يده بخمر أو حناء جاز، وسئل الدبوسى عمن عجن فأصاب يده عجين فيبس وتوضأ؟ قال :يجزيه إذا كان قليلا، كذا فى الزاهدى، وما تحت الأظافير من أعضاء الوضوء حتى لو كان فيه عجين يجب إيصال الماء إلى ما تحته، كذا فى الخلاصة وأكثر المعتبرات.

ذكر الشيخ الإمام الزاهد أبو نصر الصفار فى شرحه أن الظفر إذا كان طويلا بحيث يستر رأس الأنملة يجب إيصال الماء إلى ما تحته، وإن كان قصيرا لا يجب، كذا فى المحيط.

ولو طالت أظفاره حتى خرجت عن رء وس الأصابع وجب غسلها قولا واحدا، كذا فى فتح القدير، وفى الجامع الصغير :سئل أبو القاسم عن وافر الظفر الذى يبقى فى أظفاره الدرن، أو الذى يعمل عمل الطين، أو المرأة التى صبغ إصبعها بالحناء ، أو الصرام، أو الصباغ قال :كل ذلك سواء يجزيهم وضوؤهم؛ إذ لا يستطاع الامتناع عنه إلا بحرج، والفتوى على الجواز من غير فصل بين المدنى والقروى كذا فى الذخيرة، وكذا الخباز إذا كان وافر الأظفار، كذا فى الزاهدى ناقلا عن الجامع الأصغر.

والخضاب إذا تجسد وييس يمنع تمام الوضوء والغسل، كذا فى السراج الوهاج ناقلا عن الوجيز وقال ابن الهمام :فى الجامع الأصغر إن كان وافر الأظفار وفيها درن أو طين أو عجين، أو المرأة تضع الحناء جاز الوضوء فى القروى والمدنى، قال الدبوسى :هذا صحيح وعليه الفتوى .وقال الإسكاف :يجب إيصال الماء إلى ما تحته إلا الدرن المتولد منه .وقال الصفار فيه يجب الإيصال إلى ما تحته إن طال الظفر، وهذا حسن؛ لأن الغسل وإن كان مقصورا على الظواهر لكن إذا طال الظفر يصير بمنزلة عروض الحائل كقطرة شمعة ونحوه؛ لأنه عارض .وفى النوازل يجب فى المصرى لا القروى؛ لأن دسومة أظفار المصرى مانعة وصول الماء ، بخلاف القروى ولو لزق بأصل ظفره طين يابس ونحوه، أو بقى قدر رأس الإبرة من موضع الغسل لم يجز، ولو طالت أظفاره حتى خرجت عن رء وس الأصابع وجب غسلها قولا واحدا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۳، ص۳۴۴، ۳۴۵ مادة "فروض الوضوء")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مصنوعی دانت لگانے کے بعد غسل کا حکم

جو مصنوعی دانت پکے طریقہ پر لگائے جاتے ہیں، یا ان کو تاروں سے باندھا جاتا ہے، یا دانتوں کے درمیان خلاء میں مسالہ بھر دیا جاتا ہے، تو وضو اور غسل کے دوران ان کے اندر والے حصوں میں پانی پہنچانا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ اوپر والے اور باہر کے حصہ میں پانی پہنچانا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفی الجامع الصغیر سئل أبو القاسم عن وافر الظفر الذی یبقی فی أظفاره الدرن أو الذی یعمل عمل الطین أو المرأة التی صبغت أصبعها بالحناء ، أو الصرام، أو الصباغ قال کل ذلک سواء یجزیهم وضوء هم إذ لا یستطاع الامتناع عنه إلا بحرج والفتوی علی الجواز من غیر فصل بین المدنی والقروی .کذا فی الذخیرة وکذا الخباز إذا کان وافر الأظفار .کذا فی الزاهدی ناقلا عن الجامع الأصغر(الفتاوی الهندیة، ج ۱،ص ۴،کتاب الطهارة وفیه سبعة أبواب،الباب الأول فی الوضوء وفیه خمسة فصول،الفصل الأول)

(ولا یمنع) الطهارة (ونیم) أی خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحته (وحناء) ولو جرمه به یفتی (ودرن ووسخ) عطف تفسیر وکذا دهن ودسومة (وتراب) وطین ولو (فی ظفر مطلقا) أی قرویا أو مدنیا فی الأصح بخلاف نحو عجین.(و) لا یمنع (ما علی ظفر صباغ (الدر المختار)

(قوله :لم یصل الماء تحته) لأن الاحتراز عنه غیر ممکن حلیة.

(قوله :به یفتی) صرح به فی المنیة عن الذخیرة فی مسألة الحناء والطین والدرن معللا بالضرورة. قال فی شرحها ولأن الماء ینفذه لتخلله وعدم لزوجته وصلابته، والمعتبر فی جمیع ذلک نفوذ الماء ووصوله إلی البدن اهـ لکن یرد علیه أن الواجب الغسل وهو إسالة الماء مع التقاطر کما مر فی أرکان الوضوء .والظاهر أن هذه الأشیاء تمنع الإسالة فالأظهر التعلیل بالضرورة، ولکن قد یقال أیضا إن الضرورة فی درن الأنف أشد منها فی الحناء والطین لندورهما بالنسبة إلیه مع أنه تقدم أنه یجب غسل ما تحته فینبغی عدم الوجوب فیه أیضا تأمل.

(قوله :عطف تفسیر) لقول القاموس :الدرن الوسخ، وأشار بهذا إلی أن المراد بالدرن هنا المتولد من الجسد، وهو ما یذهب بالدلک فی الحمام، بخلاف الدرن الذی یکون من مخاط الأنف، فإنه لو یابسا یجب إیصال الماء إلی ما تحته کما مر.

(قوله :وکذا دهن) أی کزیت وشیرج، بخلاف نحو شحم وسمن جامد.

(قوله :ودسومة) هی أثر الدهن .قال فی الشرنبلالیة قال المقدسی :وفی الفتاوی دهن رجلیه ثم توضأ وأمر الماء علی رجلیه ولم یقبل الماء للدسومة جاز لوجود غسل الرجلین .اهـ.

(قوله :فی الأصح) مقابلة قول بعضهم یجوز للقروی؛ لأن درنه من التراب والطین فینفذه الماء لا للمدنی؛ لأنه من الودک شرح المنیة (رد المحتار، ج ۱، ص ۱۵۴، کتاب الطهارة، فرض الغسل)

www.idaraghufran.org

کافی ہوجاتا ہے۔ ۱

وِگ (wig) کے اوپر سے مسح اور غسل کا حکم

سر پر اگر مصنوعی بالوں کی وِگ لگا رکھی ہو تو اگر وہ وِگ اس طرح کی ہے، کہ اس کے ہوتے ہوئے بھی پانی سر کی سطح تک پہنچ جاتا ہے، اور سر کی کوئی جگہ خشک نہیں رہتی، تو دورانِ غسل اس وِگ پر ہی پانی بہا دینے سے غسل ہوجائے گا، اور وضو کے دوران وِگ پر ہی مسح کر لینے سے جبکہ تری سر کی سطح تک پہنچ جائے، مسح بھی درست ہوجائے گا۔

اور اگر وہ وِگ اس طرح کی ہے کہ پانی کو سر تک نہیں پہنچنے دیتی تو ایسی صورت میں اگر وہ وِگ سر کے ساتھ اس طرح پیوست ہے کہ جراحی (یعنی آپریشن) کے عمل یا غیر معمولی تکلیف کے بغیر اس کو سر سے جدا نہیں کیا جاسکتا، یا بالوں کی جڑوں کو سر کی کھال میں پیوست کر دیا گیا ہے، تب تو وضو وغسل میں اس کے اوپر سے پانی پہنچانا؛ یا بہانا کافی ہے، اور اس صورت میں اس کا حکم پختہ طریقہ پر لگائے ہوئے مصنوعی دانتوں کی طرح ہے۔

اور اگر وہ بآسانی اتاری جاسکتی ہے، تو غسل میں اس کو اتار کر سر کی اصل سطح تک پانی پہنچانا اور وضو میں اصل سطح پر گیلا ہاتھ پھیرنا ضروری ہوگا۔

اور وِگ اگر پاک چیز پر مشتمل ہے، تو اس کو پہن کر نماز پڑھنے سے نماز درست ہوجائے گی۔ ۲

---

۱ واسم البدن يتناول الكل إلا ما لا يمكن إيصال الماء إليه يسقط اعتباره لمكان الضرورة، فأما إذا أمكن إيصال الماء إلى هذين العضوين من غير حرج لا ضرورة إلى إسقاط اعتبارهما(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى ،ج ا ،ص ۸۱،كتاب الطهارات،الفصل الثالث فى تعليم الإغتسال)

ولا يصل الماء إلى ما تحت القشرة أجزأه وضوءه، وفى معناه الغسل كذا فى النوازل لأبى الليث ونقله الهندى أيضا(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج ا ،ص ۴۹،كتاب الطهارة،أحكام الغسل)

۲ واسم البدن يتناول الكل إلا ما لا يمكن إيصال الماء إليه يسقط اعتباره لمكان الضرورة، فأما إذا أمكن إيصال الماء إلى هذين العضوين من غير حرج لا ضرورة إلى إسقاط اعتبارهما(المحيط

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

لیکن بعض صورتوں میں وِگ لگانا جائز نہیں، جس کی تفصیل ہماری دوسری کتاب ’’بالوں میں وصل کی تحقیق‘‘ میں ملاحظہ فرمائیں۔

موزے اتارنے سے ضرر لاحق ہو، تو وضو کا حکم

اگر کسی شخص نے ایسے موزے یا جوتے پہن رکھے ہیں کہ جن پر مسح کرنا جائز نہیں، یا ان پر مسح کرنا تو جائز تھا، مگر ان پر مسح کی مدت ختم ہو چکی ہے، لیکن پاؤں سے ان کو اتارنے کی صورت میں دونوں یا ایک پاؤں کے خراب یا ضائع ہونے کا ڈر ہے، جیسا کہ فوجیوں کے فُل بوٹ ہوتے ہیں، اور وہ برفانی علاقوں میں خدمت پر مامور ہوتے ہیں۔

یا مثلاً کوئی شخص ایسے برفستان میں ہے کہ اگر وہاں پاؤں سے موزے اتارے جائیں تو سردی کی وجہ سے پاؤں کے خراب یا بے کار ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، تو ایسی صورت میں یہ موزے زخم پر بندھی ہوئی پٹی کے حکم میں ہو جاتے ہیں کہ جب تک زخم ٹھیک نہ ہو پٹی پر مسح کرتے رہنا درست ہوتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں وضو کے دوران ان کے اوپر سے مسح کرنا بھی جائز ہوتا ہے (کذا فی امداد المفتین ص ۲۹۸) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

البرهانی فی الفقه النعمانی، ج ۱، ص ۸۱، کتاب الطهارات، الفصل الثالث فی تعلیم الإغتسال)

فی جواز صلاة المرأة مع شعر غیرها الموصول اختلاف بینهم والمختار أنه یجوز کذا فی الغیاثیة (الهندیة، ج۵ ص ۳۵۸، کتاب الکراهیة، الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء الخ)

[1] وفی معراج الدرایة ولو مضت، وهو یخاف البرد علی رجله بالنزع یستوعب بالمسح کالجبائر اهـ فأفاد الاستیعاب وأنه ملحق بالجبائر لا جبیرة حقیقة (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج ۱ ص ۱۸۷، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفین)

ولو خاف من نزع خفیه علی ذهاب قدمیه من البرد جاز له المسح وإن طالت المدة کمسح الجبیرة. هکذا فی التبیین والبحر الرائق (الفتاوی الهندیة، ج ۱ ص ۳۴، کتاب الطهارة، الباب الخامس، الفصل الثانی)

ظاهر المتون أن الواجب عند خوف سقوط رجله من البرد هو المسح لا التیمم وستطلع إن شاء الله تعالی علی تأییدنا له بالنقول الصریحة (منحة الخالق علی البحر الرائق، ج ۱، ص ۱۴۹، کتاب الطهارة، باب التیمم) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

جو عضو کاٹ دیا گیا ہو، اس کے دھونے کا حکم

جب کسی کا ایسا عضو کاٹ دیا جائے، جس کا وضو یا غسل میں دھونا ضروری تھا، تو اگر وہ مکمل عضو کاٹ دیا جائے، تو اس کے دھونے کا حکم ختم ہو جاتا ہے، اور اگر اس کا کچھ حصہ باقی ہو، تو باقی ماندہ حصہ کا دھونا ضروری ہوتا ہے۔ [1]

زائد پیدا شدہ عضو کو دھونے کا حکم

جس کا کوئی عضو زائد پیدا ہو، مثلاً ایک ہاتھ یا ایک انگلی زائد ہو، تو غسل کے دوران اس کو دھونا ضروری ہوتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال بعض الفضلاء نعم ظاهر المتون المسح لكن يراد بالمسح أن يمسح على جميعه كالجبيرة ولا يتوقت ويدل على ذلك صريح كلامهم في غير كتاب من الكتب المعتبرة قال في المجتبى، فإن مضت، وهو يخاف البرد على رجليه بالنزع يستوعب المسح كالجبائر ويصلي وكذا في الزيلعي والإيضاح والحاوي ومختارات النوازل اهـ.

قلت وكذا في معراج الدراية وإمداد الفتاح وشرحي العلامة الحصكفي على الملتقى والتنوير فعلم بهذه النقول أن الراجح المسح لا التيمم ونقله في السراج عن المشكل ومنلا خسرو وعن الكافي وعيون المذاهب والقهستاني عن الخلاصة وفي الفتح عن جوامع الفقه والمحيط ولم يذكروا التيمم والله تعالى أعلم (منحة الخالق على البحر الرائق، ج ۱، ص۱۸۷، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين)

(ومضى) المدة وإن لم يمسح (إن لم يخش) بغلبة الظن (وذهاب رجله من برد) للضرورة، فيصير كالجبيرة فيستوعبه بالمسح ولا يتوقف(الدر المختار)

(قوله ونزع خف) أراد به ما يشمل الانتزاع، وإنما نقض لسراية الحدث إلى القدم عند زوال المانع (قوله ولو واحدا) ؛ لأن الانتقاض لا يتجزأ، وإلا لزم الجمع بين الغسل والمسح، وأشار إلى المراد بالخف الجنس الصادق بالواحد والاثنين (ردالمحتار، ج ۱، ص۲۷۵، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين)

[1] واتفقوا على أنه إذا قطع محل الفرض بكماله أو أكثر منه لم يجب عليه شيء.

وذهبوا إلى أنه إذا بقي شيء من محل الفرض وجب غسله إذا كان مما يغسل ومسحه إذا كان مما يمسح(الموسوعة الفقهية الكويتية، ۲۹ص ۲۳۹، مادة "عاهة")

www.idaraghufran.org

جہاں تک وضو میں ایسے عضو کو دھونے کا تعلق ہے، تو اگر وہ عضو ایسی جگہ پیدا ہوا ہو، جس کا دھونا وضو میں فرض ہے، جیسا کہ ہاتھ یا پاؤں کی زائد انگلی، تو وضو کے دوران اس کا دھونا ضروری ہوتا ہے، اور اگر وہ ایسی جگہ پیدا ہو، جس کا وضو میں دھونا فرض نہیں، مثلاً کہنی سے اوپر اضافی ہاتھ پیدا ہو، تو وضو کے دوران اس کا دھونا ضروری نہیں ہوتا۔ [1]

خون اور زخم کا مواد نکلنے سے وضو ٹوٹنے کا حکم

فقہ حنفی کے مطابق اگر بدن کے کسی ظاہری حصہ سے نکلنے والا خون یا زخم کا مواد اتنی مقدار میں ہو کہ وہ اپنی نکلنے والی جگہ سے نکل کر بہہ پڑے، جیسا کہ دانتوں اور ہونٹوں سے یا جسم کے عام اعضاء سے اتنی مقدار میں نکلنے والا خون کہ جس میں بہنے کی صلاحیت ہو، تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

اور فقہ مالکی وشافعی کے مطابق پیشاب، پاخانہ کے راستہ کے علاوہ جسم کے کسی بھی حصہ سے

---

[1] الأعضاء الزائدة يجب غسلها فى رفع الحدث الأكبر لجنابة أو حيض أو غيرهما، وكذا فى الغسل المسنون، وهذا مما لا خلاف فيه بين العلماء .

أما غسلها أو مسحها فى رفع الحدث الأصغر :فقد ذهب الفقهاء إلى أن من خلق له عضوان متماثلان كاليدين على منكب واحد ولم يمكن تمييز الزائدة من الأصلية، وجب غسلهما جميعا للأمر به فى قوله تعالى :(وأيديكم إلى المرافق)

أما إذا أمكن تمييز الزائدة من الأصلية، وجب غسل الأصلية باتفاق وكذا الزائدة إذا نبتت على محل الفرض.

أما إذا نبتت فى غير محل الفرض ولم تحاذ محل الفرض فالاتفاق واقع على عدم وجوب غسلها فى الوضوء ولا مسحها فى التيمم.

أما إذا كانت الزائدة نابتة فى غير محل الفرض وحاذت كلها أو بعضها محل الفرض، فجمهور الفقهاء من الحنفية والمالكية والشافعية والقاضى أبو يعلى من الحنابلة يوجبون غسل ما حاذى محل الفرض منها ، أو كلها عند المالكية إذا كان لها مرفق ، أما الحنابلة فلهم فيها قولان :أحدهما: مع الجمهور وهو قول أبى يعلى، والثانى :قول ابن حامد وابن عقيل :إن النابتة فى غير محل الفرض لا يجب غسلها، قصيرة أو طويلة، لأنها أشبهت شعر الرأس إذا نزل عن حد الوجه، ورجحه الفتوحى، حيث قال :فيما يجب غسله منهما :ويد فى محل الفرض أو بغيره ولم تتميز (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٩ ص ٢٤٠، ٢٤١، مادة "عاهة")

Idara Ghufran

نکلنے والے خون یا کسی اور چیز مثلاً زخم سے خارج ہونے والے مواد سے وضو نہیں ٹوٹتا، خواہ وہ کتنی مقدار میں کیوں نہ ہو، اور کتنی ہی مرتبہ کیوں نہ نکلے۔

اور فقہ حنبلی کے مطابق اگر وہ خون یا مواد بہت زیادہ مقدار میں ہو، تو وضو ٹوٹتا ہے، ورنہ وضو نہیں ٹوٹتا۔[1]

---

[1] بندہ کے نزدیک عام حالات میں تو خون نکلنے سے وضو ٹوٹنے کا حکم لگانے میں ہی احتیاط ہے، لیکن اگر کوئی مجبور و بیمار ہو، مثلاً اس کے جسم کے کسی حصہ یا منہ سے بار بار خون برآمد ہوتا ہو، مگر وہ معذور کے زمرہ میں نہ آتا ہو، یا مثلاً کوئی مریض ہسپتال میں داخل ہے، اور اس کو بار بار خون وغیرہ کا ٹیسٹ کرانا پڑتا ہے، یا ٹیکے (انجکشن) لگتے ہیں، جس کی وجہ سے اتنی مقدار میں جسم سے خون برآمد ہوتا ہے کہ جس میں بہنے کی صلاحت پائی جاتی ہے، یا اس کے کینولا (Cannula) لگا ہوا ہے، اور ہر نماز کے وقت وضو کرنے میں سخت تکلیف پیش آتی ہے، یا کسی کمزور، مریض یا بوڑھے شخص کو انسولین (Insoleen) لگانی پڑتی ہے، جس کے بعد معمولی خون نکل آتا ہے، اور اس کے بعد وضو کرنا مشکل ہوتا ہے، اور ایسے حالات میں بہت سے مریض نماز ہی ترک کر دیتے ہیں، تو بندہ کی ذاتی رائے میں ایسے اشخاص کے لئے خون نکلنے سے وضو نہ ٹوٹنے کا حکم لگانے کی گنجائش ہے۔ محمد رضوان۔

ذهب المالكية والشافعية إلى أن الوضوء لا ينتقض بخروج شيء من غير السبيلين كدم الفصد، والحجامة، والقيء، والرعاف، سواء قل ذلك أو كثر؛ لما روى أنس رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم احتجم فصلى ولم يتوضأ ولم يزد على غسل محاجمه. وبهذا قال عمر، وابن عباس وابن أبى أوفى، وجابر وأبو هريرة، وعائشة وسعيد بن المسيب وسالم بن عبد الله بن عمر، والقاسم بن محمد، وطاوس، وعطاء، ومكحول وربيعة، وأبو ثور .قال البغوى :وهو قول أكثر الصحابة.

ويرى الحنابلة أن الرعاف لا ينقض الوضوء إلا إذا كان فاحشا كثيرا. أما كون الكثير ينقض الوضوء، فلقوله عليه الصلاة والسلام فى حديث عائشة لفاطمة بنت أبى حبيش عن دم الاستحاضة: إنما ذلك عرق، وليست بالحيضة، فإذا أقبلت الحيضة فدعى الصلاة، وفى رواية :توضئى لكل صلاة.

ولأنه نجاسة خارجة من البدن أشبهت الخارج من السبيل .وأما كون القليل لا ينقض فلمفهوم قول ابن عباس فى الدم إذا كان فاحشا فعليه الإعادة .قال أحمد :عدة من الصحابة تكلموا فيه، وابن عمر عصر بثرة فخرج الدم فصلى ولم يتوضأ، وابن أبى أوفى عصر دملا، وذكر أحمد غيرهما، ولم يعرف لهم مخالف من الصحابة فكان إجماعا.

ويرى الحنفية القائلون بنقض الوضوء بسيلان الدم عن موضعه أن الرعاف ينقض الوضوء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ص ۲۶۲ الىٰ ۲۶۴، مادة "رعاف")

اختلف الفقهاء فى انتقاض الوضوء بخروج الصديد من الجرح، فعند المالكية والشافعية :لا ينتقض

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

قے ہونے سے وضو ٹوٹنے کا حکم

خون نکلنے سے وضو ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کی طرح قے ہونے سے بھی وضو ٹوٹنے نہ ٹوٹنے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

چنانچہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک قے ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، خواہ کتنی ہی زیادہ مقدار میں قے ہو۔

اور حنفیہ کے نزدیک اگر قے کم مقدار میں ہو، تو وضو نہیں ٹوٹتا، اور اگر زیادہ مقدار میں ہو، تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک زیادہ مقدار ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ منہ بھر ہو۔

اور حنابلہ کے نزدیک اگر قے کم مقدار میں ہو، تو وضو نہیں ٹوٹتا، اور زیادہ مقدار میں ہو، تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور ان کے نزدیک زیادہ اور کم ہونے کا دارومدار مبتلیٰ بہٖ (یعنی جس کو قے ہوئی، اس) کی رائے پر ہے کہ جس کو وہ زیادہ مقدار سمجھے، وہ زیادہ مقدار ہے، اور جس کو وہ کم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الوضوء بخروج الصديد من الجرح؛ لأن النجاسة التى تنقض الوضوء عندهم هى :ما خرجت من السبيلين فقط، أما ما يخرج من غير ذلك فلا ينقض الوضوء(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٦ ص٣٤٤، مادة ”صديد“)

وذهب المالكية والشافعية إلى أن الحجامة والفصد ومص العلق لا يوجب واحد منها الوضوء .قال الزرقانى :لا ينتقض الوضوء بحجامة من حاجم ومحتجم وفصد .وفى الأم "لا وضوء فى قىء ولا رعاف ولا حجامة ولا شىء خرج من الجسد وأخرج منه غير الفروج الثلاثة القبل والدبر والذكر " وذهب الحنابلة إلى أن ما خرج من الدم موجب للوضوء إذا كان فاحشا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص١٥، مادة ”حجامة“)

ذهب المالكية والشافعية إلى عدم انتقاض الوضوء بالفصد، لما روى من أن رجلين من أصحاب النبى حرسا المسلمين فى غزوة ذات الرقاع، فقام أحدهما يصلى فرماه رجل من الكفار بسهم فنزعه وصلى ودمه يجرى، وعلم به صلى الله عليه وسلم ولم ينكره قال الرملى :وأما صلاته مع الدم فلقلة ما أصابه منه .ويرى الحنفية أن الفصد ناقض للوضوء .

ويقول الحنابلة :إن خروج الكثير من الدم ينقض الوضوء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٢، ص١٤٧، مادة ”فصد“)

مقدار سمجھے، وہ کم مقدار ہے۔ [1]

ناپاک کپڑے وغیرہ کو پاک کرنے کا طریقہ

جو نجاست جرم وجسم رکھتی ہے، یعنی وہ دَلدار ہے، اس سے کپڑے وغیرہ کے پاک ہونے کے لئے اتنا دھونا کافی ہے کہ اس نجاست کا جرم وجسم اس کپڑے وغیرہ سے دور ہو جائے، خواہ ایک مرتبہ دھونے سے یہ مقصود حاصل ہو جائے، یا زیادہ مرتبہ دھونے سے حاصل ہو، اور

---

[1] خون کے مسئلہ کی طرح اس مسئلہ میں بھی اگر مریض کو قے ہونے کے بعد وضو کرنا متعذر ہو، اور اس کی وجہ سے نماز کا ترک لازم آتا ہو، تو مالکیہ اور شافعیہ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ محمد رضوان۔

أثر القيء في الوضوء :

اختلف الفقهاء في نقض الوضوء بالقيء :فذهب المالكية والشافعية إلى أنه لا ينقضه .

وعند الحنفية أن القيء ينقض الوضوء متى كان ملء الفم، سواء كان قيء طعام أو ماء وإن لم يتغير. وحد ملئه :أن لا ينطبق عليه الفم إلا بتكلف (أي مشقة) على الأصح من التفاسير فيه، وقيل حد ملئه :أن يمنع الكلام، وذلك لتنجسه بما في قعر المعدة وهو مذهب العشرة المبشرين بالجنة ؛ ولأن النبي صلى الله عليه وسلم "قاء فتوضأ ؛ ولأن خروج النجاسة مؤثر في زوال الطهارة.

فإذا لم يملأ الفم لا ينقض الوضوء ؛ لأنه من أعلى المعدة، وكذا لا ينقضه قيء بلغم ولو كان كثيرا لعدم تخلل النجاسة فيه وهو طاهر .

وإن قاء قليلا قليلا متفرقا ولو جمع تقديرا كان ملء الفم، فأبو يوسف اعتبر اتحاد المجلس؛ لأنه جامع للمتفرقات، ومحمد اعتبر اتحاد السبب وهو الغثيان؛ لأنه دليل على اتحاده، وهو الأصح، وعلى هذا ينقض القيء المتفرق الوضوء إن كان قدر ملء الفم.

وعند زفر ينقض قليله كثيره وهما في ذلك سواء ؛ لأنه لما كان الخارج من غير السبيلين. حدثا بما دل عليه من الدليل وجب أن يستوى فيه القليل والكثير كالخارج من السبيلين، ولقوله : القلس حدث.

ولو قاء دما وهو علق يعتبر فيه ملء الفم؛ لأنه سوداء محترقة، وإن كان مائعا فكذلك عند محمد اعتبارا بسائر أنواعه، وعندهما :إن سال بقوة نفسه ينقض الوضوء وإن كان قليلا؛ لأن المعدة ليست بمحل الدم،فيكون من قرحة في الجوف.

وعند الحنابلة :أنه ينقض الوضوء إن فحش في نفس كل أحد بحسبه؛ لأن اعتبار حال الإنسان بما يستفحشه غيره حرج فيكون منفيا لما رواه معدان بن طلحة عن أبي الدرداء رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قاء فتوضأ فلقيت ثوبان في مسجد دمشق فذكرت له ذلك فقال :صدق أنا صببت له وضوءه ، ولا ينقض اليسير لقول ابن عباس في الدم :إذا كان فاحشا فعليه الإعادة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴، ص ۸۸، مادة "قيء")

www.idaraghufran.org

کوشش کے بعد نجاست کے رنگ وغیرہ کا اثر باقی رہنا نقصان دہ نہیں۔ ۱؎

اور جو نجاست ایسی ہو کہ جرم نہیں رکھتی، یعنی وہ دَلدار نہیں ہے، جیسا کہ پیشاب، شراب وغیرہ، تو اس کو اتنا دھونا کافی ہوجاتا ہے کہ دھونے والے کو اس چیز کے پاک ہونے کا غالب گمان حاصل ہوجائے، خواہ ایک مرتبہ دھونے سے یا دو مرتبہ یا تین مرتبہ دھونے سے، بہرحال جب بھی دھونے والے کے گمان کے مطابق وہ ناپاک چیز پاک ہوجائے، تو وہ ناپاک چیز پاک سمجھی جاتی ہے، اور اس کو تین مرتبہ دھونے اور نچوڑنے کی ضرورت نہیں ہوتی، ہمارے نزدیک دلائل کی رُو سے یہی راجح ہے۔

اور اگر کوئی وسوسوں کا مریض ہو، جس کو کئی مرتبہ دھوکر بھی اطمینان حاصل نہ ہوتا ہو، تو اس کے لئے تین مرتبہ دھونا کافی ہوجاتا ہے (تفصیل اور دلائل کے لئے ملاحظہ ہو، ہماری دوسری کتاب ''وساوِس اور حقائق'') ۲؎

۱؎ المرئية فطهارة محلها زوال عينها؛ لأن تنجس المحل باعتبار العين فيزول بزوالها ولو بمرة كما جزم به فی الكنز واعتمده الزيلعی وقيل لا يطهر ما لم يغسله ثلاثا بعد زوال العين لأنه بعد زوال العين التحق بنجاسة غير مرئية غسلت مرة .اهـ.

قال فی الخلاصة :إنه خلاف ظاهر الرواية وهذا هو الذی اعتمده المصنف كما تعطيه عبارته؛ لأنه حكى ما جزم به صاحب الكنز وغيره بصيغة قيل (منحة الخالق على البحر الرائق، ج ۱، ص ۲۴۸، باب الانجاس)

مواد إزالة النجاسة النجاسة المرئية تطهر بزوال عينها بكل مائع طاهر مزيل كالخل وماء الورد والماء المستعمل. العفو فی الإزالة والأثر الذی يشق إزالته عفو.

إزالة غير المرئی وغير المرئية تطهر بالغسل الذی يغلب على الظن الزوال به (تحفة الملوک، ج ۱، ص ۳۹، و ۴۰، فصل فی إزالة النجاسة)

۲؎ وإن كانت النجاسة غير مرئية على المتنجس فذهب الحنفية إلى عدم طهارتها إلا بالغسل ولو دون الثلاث وهو مفوض إلى غالب رأيه وأكبر ظنه بأنها طهرت وليست الغسلات الثلاث بلازمة، وذهب المالكية إلى أنه إذ ميز موضع النجاسة من الثوب والبدن غسله وحده، وإن لم يميز غسل الجميع.

وذهب الشافعية إلى أنه يكفی فی التطهير فی هذه الحالة جرى الماء على موضع النجاسة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۴، ص ۱۵۱، مادة "تنجيس")

تقدير إزالة النجاسة بثلاث غسلات فی حق الموسوس:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نجاست کو پانی کے علاوہ کسی اور چیز سے پاک کرنے کا حکم

مریض کے جسم پر کوئی نجاست لگی ہوئی ہو، تو اس کو جسم سے دھونے سے وہ جگہ پاک ہوجاتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المفتى به عند الحنفية كما قال الحصكفي وغيره، أن طهارة محل النجاسة المرئية بقلعها، ولا يضر بقاء أثر لازم، وطهارة محل نجاسة غير مرئية تحصل بغلبة ظن غاسلها طهارة محلها . ويقدر ذلك في حق الموسوس بغسل وعصر ثلاثا فيما ينعصر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۳،ص ۱۵۴ ،مادة وسوسة)

(و) يطهر محل (غيرها) أي :غير مرئية (بغلبة ظن غاسل) لو مكلفا وإلا فمستعمل (طهارة محلها) بلا عدد به يفتى.(وقدر) ذلك لموسوس (بغسل وعصر ثلاثا) أو سبعا (فيما ينعصر) مبالغا بحيث لا يقطر(الدرالمختار مع ردالمحتار، ج ۱ ص ۳۳۱، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

(وإن لم تكن النجاسة مرئية يغسلها حتى يغلب على ظنه أن قد طهر) وهذا إذا لم يكن لها ريح فإن كان يجب الغسل إلى زواله إلا ما يشق وهكذا الطعم (وقيل إذا غسل) الثوب من غير المرئية (مرة وعصر بالمبالغة يطهر) كما هو قول الشافعي (وقيل إنه لا يطهر ما لم يغسل ثلاث مرات ويعصر في كل مرة والفتوى على الأول) إنه يعتبر غلبة الظن لكن جعلوا الثلاث قائمة مقام غلبة الظن قطعا للوسوسة فلهذا ذكروا الثلاث في أكثر الكتب(منية المصلي، ج ۱ ص۱۰۷ ، كتاب الطهارة)

لكن المعتبر- كما أبنت وكما أوضح ابن عابدين- في تطهير النجاسة المرئية :زوال عينها، ولو بغسلة واحدة، ولو في إناء واحد (إجانة :إناء تغسل فيه الثياب) فلا يشترط فيها تثليث غسل ولا عصر .وأما غير المرئية فالمعتبر فيها غلبة الظن في تطهيرها، بلا عدد، على المفتى به، وقيل :مع شرط التثليث.

وهذا المفتى به عند الحنفية يقترب من مذهب المالكية القائلين بإزالة عين النجاسة.

وقال الشافعية :يشترط ورود الماء ، لا العصر في الأصح .أي يشترط ورود الماء على محل النجاسة، إن كان الماء قليلاً، لئلا يتنجس الماء لو عكس الأمر، لأن الماء ينجس بمجرد وقوع النجاسة فيه .فلو وضع ثوباً في إجّانة وفيه دم معفو عنه، وصب الماء عليه تنجس بملاقاته، وتجب المبالغة في الغرغرة عند غسل فمه المتنجس، ويحرم ابتلاع نحو طعام قبل ذلك.

هذا ...وقد اتفق الحنفية مع غيرهم على أن المتنجس إذا غسل في ماء جار، أو غدير (أي ماء كثير له حكم الجاري) أو صب عليه ماء كثير، أو جرى عليه الماء ، طهر مطلقاً، بلا شرط عصر وتجفيف، وتكرار غمس، لأن الجريان بمنزلة التكرار والعصر(الفقه الإسلامي وأدلته ، لوهبة بن مصطفى الزحيلي، ج ۱ ،ص۳۳۷،الباب الأول :الطهارات،الفصل الثاني،المبحث الثالث)

Idara Ghufran

پھر کئی فقہائے کرام کے نزدیک نجاست کو پاک کرنے کے لئے اس کو پانی سے دھونا ضروری ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اور حنابلہ کی ایک روایت کے مطابق جس طرح نجاست کو پاک کرنے کے لئے پانی سے دھونا درست ہے، اسی طرح پانی کے علاوہ کسی اور پاک بہنے والی چیز سے نجاست کو دھو کر پاک کرنا بھی درست ہے، جیسا کہ عرقِ گلاب، سرکہ، پٹرول، مٹی کا تیل اور دوسرے بہنے والے اور پتلے کیمیکلز وغیرہ خواہ پانی سے بالکل بھی نہ دھویا جائے، جیسا کہ آج کل پانی کے بجائے مختلف کیمیکلز سے دھویا جاتا ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اس طرح بھی ناپاک چیز کو دھونے سے وہ چیز پاک ہوجاتی ہے۔ [1]

اور اگر وہ دَلدار نجاست ہو، مثلاً پاخانہ یا خون، تو اس کو اچھی طرح صاف کر دیا جائے، اور

---

[1] ذهب جمهور الفقهاء إلى أنه لا يجوز إزالة النجاسة من الثوب والبدن بالخل، فالطهارة من النجاسة لا تحصل عندهم إلا بما تحصل به الطهارة من الحدث، لدخولها في عموم الطهارة، وهذا قول المالكية والشافعية، وهو أصح الروايتين عند الحنابلة، وقول محمد بن الحسن، وزفر من الحنفية، واستدلوا بقوله تعالى :(وأنزلنا من السماء ماء طهورا) ، (وينزل عليكم من السماء ماء ليطهركم به)، قال النووی :ذكره سبحانه وتعالى امتنانا فلو حصلت الطهارة بغيره لم يحصل الامتنان به.

ولما ورد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :إذا أصاب ثوب إحداكن الدم من الحيضة فلتقرصه، ثم لتنضحه بماء ثم لتصلى فيه. ولم ينقل عن النبى صلى الله عليه وسلم جواز إزالة النجاسة بغير الماء ، فلو جاز بغير الماء لبينه مرة فأكثر.

وقال أبو حنيفة وأبو يوسف وهو رواية عندالحنابلة :يجوز تطهير النجاسة بالماء وبكل مائع طاهر يمكن إزالتها به، كالخل وماء الورد ونحوهما مما إذا عصر انعصر بخلاف الدهن والزيت واللبن والسمن.

واحتج لهم بحديث عائشة رضى الله عنها قالت :ما كان لإحدانا إلا ثوب واحد تحيض فيه، فإذا أصابه شىء من دم قالت بريقها فقصعته بظفرها وبحديث أبى سعيد الخدرى أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :إذا جاء أحدكم إلى المسجد فلينظر، فإن رأى فى نعليه قذرا أو أذى فليمسحه، وليصل فيهما. وموضع الدلالة أنها طهارة بغير الماء ، فدل على عدم اشتراطه؛ ولأن الخل ونحوه من المائعات الطاهرة قالع للنجاسة ومزيل لها كالماء فيأخذ حكمه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۹، ص۲۶۲، مادة ”خل“)

www.idaraghufran.org

دھویا نہ جائے، تو بھی حنفیہ کے نزدیک بدن کا وہ حصہ پاک ہو جاتا ہے۔ [1]

بدن یا لباس پر لگی ہوئی ناپاکی کے ساتھ نماز پڑھنا

اگر مریض کے بدن یا لباس پر ناپاکی (مثلاً خون) لگی ہوئی ہو، تو اگر وہ کم مقدار میں ہو، تو اسے دھوئے بغیر نماز درست ہو جاتی ہے، اور اگر زیادہ مقدار میں ہو، تو پھر دھوئے بغیر نماز درست نہیں ہوتی، بشرطیکہ اس کی قدرت ہو، ورنہ معاف ہے۔

پھر حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر نجاست (یا خون) پھیلاؤ میں ایک درہم (یعنی ہتھیلی کے گہراؤ) سے زیادہ ہو، تو وہ زیادہ مقدار میں داخل ہے، جس کو دھوئے بغیر نماز پڑھنا درست نہیں ہوتا، اور اگر اس سے کم مقدار میں ہو تو وہ کم مقدار میں داخل ہے، جس کو دھوئے بغیر نماز پڑھنا درست ہو جاتا ہے۔

اور شافعیہ کے نزدیک عرف میں اور حنابلہ کے نزدیک اپنے گمان میں جو مقدار زیادہ ہو، اس کو دھوئے بغیر نماز پڑھنا درست نہیں ہوتا، اور اس سے کم مقدار میں ہو، تو اس کو دھوئے بغیر

---

[1] اور مالکیہ کے نزدیک حجامہ یا علاج (مثلاً آپریشن) کے بعد صاف کر کے جو خون لگا رہ جائے، وہ بھی زخم ٹھیک ہونے تک معاف ہے۔

ب -موضع الحجامة: صرح الحنفية بأنه يطهر بالمسح موضع الحجامة إذا مسحها بثلاث خرق رطبات نظاف، وقاس صاحب الفتح عليه ما حول محل الفصد إذا تلطخ، ويخاف من الإسالة السريان إلى الثقب.

ويقرب من هذا ما صرح به المالكية في موضع الحجامة بقولهم :يعفى عن أثر دم موضع الحجامة أو الفصادة إذا كان ذلك الموضع مسح عنه الدم، لتضرر المحتجم من وصول الماء لذلك المحل، ويستمر العفو إلى أن يبرأ ذلك الموضع، فإذا برء غسل الموضع، ثم إن محل العفو إذا كان أثر الدم الخارج أكثر من درهم، وإلا فلا يعتبر في العفو مسح (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٧، ص ٢٦٠، ٢٦١، مادة "مسح")

مسح الحجام موضع الحجامة مرة واحدة وصلى المحجوم أياما لا يجب عليه إعادة ما صلى إن أزال الدم بالمرة الواحدة(منحة الخالق على البحر الرائق، ج ١، ص ٢٣٥، كتاب الطهارة، باب الأنجاس)

نماز پڑھنا درست ہوجاتا ہے۔ ۱

مریض کو ڈھیلے یا ٹشو پیپر سے استنجاء پر اکتفاء کرنے کا حکم

اگر کوئی پیشاب پاخانہ کے بعد ڈھیلے یا ٹشو پیپر سے استنجاء کرلے، اور پانی استعمال نہ کرے، تو اگر نجاست اپنے مخرج (یعنی پیشاب، پاخانہ خارج ہونے والے سوراخ) سے دائیں، بائیں نہ پھیلی ہو، تو پانی سے دھوئے بغیر وضو یا تیمّم کر کے نماز پڑھنا جائز ہوتا ہے۔

اور اگر نجاست اپنے مخرج (یعنی پیشاب، پاخانہ خارج ہونے والے سوراخ) سے دائیں، بائیں پھیل گئی، اور متجاوز ہوگئی ہو، تو پھر نماز پڑھنے کے لئے ڈھیلے وغیرہ پر اکتفاء کرنا کافی نہیں ہوتا، بلکہ پانی وغیرہ سے استنجاء کرنا ضروری ہوجاتا ہے، بشرطیکہ اس کی قدرت ہو۔ ۲

---

۱ ذهب الحنفية إلى أن خروج الدم بالحجامة ناقض من نواقض الوضوء .قال السرخسى: الحجامة توجب الوضوء وغسل موضع المحجمة عندنا، لأن الوضوء واجب بخروج النجس، فإن توضأ ولم يغسل موضع المحجمة، فإن كان أكثر من قدر الدرهم لم تجزه الصلاة، وإن كان دون ذلك أجزأته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص١٥، مادة ”حجامة“)

وفرق المالكية بين الدم -وما معه من قيح وصديد -وسائر النجاسات، فيقولون بالعفو عن قدر درهم من دم وقيح وصديد، والمراد بالدرهم الدرهم البغلى وهو الدائرة السوداء الكائنة فى ذراع البغل، قال الصاوى :إنما اختص العفو بالدم وما معه؛ لأن الإنسان لا يخلو عنه، فالاحتراز عن يسيره عسر دون غيره من النجاسات كالبول والغائط والمنى والمذى.

وذهب الشافعية إلى العفو عن اليسير من الدم والقيح وما يعسر الاحتراز عنه وتعم به البلوى، كدم القروح والدمامل والبراغيث وما لا يدركه الطرف، وما لا نفس له سائلة، وغير ذلك، والضابط فى اليسير والكثير العرف.

وأما الحنابلة فقد صرحوا بأنه لا يعفى عن يسير نجاسة ولو لم يدركها الطرف كالذى يعلق بأرجل ذباب ونحوه، وإنما يعفى عن يسير الدم وما يتولد منه من القيح والصديد إلا دم الحيوانات النجسة فلا يعفى عن يسير دمها كسائر فضلاتها، ولا يعفى عن الدماء التى تخرج من القبل والدبر؛ لأنها فى حكم البول أو الغائط.وظاهر مذهب أحمد أن اليسير ما لا يفحش فى القلب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٠، ص١٦٩، مادة ” عفو“)

۲ اور اکثر فقہائے کرام (یعنی حنابلہ، شافعیہ اور مالکیہ) کے نزدیک اگر پاخانہ اپنے مخرج سے بڑھ جائے، اور پیشاب حشفہ کو گھیر لے، اور حنفیہ کے نزدیک اگر پھیلاؤ میں ایک درہم (یا ہتھیلی کے گہراؤ) سے زیادہ تجاوز کر جائے، تو یہ مخرج سے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر کسی مریض کو اس نجاست کو خود سے دور کرنے کی قدرت نہ ہو، نہ ہی اس کی بیوی موجود ہو، جو یہ کام کر سکے، تو اس سے اس نجاست کو دور کرنا معاف ہو جاتا ہے، اور اس کو اسی حال میں وضو یا تیمّم کر کے نماز پڑھنا جائز ہو جاتا ہے، اور اسے کسی دوسرے کے سامنے شرمگاہ کھول کر استنجاء کرانا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ جائز بھی نہیں ہوتا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ متجاوِز ہونے میں داخل ہے، پھر اکثر فقہائے کرام کے نزدیک مخرج سے متجاوز ہونے والی مقدار کا (نہ کہ پوری مقدار کا) پانی سے ازالہ یا پانی وغیرہ سے استنجاء ضروری ہے، البتہ مالکیہ اور حنفیہ میں سے امام محمد کے نزدیک مخرج سمیت پوری مقدار کا پانی وغیرہ سے ازالہ ضروری ہے۔

المواضع التی لا یجزء فیھا الاستجمار:

أ -النجاسة الواردة علی المخرج من خارجه:

إن کان النجس طارئا علی المحل من خارج أجزأ فیه الاستجمار فی المشھور عند الحنفیة. وصرح الشافعیة والحنابلة بأن الحجر لا یجزء فیه، بل لا بد من غسله بالماء .وھو قول آخر للحنفیة .ومثله عند الشافعیة، ما لو طرأ علی المحل المتنجس بالخارج طاھر رطب، أو یختلط بالخارج کالتراب .ومثله ما لو استجمر بحجر مبتل، لأن بلل الحجر یتنجس بنجاسة المحل ثم ینجسه .وکذا لو انتقلت النجاسة عن المحل الذی أصابته عند الخروج، فلا بد عندھم من غسل المحل فی کل تلک الصور.

ب -ما انتشر من النجاسة وجاوز المخرج:

اتفقت المذاھب الأربعة علی أن الخارج إن جاوز المخرج وانتشر کثیرا لا یجزء فیه الاستجمار، بل لا بد من غسله .ووجه ذلک أن الاستجمار رخصة لعموم البلوی، فتختص بما تعم به البلوی، ویبقی الزائد علی الأصل فی إزالة النجاسة بالغسل.

لکنھم اختلفوا فی تحدید الکثیر، فذھب المالکیة والحنابلة والشافعیة إلی أن الکثیر من الغائط ھو ما جاوز المخرج، وانتھی إلی الألیة، والکثیر من البول ما عم الحشفة.

وانفرد المالکیة فی حال الکثرة بأنه یجب غسل الکل لا الزائد وحده.

وذھب الحنفیة إلی أن الکثیر ھو ما زاد عن قدر الدرھم، مع اقتصار الوجوب علی الزائد عند أبی حنیفة وأبی یوسف، خلافا لمحمد، حیث وافق المالکیة فی وجوب غسل الکل (الموسوعة الفقھیة الکویتیة، ج۴، ص ۱۲۱، مادة "استنجاء")

[1] کیونکہ پیشاب اور پاخانہ والے مقام کا دوسرے سے پردہ ضروری ہے، اس لئے اگر مریض کو خود سے استنجاء پر قدرت نہ ہو، تو اس کو دوسرے سے استنجاء کرانا ضروری نہیں، بلکہ شرمگاہ والے حصہ کو دیکھ کر یا چھو کر جائز بھی نہیں، مگر یہ کہ مریض کی بیوی میسر ہو، یا عورت ہو اور اس کا شوہر میسر ہو، جو یہ کام انجام دے سکے، تو پھر ان کو ایک دوسرے سے استنجاء کرانا جائز ہے، اور اگر دیکھے اور براہِ راست چھوئے بغیر کسی کپڑے وغیرہ سے کوئی دوسرا صاف کر دے، تو جائز ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مریض کو ناپاک کپڑے تبدیل کرنا مشکل ہو، تو کیا حکم ہے؟

جس مریض کے کپڑوں میں اتنی نجاست لگی ہوئی ہو، کہ جو معاف نہیں ہے، اور ان کپڑوں کو پاک کرنا یا بدلنا اس کے لئے ممکن نہ ہو، مثلاً کوئی حادثہ ہوگیا اور زخمی ہونے کی وجہ سے لباس یا جسم پر غیر معمولی خون لگ گیا، تو اگر کوئی دوسرا شخص موجود ہی نہ ہو تب تو ان ہی ناپاک کپڑوں میں نماز ادا کرلینا درست ہے۔

اور اگر کوئی دوسرا شخص موجود ہو جو مریض کے کپڑے تبدیل کرادے گا، تو ایسی صورت میں بہت سے فقہاء کے نزدیک دوسرے کی مدد سے پاک لباس بدل کر نماز پڑھنا ضروری ہے بشرطیکہ مریض کو لباس بدلنے میں غیر معمولی مشقت نہ ہوتی ہو اور نہ ہی دوسرے کے سامنے شرمگاہ کھولنا لازم آتا ہو، ورنہ ان ہی کپڑوں میں نماز پڑھنا درست ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وفی قول الشیخ الإمام الزاهد أبی حفص الکبیر رحمه الله :أنه سئل عن رجل شلت یده الیسری، ولا یقدر أن یستنجی بها کیف یستنجی؟ قال :إن لم یجد من یصب الماء علیه والماء فی الإناء لا یستنجی، وإن قدر علی الماء الجاری یستنجی بنفسه، وإن کانت یداه کلاهما قد شلتا ولا یستطیع الوضوء والتیمم، قال :یمسح یده علی الأرض یعنی ذراعیه مع المرفقین ویمسح وجهه علی الحائط ویجزیء ذلک عنه، ولا یدع الصلاة علی کل حال.

وفیه أیضا الرجل المریض إذا لم یکن له امرأة ولا أمة وله ابن أو أخ، وهو لا یقدر علی الوضوء ، قال :یوضئه ابنه أو أخوه غیر الطهور، فإنه لا یمس فرجه ویسقط عنه الاستنجاء ، وفرائض المرأة المریضة إذا لم یکن لها زوج ومن لا یقدر علی الوضوء ولها أخت، قال :توضئها الأخت إلا الطهور وسقط عنها الاستنجاء (المحیط البرهانی، ج ۱ ص ۴۴، ۴۵، کتاب الطهارة، الفصل الاول)

الرجل المریض إذا لم یکن له امرأة ولا أمة وله ابن أو أخ وهو لا یقدر علی الوضوء فإنه یوضئه ابنه أو أخوه غیر الاستنجاء فإنه لا یمس فرجه وسقط عنه الاستنجاء .کذا فی المحیط(الفتاویٰ الهندیة، ج ۱ ص ۴۹، ۵۰، کتاب الطهارة، الباب السابع، الفصل الثالث)

فی التتارخانیة :الرجل المریض إذا لم تکن له امرأة ولا أمة وله ابن أو أخ وهو لا یقدر علی الوضوء قال یوضئه ابنه أو أخوه غیر الاستنجاء ؛ فإنه لا یمس فرجه ویسقط عنه(ردالمحتار، ج ۱ ص ۳۴۱، کتاب الطهارة، فصل فی الاستنجاء)

[1] صلی علی حاله وکذا لو لم یتنجس إلا أنه یلحقه مشقة بتحریکه(الدر المختار مع ردالمحتار، ج ۲ ص ۱۰۳، کتاب الصلاة، باب سجود التلاوة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جسم پر ناپاکی لگی ہوئی حالت میں تلاوت وذکر کا حکم

اگر جسم پر کوئی ظاہری ناپاکی مثلاً پیشاب، پاخانہ، خون وغیرہ لگا ہوا ہے اور انسان پر غسل فرض نہیں ہے، تو اس حالت میں ذکر اذکار، دعا، تلاوت وغیرہ کرنا درست ہے مگر وضو نہ ہو، تو قرآن کو ہاتھ لگانا درست نہیں، اور اگر غسل فرض ہے تو قرآن مجید کی تلاوت کے علاوہ باقی ذکر واذکار جائز ہیں، اور کسی عذر کی وجہ سے جسم بے پردہ ہو تو تلاوت اور ذکر واذکار کی ممانعت نہیں، ہاں اگر کوئی بیت الخلاء میں ہو تو وہاں ذکر منع ہے۔

ریح خارج ہوتے رہنے والے مریض کا حکم

اگر کسی شخص کو مثلاً ریح خارج ہوتے رہنے یا پیشاب کے قطرے آتے رہنے کا عذر ہے (جو اس کے اختیار میں نہیں ہے)

تو حنفیہ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ اگر اُس پر کم از کم کسی بھی ایک نماز کا شروع ہونے کے بعد ختم

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(وإن سال على ثوبه) فوق الدرهم (جاز له أن لا يغسله إن كان لو غسله تنجس قبل الفراغ منها) أي :الصلاة (وإلا) يتنجس قبل فراغه (فلا) يجوز ترك غسله، هو المختار للفتوى،وكذا مريض لا يبسط ثوبه إلا تنجس فورا له تركه(الدر المختار)

(قوله :وكذا مريض إلخ) في الخلاصة مريض مجروح تحته ثياب نجسة، إن كان بحال لا يبسط تحته شيء إلا تنجس من ساعته له أن يصلي على حاله، وكذا لو لم يتنجس الثاني إلا أنه يزداد مرضه له أن يصلي فيه بحر من باب صلاة المريض(ردالمحتار ج ا ص۳۰۷،كتاب الطهارة، باب الحيض، مطلب في احكام المعذور)

وإذا كان المريض على فراش نجس إن كان لا يجد فراشا طاهرا، أو يجده لكن لا يجد أحدا يحوله إلى فراش طاهر، يصلي على الفراش النجس، وإن كان يجد أحدا يحوله، ينبغي أن يأمره بذلك، فإن لم يأمره، وصلى على الفراش النجس لا تجوز صلاته.

وإن كانت تحته ثياب نجسة، وكان بحال لا يبسط شيء إلا ويتنجس من ساعته يصلي على حاله، وكذا إذا لم يتنجس الثاني لكن تلحقه زيادة مشقة بالتحويل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۶، ص ۳۵۷، مادة "مرض")

www.idaraghufran.org

ہونے تک مکمل اور پورا وقت (مثلاً فجر کا پورا وقت، یا ظہر کا پورا وقت، یا عصر کا پورا وقت، یا مغرب کا پورا وقت، یا عشاء کا پورا وقت) اس حالت میں گزر جائے کہ اُس کو وضو کے فرائض ادا کر کے اُس وقت کی نماز کے فرائض وواجبات ادا کرنے کا وقت نہ ملے اور مسلسل وہ عذر جاری رہے، تو ایسا شخص معذور کہلاتا ہے؛ جس کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرلیا کرے اور دوسری نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے پہلے اس وضو سے فرض ادا، قضا اور سنت ونفل سب نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

اور اس کا اُس عذر کی وجہ سے ایک نماز کے وقت کے اندر وضو نہیں ٹوٹے گا، البتہ اگر اس عذر کے علاوہ (جس کی وجہ سے وہ معذور بنا ہے) کوئی اور وضو توڑنے والی چیز پائی جائے تو اُس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

ایک مرتبہ معذور بننے کے بعد جب تک ایک نماز کے مکمل وقت میں ایک مرتبہ بھی یہ عذر پایا جاتا رہے گا، وہ شخص معذور رہے گا، اور جب کسی ایک نماز کا مکمل وقت اس حال میں گزر جائے گا کہ اُس کو اُس پورے وقت میں ایک مرتبہ بھی وہ عذر پیش نہیں آیا تو وہ شخص معذور ہونے کے حکم سے نکل جائے گا، اور اُس کے بعد دوبارہ معذور کا حکم حاصل کرنے کے لیے پہلے مسئلے کی تفصیل کے مطابق اُس عذر کا پایا جانا ضروری ہوگا۔ [1]

---

[1] الوضوء والصلاة ممن به سلس:

السلس: حدث دائم، صاحبه معذور، فيعامل فى وضوئه وعبادته معاملة خاصة تختلف عن معاملة غيره من الأصحاء ، فقد ذكر الحنفية أن المستحاضة، ومن به سلس البول، أو استطلاق البطن، أو انفلات الريح، أو رعاف دائم، أو جرح لا يرقأ، يتوضئون لوقت كل صلاة؛ لقول النبى صلى الله عليه وسلم :المستحاضة تتوضأ لوقت كل صلاة .

ويقاس عليها غيرها من أصحاب الأعذار، ويصلون بذلك الوضوء فى الوقت ما شاء وا من الفرائض والنوافل، وإن توضأ على السيلان وصلى على الانقطاع، وتم الانقطاع باستيعاب الوقت الثانى أعاد، وكذا إذا انقطع فى خلال الصلاة وتم الانقطاع.

ويبطل الوضوء عند خروج وقت المفروضة بالحدث السابق، وهو الصحيح وهو قول أبى حنيفة. وقال زفر :يبطل بدخول الوقت، وقال أبو يوسف ومحمد :يبطل بهما.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور مالکیہ کا کہنا یہ ہے کہ اگر کسی کو پیشاب کے قطرے یا ریح کے خروج کا مرض ہو، اور وہ نماز کے پورے وقت یا نماز کے اکثر وقت یا آدھے وقت تک جاری رہے، اور اس کو اس کے ازالہ کی قدرت بھی نہ ہو، تو اس کا وضو نہیں ٹوٹتا، اور اگر نماز کا اکثر وقت اس عذر سے خالی ہو، تو پھر وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ۱

اور شافعیہ وحنابلہ کا قول اس سے مختلف ہے۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ويبقى الوضوء ما دام الوقت باقيا بشرطين- :
أن يتوضأ لعذره وأن لا يطرأ عليه حدث آخر كخروج ريح أو سيلان دم من موضع آخر(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵ ص۱۸۸، مادة "سلس")

۱ وذهب المالكية إلى أن السلس إن فارق أكثر الزمان ولازم أقله فإنه ينقض الوضوء ، فإن لازم النصف -وأولى الجل -أو الكل فلا ينقض، هذا إذا لم يقدر على رفعه، فإن قدر على رفعه فإنه ينقض مطلقا كسلس مذى لطول عزوبة أو مرض يخرج من غير تذكر أو تفكر أمكنه رفعه بتداو أو صوم أو تزوج، ويغتفر له زمن التداوى والتزوج، وندب الوضوء عندهم إن لازم السلس أكثر الزمن وأولى نصفه، لا إن عمه فلا يندب، ومحل الندب فى ملازمة الأكثر إن لم يشق، لا إن شق الوضوء ببرد ونحوه فلا يندب، وقد تردد متأخرو المالكية فى اعتبار الملازمة من دوام وكثرة ومساواة وقلة فى وقت الصلاة خاصة وهو من الزوال إلى طلوع الشمس من اليوم الثانى، أو اعتبارها مطلقا لا بقيد وقت الصلاة فيعتبر حتى من الطلوع إلى الزوال، وفى قول العراقيين من المالكية لا ينقض السلس مطلقا غير أنه يندب الوضوء منه، وإن لم يلازم كل الزمان فلا يندب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵ ص۱۸۸، مادة "سلس")

۲ وذكر الشافعية ستة شروط يختص بها من به حدث دائم كسلس واستحاضة وهى :الشد، والعصب، والوضوء لكل فريضة بعد دخول الوقت على الصحيح كما فى الروضة، وتجزء قبله على وجه شاذ، وتجديد العصابة لكل فريضة، ونية الاستباحة على المذهب والمبادرة إلى الصلاة فى الأصح.

فلو أخر لمصلحة الصلاة كستر العورة والأذان والإقامة وانتظار الجماعة والاجتهاد فى قبلته والذهاب إلى مسجد وتحصيل السترة، لم يضر لأنه لا يعد بذلك مقصرا، ويتوضأ لكل فرض ولو منذورا كالمتيمم؛ لبقاء الحدث لقول النبى صلى الله عليه وسلم لفاطمة بنت أبى حبيش :توضئى لكل صلاة ويصلى به ما شاء من النوافل فقط، وصلاة الجنازة لها حكم النافلة، ولو زال العذر وقتا يسع الوضوء والصلاة كانقطاع الدم مثلا وجب الوضوء وإزالة ما على الفرج من الدم ونحوه.

ومن أصابه سلس منى يلزمه الغسل لكل فرض، ولو استمسك الحدث بالجلوس فى الصلاة وجب بلا إعادة، وينوى المعذور استباحة الصلاة لا رفع الحدث لأنه دائم الحدث لا يرفعه وضوء ه وإنما يبيح له العبادة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

وضو ہونے نہ ہونے میں شک کا حکم

اگر کسی کو اپنا وضو ہونے نہ ہونے میں شک ہو، تو اس سلسلہ میں فقہائے کرام نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ اگر وضو کرنے کا تو یقین ہے، لیکن وضو کرنے کے بعد وضو ٹوٹنے میں شک ہے، تو اس کو باوضو قرار دیا جائے گا۔

اور اگر اس کے برعکس اس کو وضو نہ ہونے کا یقین ہے، لیکن اس کے بعد وضو کرنے میں شک ہے، تو اس صورت میں اس کو بے وضو قرار دیا جائے گا۔

کیونکہ یقین کا درجہ شک سے زیادہ اور مضبوط ہوتا ہے۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والحنابلة فى هذا كله كالشافعية إلا فى مسألة الوضوء لكل فرض، فإنهم ذهبوا إلى أن صاحب الحدث الدائم يتوضأ لكل وقت، ويصلى به ما شاء من الفرائض والنوافل كما ذكر الحنفية، والفقهاء سوى المالكية متفقون على وجوب تجديد الوضوء للمعذور، وقال المالكية باستحبابه كما سبق، والوضوء يكون بعد دخول الوقت عند الشافعية والحنابلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵ ص ۱۸۹، مادة "سلس")

[1] والشاک فى الحدث على وضوئه وفى الوضوء على حدثه (الفتاوىٰ البزازية، ج ۱، ص ۲، كتاب الطهارة)

الشک فى الطهارة: أجمع الفقهاء على أن من تيقن الحدث وشک فى الطهارة يجب عليه الوضوء، وإعادة الصلاة إن صلى لأن الذمة مشغولة فلا تبرأ إلا بيقين، فإن تيقن الطهارة وشک فى الحدث فلا وضوء عليه عند جمهور الفقهاء لأن الوضوء لا ينقض بالشک عندهم لحديث عبد الله بن زيد قال: شكى إلى النبى صلى الله عليه وسلم الرجل يخيل إليه أنه يجد الشىء فى الصلاة؟ فقال -صلى الله عليه وسلم :- لا ينصرف حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا

وقال المالكية -فى المشهور من المذهب :- من تيقن الطهارة ثم شک فى الحدث فعليه الوضوء وجوبا -وقيل: استحبابا- لما تقرر من أن الشک فى أحد المتقابلين يوجب الشک فى الآخر، إلا أن يكون مستنكحا، وعلى هذا يحمل الحديث .

وذكر الفقهاء فى هذا الباب أيضا أن من تيقن الطهارة والحدث معا وشک فى السابق منهما فعليه أن يعمل بضد ما قبلهما :فإن كان قبل ذلک محدثا فهو الآن متطهر؛ لأنه تيقن الطهارة بعد ذلک الحدث وشک فى انتقاضها، حيث لا يدرى هل الحدث الثانى قبلها أو بعدها؟ ، وإن كان متطهرا وكان يعتاد التجديد فهو الآن محدث لأنه متيقن حدثا بعد تلک الطهارة وشک فى زواله حيث لا يدرى هل الطهارة الثانية متأخرة عنه أم لا؟ . ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

اور اگر کوئی شخص یہ تو جانتا ہے کہ وہ وضو کرنے کے لئے بیٹھا تھا، اور اس کے پاس وضو کا پانی بھی تھا، لیکن اسے یہ شک ہو گیا کہ اس نے وضو کیا تھا یا نہیں کیا تھا، اور وہ وضو کیے بغیر اُٹھ گیا تھا؟ تو ایسی صورت میں اس کا وضو کرنا قرار دیا جائے گا، اور اس کو دوبارہ وضو کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، تا آنکہ یہ وضو نہ ٹوٹ جائے، کیونکہ وضو کے لئے بیٹھنے کے بعد ظاہر یہی ہے کہ انسان وضو کر کے ہی اٹھا کرتا ہے۔ [1]

وضو ٹوٹنے میں شک پیدا ہونے کا حکم

وضو کرنے کے بعد اگر ریح وغیرہ خارج ہونے کا وہم اور وسوسہ آئے یا شک پیدا ہو، تو اس کا اعتبار نہیں ہوتا، لہٰذا ریح خارج ہونے یا پیشاب کا قطرہ برآمد ہونے کے شک، وسوسہ، وہم کی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال ابن عبد البر: مذهب الثورى وأبى حنيفة وأصحابه والأوزاعى والشافعى ومن سلك سبيله البناء على الأصل حدثا كان أو طهارة، وهو قول أحمد بن حنبل، وإسحاق وأبى ثور والطبرى، وقال مالك: إن عرض له ذلك كثيرا فهو على وضوئه، وأجمع العلماء أن من أيقن بالحدث وشك فى الوضوء فإن شكه لا يفيد فائدة وأن عليه الوضوء فرضا وهذا يدل على أن الشك عندهم ملغى، وأن العمل عندهم على اليقين، وهذا أصل كبير فى الفقه فتدبره وقف عليه.

ومن هذا القبيل ما جاء عن الفقهاء من أن المرأة إذا رأت دم الحيض ولم تدر وقت حصوله فإن حكمها حكم من رأى منيا فى ثوبه ولم يعلم وقت حصوله، أى عليها أن تغتسل وتعيد الصلاة من آخر نومة، وهذا أقل الأقوال تعقيدا وأكثرها وضوحا. وضابطه ما قاله ابن قدامة من أن حكم الحيض المشكوك فيه كحكم الحيض المتيقن فى ترك العبادات والمراد بالشك -فى هذا الموضع- مطلق التردد -كما سبق فى مفهومه عند الفقهاء سواء أكان على السواء أم كان أحد طرفيه أرجح (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۶ ص۱۹۲، ۱۹۳، مادة "شک")

[1] وكذلك المحدث إذا علم أنه جلس للوضوء، ومعه الماء، وشك فى أنه توضأ، أو قام قبل أن يتوضأ، فلا وضوء عليه لأن الظاهر أنه لا يقوم ما لم يتوضأ (بدائع الصنائع، ج۱، ص۳۳، كتاب الطهارة، فصل بيان ما ينقض الوضوء)

لو جلس للوضوء ومعه ماء ثم قام وشك أنه قام قبل التوضى أوبعده لا يتوضأ لأن أخذ الماء والجلوس دليل الوضوء غالباً (الفتاوىٰ البزازية، ج۱، ص۶، كتاب الطهارة)

وكذا من علم أنه قعد للوضوء وشك هل توضأ أم لا فهو على وضوء (منية المصلى، ج۱، ص۸۴، كتاب الطهارة)

www.idaraghufran.org

وجہ سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ میرا وضو ٹوٹ گیا اور نماز جاتی رہی، لہٰذا پھر سے وضو کر کے آؤں اور دوبارہ نماز شروع کروں۔

اور جو حکم ریح خارج ہونے اور پیشاب کا قطرہ برآمد ہونے میں شک اور وسوسہ کا ہے، وہی حکم ان چیزوں کا بھی ہے، جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، مثلاً پاخانہ یا ودی یا مذی خارج ہونے کا شک یا وہم ہو، کہ ان چیزوں کے شک اور وہم کا بھی اعتبار نہیں کیا جائے گا، تا آنکہ یقین نہ ہو۔ [1]

ناپاک جگہ میں محبوس کو نماز کا حکم

اگر کوئی شخص ناپاک جگہ میں محبوس ہو، جہاں قیام اور سجدہ کے لئے پاک جگہ میسر نہ ہو، اور اس جگہ کو پاک کرنے کا انتظام نہ ہو، تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس کو اسی حال میں نماز پڑھنا ضروری ہے۔

پھر اگر وہ ناپاک جگہ گیلی ہو، تو کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھنی چاہئے، اور اگر وہ جگہ خشک ہو، تو باقاعدہ سجدہ کر کے نماز پڑھنی چاہئے۔ [2]

---

[1] ذهب جمهور الفقهاء الحنفية والشافعية والحنابلة إلى أن الشك لا الوضوء . فلو أيقن بالطهارة (أى علم سبقها) وشك فى عروض الحدث بعدها فهو على الطهارة، ومن أيقن بالحدث وشك فى الطهارة فهو على الحدث، لأن اليقين لا يزول بالشك، والأصل فى ذلك ما ورد عن النبى صلى الله عليه وسلم قال : إذا وجد أحدكم فى بطنه شيئا فأشكل عليه أخرج منه شىء أم لم يخرج فلا يخرجن من المسجد حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص ١٢٢، مادة "حدث")

[2] حنفیہ کے نزدیک مندرجہ بالا صورت میں نماز درست نہیں ہوتی، البتہ اس کو نماز کے وقت کے احترام کی بناء پر ''تشبہ بالمصلین'' کا حکم ہے، پھر بعض مشائخ حنفیہ نے فرمایا کہ اگر وہ ناپاک جگہ خشک ہو، تو باقاعدہ سجدہ وقعدہ کرے گا، اور اگر وہ ناپاک جگہ خشک نہ ہو، تو اشارہ سے سجدہ کرے گا، اور بعد میں پاک جگہ میسر آنے پر اس نماز کے اعادہ کا حکم ہوگا۔

اور ''تشبہ بالمصلین'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ صرف نماز کی صورت اختیار کرے گا، اور باقاعدہ نماز ادا کرنے کی نیت نہیں کرے گا، اور باقاعدہ نماز کی قرائت اور رکوع وسجدے اور دیگر اذکار کی ادائیگی کی بھی نیت نہیں کرے گا۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس کو وضو اور تیمّم کی قدرت نہ ہو، اس کی نماز کا حکم

جس شخص کو وضو یا غسل کے لئے نہ تو پانی میسر ہو، اور نہ ہی تیمّم کے لئے پاک مٹی میسر ہو (البتہ نماز پڑھنے کے لئے پاک لکڑی، کپڑا وغیر بچھانے کا میسر ہو) تو اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اس کو اسی حال میں بغیر وضو اور تیمّم کے نماز پڑھنا ضروری ہے، لیکن حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس کو بعد میں پاکی حاصل کر کے اس نماز کا اعادہ کرنا ضروری ہے، اور حنابلہ کے نزدیک اعادہ کرنا ضروری نہیں، بلکہ اسی حالت میں پڑھی گئی نماز کافی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور حنابلہ کے نزدیک ایسے شخص کو اسی حال میں حسبِ قدرت نماز پڑھنا درست ہوجاتا ہے، جس کو بعد میں اعادہ کا حکم نہیں ہوتا۔

اور شافعیہ کے نزدیک اس وقت صرف فرض پڑھ کر بعد میں اعادہ کا حکم ہوتا ہے، اور مالکیہ کے نزدیک اس حال میں نماز معاف ہوجاتی ہے، جیسا کہ اگلے مسئلہ کے ذیل میں آتا ہے۔

وكذا المحبوس بمكان نجس، والأصح أنه لا يسجد ولا يجلس، بل ينحنى للسجود إلى القدر الذى لو زاد عليه لاقى النجاسة.

ولو كان فى موضع نجس ومعه ثوب، فهل يبسطه ويصلى عريانا أو يصلى فيه أو يتخير بينهما؟ فيه الأوجه الثلاثة، ولو لم يجد إلا ثوب حرير، فالأصح أنه تجب الصلاة فيه .ولو اجتمع عراة فهل يستحب أن يصلوا فرادى أو جماعة أو يتخيروا أو هما سواء ؟ فيه ثلاثة أوجه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۸ ص ۲۲، مادة "حق")

وذهب الحنفية إلى أنه يتشبه بالمصلين احتراما للوقت، فيركع ويسجد إن وجد مكانا يابسا، وإلا فيومء قائما، ويعيد الصلاة بعد ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴، ص ۳۰، مادة "قضاء الفوائت")

الحنفية :المفتى به عندهم ما قاله الصاحبان :وهو أن فاقد الطهورين يتشبه بالمصلين وجوبا، فيركع ويسجد، إن وجد مكانا يابسا، وألا يومء قائما، ولا يقرأ ولا ينوى، ويعيد الصلاة متى قدر على الماء أو التراب(الفقه الاسلامى وادلتهٗ، ج ۱ ص۶۰۷، الباب الاول، الفصل السادس، المطلب الثامن)

الحنابلة :يصلى فاقد الطهورين الفرض فقط، على حسب حاله وجوبا، لقوله صلى الله عليه وسلم - فيما رواه البخارى ومسلم عن أبى هريرة :-إذا أمرتكم بأمر فائتوا منه ما استطعتم ولأن العجز عن الشرط لا يوجب ترك المشروط، كما لو عجز عن السترة والاستقبال، أى كما قال الشافعية.

ولا إعادة عليه(ايضاً ص۶۰۸)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ مالکیہ کے معتمد قول کے مطابق مذکورہ حالت میں اس شخص پر نماز ہی معاف ہوجاتی ہے،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

"وقال أبو يوسف يتشبه بالإيماء "إقامة لحق الوقت وهذا هو الصحيح عنده لأنه لو سجد لصار مستعملا للنجاسة لعدم وجود الطاهر وقيل يركع ويسجد إن وجد مكانا يابسا أفاده فى الشرح والذى فى السيد نقلا عن التنوير وشرحه وقالا يتشبه بالمصلين وجوبا فيركع ويسجد إن وجد مكانا يابسا وإلا يومىء قائما ثم يعيد به يفتى وإليه صح رجوع الإمام ثم قال ومعنى التشبه بالمصلين أن لا يقصد بالقيام الصلاة ولا يقرأ شيئا وإذا حنى ظهره لا يقصد الركوع ولا السجود ولا يسبح اهـ وتحصل منه أن التشبه متفق عليه وإنه بالركوع والسجود لا بالإيماء على ما عليه الفتوى (حاشية الطحطاوى على المراقى، ص۱۱۷، كتاب الطهارة، باب التيمم)

وفاقد الطهورين فى المصر بأن حبس فى مكان نجس ولم يجد مكانا طاهرا ولا ماء طاهرا ولا ترابا طاهرا لا يصلى حتى يجد أحدهما وقال أبو يوسف يصلى بالإيماء تشبها بالمصلين قال بعضهم : إنما يصلى بالإيماء على قوله إذا لم يكن الموضع يابسا أما إذا كان يابسا يصلى بركوع وسجود ومحمد فى بعض الروايات مع أبى حنيفة(البحر الرائق، ج ۱ ص ۱۷۲، كتاب الطهارة، باب التيمم)

وفى "البدائع :"المحبوس فى المصر عنده تراب طاهر يصلى يتيمم ويعيد .وروى الحسن عن أبى حنيفة أنه لا يصلى، وهو قول زفر، وعن أبى يوسف :يصلى ولا يعيد كالمريض والمحبوس، وإذا لم يجد ماء ، ولا تراباً نظيفاً فإنه لا يصلى عند أبى حنيفة، وعامة الروايات عن محمد.

وقال أصبغ من المالكية :لا يصلى وإن خرج الوقت إلا بوضوء أو تيمم .وقال أبو يوسف :يصلى بالماء ويعيد، وبه قال محمد فى رواية أبى سليمان .وقال بعض المشايخ :إنما يصلى بالإيماء إذا كان المكان رطباً، وإن كان يابساً يصلى بالركوع والسجود، والصحيح عنه أنه يؤدى كيف ما كان (البناية شرح الهداية، ج ۱ ص ۵۲۰، كتاب الطهارة، باب التيمم)

(وأما) المحبوس فى مكان نجس لا يجد ماء ولا ترابا نظيفا فإنه لا يصلى عند أبى حنيفة وقال أبو يوسف :يصلى بالإيماء ثم يعيد إذا خرج، وهو قول الشافعى وقول محمد مضطرب، وذكر فى عامة الروايات مع أبى حنيفة وفى نوادر أبى سليمان مع أبى يوسف.

وجه قول أبى يوسف أنه إن عجز عن حقيقة الأداء فلم يعجز عن التشبه فيؤمر بالتشبه كما فى باب الصوم وقال بعض مشايخنا إنما يصلى بالإيماء على مذهبه إذا كان المكان رطبا، أما إذا كان يابسا فإنه يصلى بركوع، وسجود، والصحيح عنده أنه يومء كيفما كان؛ لأنه لو سجد لصار مستعملا للنجاسة، ولأبى حنيفة أن الطهارة شرط أهلية أداء الصلاة، فإن الله تعالى جعل أهل مناجاته الطاهر لا المحدث، والتشبه إنما يصح من الأهل.

ألا ترى أن الحائض لا يلزمها التشبه فى باب الصوم، والصلاة لانعدام الأهلية، بخلاف المسألة المتقدمة؛ لأن هناك حصلت الطهارة من وجه فكان أهلا من وجه فيؤدى الصلاة ثم يقضيها احتياطا (بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۵۰، كتاب الطهارة، فصل فى شرائط ركن التيمم)

www.idaraghufran.org

جس کو بعد میں ادا کرنا بھی ضروری نہیں ہوتا۔ [1]

پانی کے پاک ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں

پانی کے اندر اصل پاک ہونا ہے، اور پانی بغیر دلیل کے پاک قرار دیا جاتا ہے، اور پانی کے پاک ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

لہٰذا پانی جو بھی ہو، خواہ وہ زیادہ ہو یا تھوڑا، اس کو اپنی اصل پر سمجھتے ہوئے پاک قرار دیا جائے

---

[1] البتہ شافعیہ کے نزدیک ''فاقد الطہورین'' کو صرف فرض پڑھنے کا حکم ہے۔
پھر حنفیہ کے نزدیک فاقد الطہورین کو وقت کے احترام کی بناء پر صرف ''تشبہ بالمصلین'' کا حکم ہے، اسی وجہ سے ان کے نزدیک بعد میں اس نماز کے اعادہ کا حکم ہے، جس کی تفصیل اس سے پہلے مسئلہ کے ضمن میں حواشی میں گزر چکی۔

ذهب جمهور الفقهاء إلى أن الصلاة لا تسقط عن فاقد الطهورين، وهو من لم يجد ماء يتطهر به ولا ترابا يتيمم به فتجب عليه الصلاة بلا طهور .ولا تسقط عنه، وتجب الإعادة عند الحنفية والشافعية، وذهب الحنابلة إلى أن إعادتها غير واجبة عليه، وذهب المالكية إلى سقوط الصلاة عنه أداء وقضاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵ ص۸۲، مادة" سقوط")

الطهوران هما :الماء والصعيد، واختلف الفقهاء فى حكم فاقدهما، فذهب الجمهور -الحنفية والشافعية والحنابلة وبعض المالكية -إلى وجوب أداء الفرض عليه فقط .وذهب المالكية إلى سقوط الصلاة على فاقد الطهورين(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷ص۱۲۷، مادة" صلاة")

فاقد الطهورين هو الذى لم يجد ماء ولا صعيدا يتيمم به، كأن حبس فى مكان ليس فيه واحد منهما، أو فى موضع نجس ليس فيه ما يتيمم به، وكان محتاجا للماء الذى معه لعطش، وكالمصلوب وراكب سفينة لا يصل إلى الماء ، وكمن لا يستطيع الوضوء ولا التيمم لمرض ونحوه.

فذهب جمهور العلماء إلى أن صلاة فاقد الطهورين واجبة لحرمة الوقت ولا تسقط عنه مع وجوب إعادتها عند الحنفية والشافعية، ولا تجب إعادتها عند الحنابلة، أما عند المالكية فإن الصلاة عنه ساقطة على المعتمد من المذهب أداء وقضاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۴ ص۲۷۳، مادة "تيمم")

وأما فاقد الطهورين، فقد قال المالكية :لا تجب الصلاة على فاقد الطهورين أو القدرة على استعمالهما كالمكره والمربوط، ولا يقضيها على المشهور إن تمكن بعد خروج الوقت .

ويرى الشافعية أنه يجب على فاقد الطهورين أن يصلى الفرض فقط.

وذهب الحنفية إلى أنه يتشبه بالمصلين احتراما للوقت، فيركع ويسجد إن وجد مكانا يابسا، وإلا فيومء قائما، ويعيد الصلاة بعد ذلك (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۴، ص ۳۰، مادة "قضاء الفوائت")

www.idaraghufran.org

گا، یہاں تک کہ اگر کوئی پانی ایسا ہو کہ اس کے ذائقہ، رنگ یا بو میں کچھ تغیر نظر آ رہا ہو، لیکن یہ طے نہ ہو کہ وہ تغیر ناپاکی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، تب بھی اس کو پاک قرار دیا جائے گا، اور اس میں شک کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ل

اور اگر کسی نامعلوم جگہ پانی نظر آئے، خواہ چلتا اور بہتا ہوا ہو، یا ٹھہرا ہوا ہو، اور خواہ زیادہ مقدار میں ہو، یا تھوڑی مقدار میں ہو، لیکن اس کے پاک وناپاک ہونے کا علم نہ ہو، تو اس پانی کو بھی پاک قرار دیا جائے گا، اور اس سے وضو وغیرہ کرنا جائز ہوگا، کیونکہ پانی کے اندر اصل پاک ہونا ہے۔

اور اسی طرح اگر کسی جگہ برتن یا ٹنکی وحمام وغیرہ میں پانی موجود ہو، جس سے دوسرے لوگ بھی پانی پیتے اور لیتے ہوں، تو اس کو بھی پاک قرار دیا جائے گا۔ ۲

ل شک طرأ على أصل مباح كما لو وجد المسلم ماء متغيرا فله أن يتطهر منه مع احتمال أن يكون تغير بنجاسة، أو طول مكث، أو كثرة ورود السباع عليه ونحو ذلك استنادا إلى أن الأصل طهارة المياه .مع العلم أن الله تعالى لم يكلف المؤمنين تجشم البحث للكشف عن طهارته أو نجاسته تيسيرا عليهم، حيث ورد فى الأثر أن عمر بن الخطاب -رضى الله تعالى عنه -خرج فى ركب فيهم عمرو بن العاص -رضى الله عنه -حتى وردوا حوضا فقال عمرو بن العاص لصاحب الحوض :يا صاحب الحوض هل ترد حوضك السباع؟ فقال عمر :يا صاحب الحوض لا تخبرنا، فإنا نرد على السباع، وترد علينا .

وفيه أيضا :أن عمر بن الخطاب نفسه كان مارا مع صاحب له فسقط عليهما شىء من ميزاب، فقال صاحبه :يا صاحب الميزاب ماؤك طاهر أو نجس؟ فقال عمر :يا صاحب الميزاب لا تخبرنا، ومضى (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٦ص ١٨٦، ١٨٧، مادة " شک ")

۲ مندرجہ بالا حکم اس وقت ہے، جبکہ ہاتھ ڈالنے والوں کے بارے میں ان کے ہاتھوں کی نجاستِ حقیقہ سے پاک یا ناپاک ہونے کا کچھ علم نہ ہو، اور اگر ناپاک ہونے کا علم ہو، تو پھر ماءِ کثیر اور جاری ہونے کی صورت میں ناپاک ہونے کا حکم نہ ہوگا، اور ماءِ قلیل (مثلاً دو قلوں سے کم) کی صورت میں ناپاک ہونے کا حکم ہوگا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

لو وجد ماء قليلا ولم يتيقن بوقوع النجاسة فيه) فإنه (يتوضأبه) أى بذلک الماء القليل (ويغتسل ولا يتيمم) لأن الأصل الطهارة وكان متيقنا فلا يزول بالشک (وكذا إذا دخل الحمام وفى حوض الحمام ماء قليل ولم يتيقن بوقوع النجاسة) فيه فإنه (يتوضأ به ويغتسل ولا ينتظر إلى الماء الجارى) ولا يترک ذلک الماء لأجل توهم وقوع النجاسة فيه لأن الأصل الطهارة (وكذا إذا لقى فى الماء الجارى) الذى ذهب بتبنة (شىء نجس كالجيفة والخمر) والبول والعذرة (لا يتنجس)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور اسی طرح اگر کوئی شخص پانی میں ہاتھ ڈال دے، یا کوئی سو کر اٹھنے کے بعد ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ ڈال دے، اور ہاتھ کے پاک اور ناپاک ہونے کا علم نہ ہو، تو اس سے وہ پانی ناپاک نہیں ہوگا، اور پاک ہی سمجھا جائے گا، کیونکہ اشیاء کے اندر اصل پاک ہونا ہے، جس میں پانی کے علاوہ ہاتھ بھی داخل ہے۔ [1]

اگر کسی پانی کے بارے میں ایک طرح کے دو معتبر آدمی مختلف خبریں دیں، ایک اس کو ناپاک کہے، اور دوسرا پاک کہے، تو اس کو اصل کی وجہ سے ترجیح حاصل ہونے کی بناء پر پاک قرار دیا جائے گا۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الماء (ما لم يتغير لونه أو طعمه أو ريحه) لأنها لا تستقر مع جريان الماء (منية المصلى، ج ا، ص ۵۲، وص ۵۳، كتاب الطهارة، فصل فى بيان أحكام المياه)

ذهب الحنفية والحنابلة إلى أنه يجزء الغسل والوضوء بماء الحمام، ويجعل بمنزلة الماء الجارى، لأن الأصل الطهارة فلا تزول بالشك.

وصرح الحنفية بأن من أدخل يده فى حوض الحمام وعليها نجاسة، فإن كان الماء ساكنا لا يدخل فيه شىء من الأنبوب، ولا يغترف الناس بالقصعة، يتنجس ماء الحوض، وإن كانوا يغترفون من الحوض بقصاعهم، ولا يدخل من الأنبوب ماء أو على العكس اختلفوا فيه، وأكثرهم على أنه ينجس ماء الحوض.

وإن كان الناس يغترفون بقصاعهم، ويدخل الماء من الأنبوب، اختلفوا فيه :وأكثرهم على أنه لا ينجس .وأما الماء الذى صب على وجه الحمام (أى أرضه) فالأصح أن ذلك الماء طاهر ما لم يعلم أن فيه خبثا، حتى لو خرج إنسان من الحمام وقد أدخل رجليه فى ذلك الماء، ولم يغسلهما بعد الخروج وصلى جاز.

وإذا تنجس حوض الحمام فدخل فيه الماء فقد صرح الحنفية أنه لا يطهر ما لم يخرج منه مثل ما كان فيه ثلاث مرات، وقال بعضهم :إذا خرج منه مثل ما كان فيه مرة واحدة يطهر، لغلبة الماء الجارى عليه، والأول أحوط (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۸، ص ۱۵۹، مادة "حمام")

[1] الماء الذى أدخل فيه يده إذا استيقظ من نومه قبل أن يغسلها طاهر يتوضأ منه؛ لأن يده محمولة على الطهارة حتى يوقن بنجاستها على الأصل، فى أن الشك لا يؤثر فى اليقين، وإن كان الاختيار أن يغسلها للحديث(البيان والتحصيل لابن رشد القرطبى، ج ا ص ۱۳۰، كتاب الوضوء)

[2] أ -اختلاف المخبرين:ومن ذلك ما لو أخبره عدل بنجاسة الماء، وأخبره آخر بطهارته. فإن الأصل عند تعارض الخبرين وتساويهما تساقطهما، وحينئذ يعمل بالأصل وهو الطهارة، إذ الشىء متى شك فى حكمه رد إلى أصله، لأن اليقين لا يزول بالشك، والأصل فى الماء الطهارة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴، ص ۲۹۲، مادة،اشتباه)

آج کل بعض لوگ بیت الخلاء کے پانی، اوراس کے لوٹے، اورلوٹے میں موجود پانی کوناپاک سمجھتے ہیں، اورضرورت پڑنے پراس لوٹے سے وضووغیرہ کرنا ہرگز گوارانہیں کرتے، لیکن پیشاب پاخانہ سے فراغت پاکراس لوٹےاوراس کے پانی سے استنجاء گوارا کرلیتے ہیں۔

یہ طرزِ عمل درست نہیں، کیونکہ جس برتن یااس کے پانی سے استنجاء کی شکل میں پیشاب پاخانہ کی نجاست دورکرکے پاکی حاصل کی گئی، تواس کالازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ برتن اور پانی پاک تھا، اسی لئے تواس سے پاکی حاصل ہوئی، ورنہ اگروہ برتن یاپانی ناپاک ہوتا، تواس سے پاکی کیسے حاصل ہوتی۔

لہٰذا بیت الخلاء کا وہ لوٹا اوروہ پانی کہ جس سے استنجاء وطہارت کی جاتی ہے، وہ پاک شمار ہوتا ہے، اوراس سے جس طرح طہارت واستنجاء کرنا جائز ہے، وضوکرنا بھی جائز ہے، اوراگرکسی کی طبیعت ویسے ہی کراہیت کرے، مگراس سے وضوکرنے کو جائز سمجھے، اورضرورت کے وقت اس سے وضوبھی کرلیا کرے، تو پھر کوئی حرج نہیں۔

فقہائے کرام نے استنجاء کے بچے ہوئے پانی سے وضوکرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ [1]

---

[1] والثانية :أن يكون إناء الوضوء غير إناء الاستنجاء ، وهذا أيضا مستحب، فمن توضأ من الإناء الذى استنجى فيه جاز(شرح ابى داوٗد للعينى، ج ا ص ۱۴۵، ۱۴۶، كتاب الطهارة، باب :الرجل يدلک يده با لأرض إذا استنجى)

(ثم أتيته بإناء آخر، فتوضأ) : إتيانه بإناء آخر ليس لعدم جواز التوضؤ بالماء الباقى من الاستنجاء ، بل لعدم بقاء الماء الكافى (مرقاة المفاتيح، ج ا ص ۲۸۸ ، كتاب الطهارة،باب آداب الخلاء)

(فتوضأ) بالماء ، إتيانه بإناء آخر، ليس لأنه لا يجوز التوضىء بالماء الباقى من الإستنجاء ، أو بالإناء الذى استنجى به، بل لأنه لم يبق من الأول شىء ، أو بقى قليل غير كاف .وقال بعضهم :قد يؤخذ من هذا الحديث أنه يندب أن يكون إناء الاستنجاء غير إناء الوضوء (مرعاة المفاتيح، ج۲ ،ص ٦٦ ، كتاب الطهارة،باب آداب الخلاء)

وفيه أيضاً أن الإناء الذى توضأ منه غير الإناء الذى استنجى منه، ولعل السبب فى ذلک :أن الماء لم يكن كافياً فانتهى، أو أنه ما بقى منه إلا القليل الذى لا يكفى للوضوء فاتاه بماء آخر وتوضأ به، وهو لا يدل على أن الماء الذى يتوضأ به غير الماء الذى يستنجى به، فلا مانع من أن الإنسان يكون معه ماء فى وعاء يستنجى منه ثم يتوضأ بباقيه، لا بأس بذلک ولا مانع منه، والذى ورد فى الحديث لعل السبب فيه أنه إما انتهى الماء الأول الذى بالتور أو الركوة أو أنه بقى منه قليل لا يكفى، فأتاه أبو هريرة بإناء آخر فيه ماء فتوضأ به صلى الله عليه وسلم(شرح سنن أبى داود للعباد، ج۱۲ ، ص۸، الاستنجاء بالماء)

www.idaraghufran.org

اسی طرح آج کل بعض لوگ بیتُ الخلاء کے فرش پر موجود پانی کو ناپاک خیال کرتے ہیں، اور اگر چلتے پھرتے ہوئے اس کی چھینٹیں کپڑوں پر پڑ جائیں، تو کپڑوں کو ناپاک سمجھ بیٹھتے ہیں، اور بعض اوقات اس کی وجہ سے نماز بھی ترک کر دیتے ہیں۔

حالانکہ بیتُ الخلاء کے فرش پر جو پانی ہوتا ہے، اس کا ناپاک ہونا یقینی نہیں ہوتا، کیونکہ آج کل پیشاب، پاخانہ کے لئے (سیٹ یعنی ڈبلیوسی کی شکل میں) مخصوص ومتعین مقام ہوتا ہے، اور پیشاب وپاخانہ عموماً اسی مقام تک محدود ہوتا ہے، اور اوپر دائیں بائیں فرش پر جو پانی ہوتا ہے، وہ عام طور پر استنجاء کے لئے لوٹے وغیرہ میں پاک پانی لیتے ہوئے گرجانے والا پانی ہوتا ہے، جو کہ اپنی ذات میں ناپاک نہیں ہوتا، اس وجہ سے فرش پر اس طرح کے پانی کا ناپاک ہونا بھی ضروری نہیں، نیز بیت الخلاء کی زمین یا فرش پر اگر پیشاب پڑ جائے، تو وہ خشک ہونے سے پاک ہو جاتا ہے، اور دوبارہ گیلا ہونے پر ناپاک نہیں ہوتا، اور اس پانی سے بچنے کو احتیاط پر مبنی قرار دیا جاسکتا ہے، لہٰذا اس پانی سے بچنے کا اہتمام کرنا مناسب ہے، لیکن اگر یہ پانی لباس یا بدن پر لگ جائے، تو اس کو ناپاک قرار نہیں دیا جائے گا، البتہ پھر بھی اگر کوئی احتیاط کی وجہ سے اس جگہ کو دھولے، تو بہتر ہے، مگر اس کو دھونا ضروری نہیں۔ [1]

ماءِ کثیر اور اس کی ناپاکی کا حکم

پانی اپنی ذات میں پاک ہے، اور پاک پانی میں اگر کوئی دوسری پاک چیز شامل ہو جائے، مثلاً مٹی، جیسا کہ بارش کے پانی میں عموماً مٹی شامل ہو جایا کرتی ہے، یا گھاس پھوس، لکڑی وغیرہ، تو ان چیزوں کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

اور اسی طرح اگر بہتے یا چلتے ہوئے پانی میں اور اسی طرح کثیر (یعنی زیادہ مقدار والے) پانی میں کوئی ناپاک ونجس چیز شامل ہو جائے، تو اس سے بھی مذکورہ پانی ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ وہ

---

[1] وطين البالوعة إذا جف وذهب أثره (بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۸۵، کتاب الطهارة، فصل بيان ما يقع به التطهير)

ناپاک چیز خود پاک ہو جاتی ہے، کیونکہ پانی دوسری چیزوں کو بھی پاک کرنے والا ہے، البتہ اگر وہ ناپاکی اتنی مقدار میں ہو کہ اس چلتے یا زیادہ مقدار والے پانی کے اثر پر غلبہ حاصل کرلے، یعنی پانی کے ذائقہ میں اس نجس وناپاک چیز کا ذائقہ آجائے، یا اس نجس وناپاک چیز کا رنگ نمایاں طور پر پانی میں نظر آئے، یا پانی میں اس نجس وناپاک چیز کی بدبو آنے لگے، تو اس صورت میں نجاست وناپاکی کے غلبہ کی وجہ سے وہ پانی اپنی اصل پر باقی اور پاک نہیں رہتا، اور جب اس چلتے یا زیادہ پانی میں اس کا ذائقہ، رنگ، اور بدبو میں سے کوئی چیز بھی غالب نہ آئے، تو وہ پانی اپنی اصل پر باقی رہتا ہے، اور پاک سمجھا جاتا ہے۔ [1]

اب رہا یہ کہ ماءِ کثیر یعنی زیادہ پانی کتنی مقدار والا کہلاتا ہے؟ تو اس میں فقہائے کرام کے اقوال مختلف ہیں۔

بعض حضرات کے نزدیک صحیح حدیث کے پیشِ نظر جو پانی دو قُلّوں یا دو مٹکوں کی مقدار میں ہو، وہ کثیر اور زیادہ شمار ہوتا ہے، اور اس سے کم مقدار میں ہو، تو وہ قلیل وتھوڑا شمار ہوتا ہے۔

اور دو قلوں کی مقدار ناپ میں مکعب یعنی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی کے اعتبار سے سوا ذراع بنتی ہے، جو کہ پونے دو فٹ کے لگ بھگ ہوتی ہے، لہٰذا جو پانی پونے دو مکعب فٹ کے برتن یا

---

[1] تغير أوصاف الماء في الطهارة: أجمع العلماء على أن الماء الذي غيرت النجاسة طعمه أو لونه أو ريحه أو أكثر من واحد من هذه الأوصاف أنه لا يجوز الوضوء ولا التطهر به، كما أجمعوا على أن الماء الكثير المستبحر لا تضره النجاسة التي لم تغير أحد أوصافه الثلاثة.

كذلك أجمعوا على أن كل ما يغير الماء -مما لا ينفك عنه غالبا كالطين- أنه لا يسلبه صفة الطهارة أو التطهير، إلا خلافا شاذا روي عن ابن سيرين في الماء الآسن.

وأما الماء الذي خالطه زعفران أو غيره من الأشياء الطاهرة التي تنفك عنه غالبا متى غيرت أحد أوصافه الثلاثة، فإنه طاهر عند جميع العلماء .ولكنهم اختلفوا في طهوريته، فذهب جمهور الفقهاء إلى أنه غير مطهر؛ لأنه لا يتناوله اسم الماء المطلق، بل يضاف إلى الشيء الذي خالطه، فيقال مثلا: ماء زعفران.

وذهب الحنفية إلى أنه مطهر ما لم يكن التغير عن طبخ .أما المتغير بالطبخ مع شيء طاهر فقد أجمعوا على :أنه لا يجوز الوضوء ولا التطهر به (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۳، ص۷۱، مادة "تغيير")

ٹنکی میں سمائے، وہ دوقلوں کے برابر کہلاتا ہے، اور حدیث کی رو سے ماءِ کثیر شمار ہوتا ہے۔
اور ضرورت کے وقت اس قول پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے (تفصیل اور دلائل کے لئے ملاحظہ ہو، ہماری دوسری کتاب ''وساوس اور حقائق'') ۱؎

۱؎ عن ابن عمر، قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يسأل عن الماء يكون فى الفلاة من الأرض، وما ينوبه من السباع والدواب؟ قال :فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إذا كان الماء قلتين لم يحمل الخبث، قال محمد بن إسحاق :القلة هى الجرار، والقلة التى يستقى فيها، وهو قول الشافعي، وأحمد، وإسحاق، قالوا :إذا كان الماء قلتين لم ينجسه شيء ما لم يتغير ريحه أو طعمه، وقالوا :يكون نحوا من خمس قرب (سنن الترمذى، رقم الحديث ٦٧، ابواب الطهارة، باب ما جاء أن الماء لا ينجسه شيء ، باب منه)

فحملنا أحاديث تنجس الماء على القليل وأحاديث عدم التنجس على الكثير فاختلف العلماء فى حد الكثير فقال الشافعي واحمد الماء إذا بلغ القلتين (وهى خمسمائة رطل بالبغدادى وبالمساحة ذراع وربع ذراع طولا وعرضا وعمقا) فهو كثير لا يتنجس الا إذا تغير بالنجاسة طعمه او لونه او ريحه وما دونه قليل يتنجس .وقال ابو حنيفة ما لا يصل فيه النجاسة من جانب الى جانب اخر على اكبر رأى المبتلى به فكثير والا فقليل وقدّره بعض المتأخرين بعشر فى عشر وقيل خمسة عشر فى خمسة عشر وقيل اثنى عشر فى اثنى عشر وقيل ثمان فى ثمان وقيل سبع فى سبع بذراع الكرباس وهى سبع قبضات كل قبضة اربع أصابع والتقدير غير منقول عن ابى حنيفة ولا عن صاحبيه .وجه قول ابى حنيفة ان التقدير لم يرد من جهة الشارع وحديث القلتين ضعيف فيجب تفويضه الى رأى المبتلى به .واحتج الشافعي واحمد بحديث القلتين والحق انه حديث صحيح (التفسير المظهرى، ج٧، ص٣٣، سورة الفرقان، تحت رقم الآية ٤٨)

وقدر القلتين بالمساحة :ذراع وربع طولا وعرضا وعمقا(روضة الطالبين وعمدة المفتين للنووى، كتاب الطهارة،باب الماء الطاهر،فصل فى الماء الراكد)

المراد بالذراع هنا ذراع الآدمي، وأنه شبران تقريبا(الفتاوى الفقهية الكبرى،لأحمد بن محمد بن على بن حجر الهيتمى، ج ١،ص ٢٢،كتاب الطهارة)

القلتين خمس قرب، وهى خمسمائة رطل (المغنى لابن قدامة، ج٣، ص ٢١، فصل نصاب زكاة العسل)

(ومساحتهما) أى القلتين، أى :مساحة ما يسعهما (مربعا ذراع وربع طولا و) ذراع وربع (عرضا، و) ذراع وربع (عمقا) قاله ابن حمدان وغيره (بذراع اليد) . قال المتولى الشافعي :وذكر عن الشافعي أنه شبران، وهو تقريب، زاد غيره :والشبر ثلاث قبضات، والقبضة أربع أصابع، والأصبع : ست شعيرات بطون بعضها إلى بعض(مطالب أولى النهى ،لمصطفى بن سعد بن عبده الحنبلى،ج ١،ص ٤٥،كتاب الطهارة)

المذهب الثالث :وهو مذهب الشافعية والحنابلة، ويرون أن الماء إذا بلغ قلتين فهو كثير، وإلا فهو قليل. واستدلوا بما رواه ابن عمر رضى الله عنهما أن النبى صلى الله عليه وسلم سئل عن الماء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Idara Ghufran

ناپاک پانی کو چالو یا زیادہ کر کے پاک کرنے کا طریقہ

جب کوئی پانی نہ تو جاری اور بہتا ہوا ہو، اور نہ ہی کثیر وزیادہ مقدار میں ہو، مثلاً کسی چھوٹے برتن وغیرہ میں موجود پانی، اور یہ پانی کسی نجاست مثلاً پیشاب وغیرہ کا قطرہ گرنے کی وجہ سے ناپاک ہوجائے، اوراس پانی کو پاک کرنے کی ضرورت پیش آئے، تو اس کا حنفیہ کے نزدیک ایک طریقہ یہ ہے کہ اس میں ایک طرف سے پاک پانی داخل کیا جائے، اور دوسری طرف سے اس کا پانی خارج کیا جائے، اور یہ داخل کرنے اور خارج کرنے کا عمل ایک وقت میں یعنی ایک ساتھ کیا جائے، تو اس سے یہ پانی پاک ہوجائے گا، خواہ تھوڑی دیر کے لئے ہی یہ عمل کیوں نہ کیا جائے، اور تھوڑی مقدار میں ہی پانی کیوں نہ نکلے، یہی راجح ومختار ہے، مگراس میں یہ شرط ہے کہ نجاست وناپاکی کا ذائقہ، رنگ اور بو میں سے کوئی چیز اس میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یکون فی الفلاة وما ینوبه من الدواب والسباع، فقال :إذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث، وفی روایة :إذا کان الماء قلتین لم ینجسه شیء .

فتحدید الماء بالقلتین ونفی النجاسة عنه یدل علی أن ما دونهما ینجس، إذ لو استوی حکم القلتین وما دونهما لم یکن للتحدید معنی. ولأن الأصول مبنیة علی أن النجاسة إذا صعبت إزالتها وشق الاحتراز منها عفی عنها، کدم البراغیث وسلس البول والاستحاضة .وإذا لم یشق الاحتراز لم یعف عنها کغیر الدم من النجاسات، ومعلوم أن قلیل الماء لا یشق حفظه، وکثیره یشق، فعفی عما شق دون غیره، وضبط الشرع حد القلة بقلتین فتعین اعتماده، ولا یجوز لمن بلغه الحدیث العدول عنه (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۳۹، ص ۳۶۹، الیٰ ص ۳۷۱، مادة "میاه")

التفرقة بین القلیل والکثیر :فرق الفقهاء بین القلیل والکثیر فی الماء الراکد، فالکثیر یجوز به التوضؤ والاغتسال فیه، ولا یتنجس جمیعه بوقوع النجاسة فی طرف منه، إلا أن یتغیر لونه، أو طعمه، أو ریحه، والقلیل عکسه.

وأما نجاسة مکان الوقوع فاختلفوا فیه علی أقوال.

فذهب الشافعیة والحنابلة إلی أن العبرة فی قلة الماء وکثرته هی بالقلتین فما دونهما فهو قلیل .

وقال المالکیة :لا حد للکثرة فی المذهب.

أما الحنفیة فذهب بعضهم إلی أن الحوض :إذا کان بحال إذا اغتسل إنسان فی جانب منه، لا یرتفع ولا ینخفض الطرف الذی یقابله، فهو کبیر، وما دون ذلک صغیر (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۱۸، ص۲۴۷، وص۲۴۸، مادة "حوض")

www.idaraghufran.org

باقی نہ رہے۔ ۱؎

۱؎ اور مالکیہ کے نزدیک اگر اس پانی سے نجاست کا اثر (ذائقہ، رنگ، بو کی شکل میں) زائل ہوجائے، خواہ وہ پانی زیادہ ہونے یا جاری ہونے یا کسی چیز کے شامل کرنے کی وجہ سے، یا خود ٹھہرے رہنے کی وجہ سے ہو، تو وہ پانی پاک ہوجائے گا، اور شافعیہ کے نزدیک جب پانی دوقلوں کے برابر یا اس سے زیادہ ہوجائے، خواہ کسی بھی طرح اور نجاست کا اثر باقی نہ رہے، تو پاک ہوجائے گا، اور حنابلہ کے نزدیک مختلف صورتوں کے مختلف احکام ہیں۔

تحول الماء الراكد إلى الماء الجارى:

المختار عند الحنفية أن الماء النجس الراكد إذا تحول إلى جار يطهر بمجرد جريانه، والجارى ما يعده الناس جاريا بأن يدخل الماء من جانب ويخرج من جانب آخر حال دخوله، وإن قل الخارج، لأنه صار جاريا حقيقة، وبخروج بعضه وقع الشك فى بقاء النجاسة، فلا تبقى مع الشك.

وفيه قولان ضعيفان عند الحنفية.

الأول :لا يطهر بمجرد التحول، بل لا بد من خروج قدر ما فيه.

والثانى :لا بد من خروج ثلاثة أمثاله. ويظهر الفرق بين القول المختار والقولين الآخرين فى :أن الخارج من الحوض يكون طاهرا بمجرد خروجه، بناء على القول المختار .ولا يكون طاهرا قبل الحكم بطهارة الماء الراكد على القولين الآخرين.

وعلى هذا الخلاف :البئر وحوض الحمام والأوانى.

وأما المالكية فعندهم يتحول الماء الكثير النجس طهورا بزوال التغير، سواء أكان بصب ماء مطلق عليه، قليل أو كثير، أو ماء مضاف مقيد انتفت نجاسته، أم بإلقاء شىء فيه كتراب أو طين، ولم يظهر فيه أحد أوصاف ما ألقى فيه .لأن تنجسه إنما كان لأجل التغير وقد زال، والحكم يدور مع علته وجودا وعدما، كالخمر إذا صارت خلا، وفى تغيره بنفسه، أو بنزح بعضه قولان.

ومذهب الشافعية :أن الماء إذا بلغ قلتين لا ينجس بملاقاة نجس، لحديث إذا كان الماء قلتين لم يحمل الخبث أى لا يقبل النجس.

هذا ما لم يتغير لونه أو طعمه أو ريحه فينجس لحديث :إن الماء طهور لا ينجسه شىء إلا ما غير لونه أو طعمه أو ريحه.

فإن تغير وصف من هذه الأوصاف تنجس، فإن زال تغيره بنفسه أو بماء انضم إليه طهر .وما دون القلتين ينجس بالملاقاة، فإن بلغهما بماء ولا تغير به فطهور .ولو كوثر بإيراد طهور فلم يبلغ قلتين لم يطهر .وقيل :هو طاهر لا طهور.

وعند الحنابلة :يختلف تطهير الماء المتنجس بالمكاثرة باختلاف أحوال ثلاث للماء :أن يكون دون القلتين، أو وفق القلتين، أو زائدا عنهما.

فإن كان دون القلتين فتطهيره بالمكاثرة بماء آخر.

فإن اجتمع نجس إلى نجس، فالكل نجس وإن كثر، لأن اجتماع النجس إلى النجس لا يتولد بينهما طاهر، كالمتولد بين الكلب والخنزير، ويتخرج أن يطهر إذا زال التغير وبلغ القلتين، لحديث :إذا بلغ الماء قلتين لم يحمل الخبث وحديث :إن الماء طهور لا ينجسه شىء إلا ماء غير لونه أو طعمه أو ريحه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور جو پانی جاری ہوتے وقت اس برتن وغیرہ سے خارج ہوتا ہے، وہ بھی حنفیہ کے نزدیک پاک شمار ہوتا ہے۔ ؎1

پھر حنفیہ کے نزدیک ناپاک پانی کو پاک کرنے کا یہ طریقہ، جس طرح ٹنکی اور ٹینک کے پانی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وجميع النجاسات فى هذا سواء ، إلا بول الآدميين وعذرتهم المائعة، فإن أكثر الروايات عن أحمد أنها تنجس الماء الكثير، إلا أن يبلغ حدا لا يمكن نزحه كالغدران، فذلك الذى لا ينجسه شيء .

فإن كان وفق القلتين:

وإن كان غير متغير فيطهر بالمكاثرة المذكورة.

وإن كان متغيرا يطهر بالمكاثرة إذا أزالت التغير، أو بتركه حتى يزول تغيره بطول المكث.

وإن كان أكثر من القلتين :فإن كان نجسا بغير التغير فلا طريق إلى تطهيره بغير المكاثرة.

وإن كان نجسا متغيرا بالنجاسة فتطهيره إما بالمكاثرة، أو زوال تغيره بمكثه، أو أن ينزح منه ما يزول به التغير، ويبقى بعد ذلك قلتان فصاعدا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۰، ص۲۷۹، الیٰ ص۲۸۱، مادة "تحول")

ففى الحوض الصغير اذا كان يدخل الماء من جانب ويخرج من جانب آخر يجوز الوضوء على هذا القول مطلقا لكونه ماء جاريا والجارى يجوز التوضء به وعليه الفتوى كذا فى التاتار خانية(السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية، كتاب الطهارة)

ثم المختار طهارة المتنجس بمجرد جريانه وكذا البئر وحوض الحمام(الدرالمختار)

(قوله :بمجرد جريانه) أى بأن يدخل من جانب ويخرج من آخر حال دخوله وإن قل الخارج بحر. قال ابن الشحنة :لأنه صار جاريا حقيقة، وبخروج بعضه رفع الشك فى بقاء النجاسة فلا تبقى مع الشك .اهـ .وقيل لا يطهر حتى يخرج قدر ما فيه، وقيل ثلاثة أمثاله بحر، فلو خرج بلا دخول كأن ثقب منه ثقب فليس بجار، ولا يلزم أن يكون الحوض ممتلئا فى أول وقت الدخول؛ لأنه إذا كان ناقصا فدخله الماء حتى امتلأ وخرج بعضه طهر أيضا كما لو كان ابتداء ممتلئا ماء نجسا كما حققه فى الحلية (ردالمحتار، ج۱ ص۱۹۵،۱۹۶، كتاب الطهارة، باب المياه)

؎1 وذكر فيها أن الخارج من الحوض نجس قبل الحكم عليه بالطهارة .اهـ .أقول :هو ظاهر على القولين الأخيرين؛ لأنه قبل خروج المثل أو ثلاثة الأمثال لم يحكم بطهارة الحوض، فيظهر كون الخارج نجسا .وأما على القول المختار فقد حكم بالطهارة بمجرد الخروج فيكون الخارج طاهرا تأمل، ثم رأيته فى الظهيرية ونصه :والصحيح أنه يطهر وإن لم يخرج مثل ما فيه، وإن رفع إنسان من ذلك الماء الذى خرج وتوضأ به جاز اهـ فلله الحمد، لكن فى الظهيرية أيضا حوض نجس امتلأ ماء وفار ماؤه على جوانبه وجف جوانبه لا يطهر، وقيل يطهر اهـ .وفيها :ولو امتلأ فتشرب الماء فى جوانبه لا يطهر ما لم يخرج الماء من جانب آخر .اهـ .وفى الخلاصة :المختار أنه يطهر وإن لم يخرج مثل ما فيه (ردالمحتار، ج۱ ص۱۹۵،۱۹۶، كتاب الطهارة، باب المياه)

Idara Ghufran

کو پاک کرنے کے لئے مؤثر ہے، اسی طرح کسی برتن اور لوٹے وغیرہ میں رکھے ہوئے پانی کے لئے بھی مؤثر ہے، کہ اگر اس میں موجود ناپاک پانی میں پاک پانی اتنی مقدار میں ڈالا جائے کہ اوپر کی طرف سے پانی بہہ پڑے، یعنی اوورفلو (Overflow) ہوجائے، تو بھی وہ پانی اور برتن پاک ہوجاتا ہے۔ [1]

اسی طرح اگر کوئی ڈول ناپاک ہو، اور اس میں پاک پانی اتنی مقدار میں ڈالا جائے، کہ اس کے بھرنے کے بعد اوپر سے بہہ پڑے، تو اس طرح سے وہ ڈول بھی پاک ہوجاتا ہے۔ [2]

اور اگر کسی کنویں کا پانی ناپاک ہوجائے، اور اس میں ایک طرف سے پائپ وغیرہ لگا کر پاک

---

[1] فلو امتلأ الحوض وخرج من جانب الشط على وجه الجريان حتى بلغ المشجرة يطهر، أما قدر ذراع أو ذراعين فلا اهـ فليتأمل.
(قوله :وكذا البئر وحوض الحمام) أى يطهران من النجاسة بمجرد الجريان، وكذا ما فى حكمه من العرف المتدارك كما مر .مطلب فى إلحاق نحو القصعة بالحوض (تنبيه)
هل يلحق نحو القصعة بالحوض؟ فإذا كان فيها ماء نجس ثم دخل فيها ماء جار حتى طف من جوانبها هل تطهر هى والماء الذى فيها كالحوض أم لا لعدم الضرورة فى غسلها؟ توقفت فيه مدة، ثم رأيت فى خزانة الفتاوى :إذا فسد ماء الحوض فأخذ منه بالقصعة وأمسكها تحت الأنبوب فدخل الماء وسال ماء القصعة فتوضأ به لا يجوز .اهـ .وفى الظهيرية فى مسألة الحوض :لو خرج من جانب آخر لا يطهر ما لم يخرج مثل ما فيه ثلاث مرات كالقصعة عند بعضهم .والصحيح أنه يطهر وإن لم يخرج مثل ما فيه .اهـ .فالظاهر أنما فى الخزانة مبنى على خلاف الصحيح، يؤيده ما فى البدائع بعد حكايته الأقوال الثلاثة فى جريان الحوض حيث قال ما نصه :وعلى هذا حوض الحمام أو الأوانى إذا تنجس .اهـ .ومقتضاه أنه على القول الصحيح تطهر الأوانى أيضا بمجرد الجريان، وقد علل فى البدائع هذا القول بأنه صار ماء جاريا ولم نستيقن ببقاء النجاسة فيه، فاتضح الحكم ولله الحمد (ردالمحتار، ج ١ ص١٩٥، ١٩٦، كتاب الطهارة، باب المياه)

[2] وبقى شىء آخر سئلت عنه، وهو أن دلوا تنجس فأفرغ فيه رجل ماء حتى امتلأ وسال من جوانبه هل يطهر بمجرد ذلك أم لا؟ والذى يظهر لى الطهارة، أخذا مما ذكرناه هنا ومما مر من أنه لا يشترط أن يكون الجريان بمدد، وما يقال إنه لا يعد فى العرف جاريا ممنوع لما مر من أنه لو سال دم رجله مع العصير لا ينجس، وكذا ما ذكره الشارح بعده من أنه لو حفر نهرا من حوض صغير أو صب الماء فى طرف الميزاب إلخ وكذا ما ذكرناه هناك عن الخزانة والذخيرة من المسائل، فكل هذا اعتبروه جاريا فكذا هنا .وأخبرنى شيخنا حفظه الله تعالى أن بعض أهل عصره فى حلب أفتى بذلك حتى فى المائعات وأنهم أنكروا عليه ذلك (ردالمحتار، ج ١ ص١٩٥، ١٩٦، كتاب الطهارة، باب المياه)

www.idaraghufran.org

پانی داخل کیا جائے، اور دوسری طرف سے پانی موٹر وغیرہ کے ذریعہ سے باہر کھینچا جائے، تو وہ بھی پاک ہوجاتا ہے۔ ۱؎

اور مذکورہ ناپاک پانی کو پاک کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس میں پاک پانی اتنی مقدار میں ڈالا اور شامل کیا جائے، کہ پہلا پانی اور یہ شامل شدہ پانی باہم مل کر کثیر اور زیادہ پانی کا درجہ حاصل کرلے، اور پانی میں نجاست وناپاکی کا اثر (ذائقہ، بو، اور رنگ کی شکل میں) بھی باقی نہ رہے، اور کثیر وزیادہ پانی کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔ ۲؎

۱؎ وطريق تطهير الحوض المملوء ماء ان يخرج ماؤه من جانب اخر وان قل فانه ح يصير كالجارى وقيل لا حتى يخرج قدر ما فيه وقيل حتى يخرج ثلثة مثاله وصحح الاول فى المحيط وغيره كذا فى البحر وفى الخلاصة الحوض الصغير اذا تنجس فدخل الماء من جانب وخرج من جانب اخر فيه اقاويل قال الصدر الشهيد المختار انه يطهر وان لم يخرج قدر ما فيه وكذا البير فلو امتلأ الحوض من جانب الشط على وجه الجريان حتى بلغ المشجرة تطهر انتهى وفى البحر عبارة كثير منهم فى هذه المسألة تفيد ان الحكم بطهارة الحوض انما هو اذا كان الخروج حالة الدخول وهو كذلك فى ما يظهر لانه ح يكون معنى الجارى ثم كلامهم يشير الى ان الخارج منه نجس قبل الحكم على الحوض بالطهارة وهو كذلك كما فى شرح منية المصلى انتهى،وقال ابن عابدين فى رد المحتار لا يلزم ان يكون الحوض ممتلئا ماء نجسا ما حققه فى الحلية وذكر فيها ان الخارج من الحوض نجس اقول هو ظاهر على القولين الاخيرين لانه قبل خروج المل او ثلثة امثال لم يحكم بطهارة الحوض فيظهر كون الخارج نجسا واما على قول المختار فقد حكم بالطهارة بمجرد الخروج فيكون الخارج طاهرا تامل م رأيت فى الظهيرية ونصه الصحيح انه يطهر وان لم يخرج مثل ما فيه وان رفع انسان من ذلك الماء الذى خرج وتوضأ به جاز فلله الحمد انتهى(السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية، كتاب الطهارة)

۲؎ ذهب الحنفية والمالكية إلى أن تطهير المياه النجسة يكون بصب الماء عليها ومكاثرتها حتى يزول التغير.

ولو زال التغير بنفسه، أو بنزح بعضه، فعند المالكية قولان، قيل :إن الماء يعود طهورا، وقيل : باستمرار نجاسته، وهذا هو الأرجح.

قال الدسوقى :لأن النجاسة لا تزال إلا بالماء المطلق، وليس حاصلا، وحينئذ فيستمر بقاء النجاسة.

ومحل القولين فى الماء الكثير الذى زال تغيره بنفسه أو بنزح بعضه، أما القليل فإنه باق على تنجسه بلا خلاف.

كما يطهر الماء النجس عند المالكية لو زال تغيره بإضافة طاهر، وبإلقاء طين أو تراب إن زال

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پھر مذکورہ صورتوں میں جس طرح پانی پاک ہوجاتا ہے، اسی طرح پانی جس برتن یا ٹینکی اور اس کے پائپوں میں ہے، وہ بھی پاک ہوجاتے ہیں، اور اگر پانی کے اندر کوئی اور چیز مثلاً کپڑا وغیرہ ہو، تو وہ بھی پاک ہوجاتا ہے۔

راستہ کے پانی وکیچڑ کے پاک وناپاک ہونے کا حکم

جب گزرگاہ اور راستہ کے کیچڑ، مٹی اور بارش وغیرہ کے پانی میں نجاست وناپاکی واضح اور یقینی نہ ہو، یا وہ بارش کے پانی سے پاک یا مغلوب ہوگئی ہو، تو وہ پاک ہے، کیونکہ اولاً تو پانی اور مٹی میں اصل پاک ہونا ہے، جس کے پاک ہونے کا حکم شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا، دوسرے بارش کا پانی، نجس وناپاک زمین پر پڑ کر اس کو پاک کردیتا ہے، جس طرح ناپاک زمین کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أثرهما، أي لم يوجد شيء من أوصافهما فيما ألقيا فيه، أما إن وجد فلا يطهر، لاحتمال بقاء النجاسة مع بقاء أثرهما.

وذهب الشافعية والحنابلة إلى :أن الماء إن بلغ قلتين فإنه لا ينجس إلا إذا غيرته النجاسة، لقول النبي صلى الله عليه وسلم :إذا بلغ الماء قلتين لم يحمل الخبث وقوله صلى الله عليه وسلم :إن الماء لا ينجسه شيء إلا ما غلب على ريحه وطعمه ولونه وتطهيره حينئذ يكون بزوال التغير، سواء زال التغير بنفسه :كأن زال بطول المكث، أو بإضافة ماء إليه.

قال القليوبي :وهذا في التغير الحسي، وأما التقديري :كما لو وقع في الماء نجس لا وصف له فيقدر مخالفا أشد، كلون الحبر وطعم الخل وريح المسك، فإن غيره فنجس، ويعتبر الوصف الموافق للواقع، ويعرف زوال التغير منه بزوال نظيره من ماء آخر، أو بضم ماء إليه لو ضم للمتغير حسا لزال، أو بقي زمنا ذكر أهل الخبرة أنه يزول به الحسي.

ولا يطهر الماء إن زال التغير بمسك أو زعفران أو خل، للشك في أن التغير زال أو استتر، والظاهر الاستتار، مثل ذلك زوال التغير بالتراب والجص.

ونص الحنابلة على أنه إن نزح من الماء المتنجس الكثير، وبقي بعد المنزوح كثير غير متغير، فإنه يطهر لزوال علة تنجسه، وهي التغير .وكذا المنزوح الذي زال مع نزحه التغير طهور إن لم تكن عين النجاسة فيه.

وإن كان الماء دون القلتين فإنه ينجس بملاقاة النجاسة وإن لم تغيره، وتطهيره يكون بإضافة الماء إليه حتى يبلغ القلتين ولا تغير به ولو كوثر بإيراد طهور فلم يبلغ القلتين لم يطهر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۹، ص۱۰۳، مادة "طهارة")

www.idaraghufran.org

پاک پانی بہا کر پاک کیا جاتا ہے۔ ۱؂

۱؂ فصل :وإن أصاب الأرض ماء المطر أو السيول، فغمرها، وجرى عليها، فهو كما لو صب عليها؛ لأن تطهير النجاسة لا تعتبر فيه نية ولا فعل، فاستوى ما صبه الآدمي وما جرى بغير صبه .قال أحمد، -رحمه الله -، في البول يكون في الأرض فتمطر عليه السماء :إذا أصابه من المطر بقدر ما يكون ذنوبا، كما أمر النبي -صلى الله عليه وسلم -أن يصب على البول، فقد طهر .وقال المروذي :سئل أبو عبد الله عن ماء المطر يختلط بالبول، فقال :ماء المطر عندي لا يخالط شيئا إلا طهره، إلا العذرة .فإنها تقطع .وسئل عن ماء المطر يصيب الثوب، فلم ير به بأسا إلا أن يكون بيل فيه بعد المطر .وقال :كل ما ينزل من السماء إلى الأرض فهو نظيف، داسته الدواب أو لم تدسه.
وقال في الميزاب :إذا كان في الموضع النظيف فلا بأس بما قطر عليك من المطر .إذا لم تعلم أنه قذر .قيل له :فأسأل عنه؟ قال :لا تسأل، وما دعاك إلى أن تسأل وهو ماء المطر، إذا لم يكن موضع مخرج، أو موضع قذر .فلا تغسله .واحتج في طهارة طين المطر بحديث الأعرابي الذي بال في المسجد .قال إسحاق بن منصور، وقال إسحاق بن راهويه، كما قال أحمد .واحتج بأن أصحاب النبي -صلى الله عليه وسلم -والتابعين كانوا يخوضون المطر في الطرقات، فلا يغسلون أرجلهم، لما غلب الماء القذر .وممن روي عنه أنه خاض طين المطر، وصلى، ولم يغسل رجليه عمر، وعلي -رضي الله عنهما -وقال ابن مسعود :كنا لا نتوضأ من موطء .ونحوه عن ابن عباس.
وقال بذلك سعيد بن المسيب وعلقمة والأسود، وعبد الله بن معقل بن مقرن والحسن، وأصحاب الرأي، وعوام أهل العلم .لأن الأصل الطهارة، فلا تزول بالشك (المغنى لابن قدامة، ج۲، ص ۷۱، فصل أصاب الأرض ماء المطر أو السيول فغمرها وجرى عليها)
وطين شارع ظنت نجاسته) طاهر .عملاً بالأصل، ولأن الصحابة، والتابعين يخوضون المطر في الطرقات، ولا يغسلون أرجلهم .روي عن عمر وعلي، وقال ابن مسعود :كنا لا نتوضأ من موطء ونحوه عن ابن عباس، وهذا قول عوام أهل العلم .قاله في الشرح (منار السبيل في شرح الدليل، لابن ضويان، ج ۱، ص ۵۴، فصل في النجاسات)
واعلم انه هذه المسألة من فروع قاعدة ابقاء ما كان على ما كان......ومنها ما في القنية عن ابي نصر الدبوسي طين الشوارع ومواطء الكلاب فيها طاهر وكذا الطين المسرقن الا اذا راى عين النجاسات والاصل في هذا كله ماورد عن النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم انه قال بعثت بالحنيفية السمحة البيضاء ولم ابعث بالرهبانية الصعبة وورد النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم واصحابه كانوا يستعملون انية المشركين وثيابهم المنسوجة والمياه الراكدة في الحياض والابار من غير استفسار وتدقيق فاخرج البخاري في صحيحه ان النبي صلى الله عليه وعلى آله وسلم اكل في بيت اليهودية وتوضأ من مزاده المشركة وروى ايضا عن ابن عمر انه قال كانت الكلاب تقبل وتدبر في المسجد في زمان رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وسلم فلم يكونوا يرشون شيئا من ذلك وقال الفاضل البركلي في الطريقة المحمدية وجوب الاحتراز عن النجاسة ليس لذاتها لوصفها المنفر من الريح المنتن والطعم البشيع واللون القبيح فاذا لم يوجد ولم يتيقن بوجوده فلا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر اس کیچڑ میں ناپاکی وغلاظت غالب ہونے کا یقین ہو، تو اگر وہ کیچڑ کپڑے یا لباس وغیرہ پر تھوڑی مقدار میں لگا ہو، تو بھی حرج وتنگی کی وجہ سے وہ معاف ہے، کیونکہ بہت سی چیزیں شریعت کی طرف سے تنگی اور حرج دُور کرنے کے لئے معاف کردی جاتی ہیں۔

پھر بھی اگر کوئی اس کو آسانی دھو کر نماز پڑھے، تو اچھی بات ہے، مگر ضروری نہیں۔

البتہ اگر عین سخت وغلیظہ نجاست (مثلاً پاخانہ وغیرہ) جسم یا لباس پر لگے، تو وہ معاف نہیں، بشرطیکہ وہ اتنی مقدار میں ہو، کہ جو معاف نہیں ہوتی، مثلاً ایک درہم یا ہتھیلی کے گہراؤ سے زیادہ۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یجب ومع التيقن به يعفى عن القليل فى مواضع الضرورة والحاجة انتهى ومن ههنا يعلم ان الاصل فى الاشياء شرعا هو الطهارة لاسيما الماء فانه موصوف بالطاهرية والطهورية مالم يعرض ما يزوله كما نبهنا سابقا (السعاية، ج ١، ص ٣١٤، وص ٣١٥، ملخصاً، كتاب الطهارة)

وفى المنتقى أرض أصابها بول أو عذرة، ثم أصابها المطر غالبا، وقد جرى ماؤه عليها فذلك مطهر لها وإن كان المطر قليلا لم يجر ماؤه عليها لم تطهر (منحة الخالق على البحر الرائق، ج ١ ص ٢٣٨ كتاب الطهارة، باب الانجاس)

[1] چنانچہ اگر نجاستِ غلیظہ کی مقدار ایک درہم یا ہتھیلی کے گہراؤ سے کم ہو، تو وہ حنفیہ کے نزدیک عام حالات میں بھی معاف ہے، چہ جائیکہ ضرورت کے وقت معاف نہ ہو، اور اس سلسلہ میں مشائخِ حنفیہ کے اور بھی اقوال ہیں، مگر حنفیہ کے نزدیک عام حالات میں راجح طینِ شارع کا معاف ہونا ہی ہے۔

العفو عن طين الشوارع: يرى الشافعية والحنابلة العفو عن يسير طين الشارع النجس لعسر تجنبه، قال الزركشى تعليقا على مذهب الشافعية فى الموضوع: وقضية إطلاقهم العفو عنه ولو اختلط بنجاسة كلب أو نحوه -وهو المتجه لا سيما فى موضع يكثر فيه الكلاب- لأن الشوارع معدن النجاسات. ومذهب الحنفية قريب من مذهب الشافعية والحنابلة إذ قالوا: إن طين الشوارع الذى فيه نجاسة عفو إلا إذا علم عين النجاسة، والاحتياط فى الصلاة غسله.

ويقول المالكية: الأحوال أربعة: الأولى والثانية: كون الطين أكثر من النجاسة أو مساويا لها تحقيقا أو ظنا، ولا إشكال فى العفو فيهما، والثالثة: غلبة النجاسة على الطين تحقيقا أو ظنا، وهو معفو عنه على ظاهر المدونة، ويجب غسله على ما مشى عليه الدردير تبعا لابن أبى زيد. والرابعة: أن تكون عينها قائمة وهى لا عفو فيها اتفاقا (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣٠، ص ١٧١، مادة "عفو") ويعفى عن طين الشوارع ولو كان مخلوطا بنجاسة غالبة ما لم ير عينها (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٤٠، ص ١١٤، النجاسات المعفو عنها عند الحنفية، مادة "نجاسة")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پھر یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ ناپاک زمین جس طرح نجاست کے دور ہونے سے پاک ہوجاتی ہے، اسی طرح حنفی فقہائے کرام کے نزدیک ہوا اور دھوپ کے ذریعہ خشک ہونے سے بھی پاک ہوجاتی ہے، جبکہ نجاست کا اثر زائل ہوجائے، اور راجح یہ ہے کہ وہ دوبارہ پانی وغیرہ سے تَر ہونے پر ناپاک نہیں ہوتی۔

اسی طرح ناپاک چیز سے اڑنے والا گرد وغبار معاف ہے، اگر ہوا سے نجاست کا گرد وغبار اڑ کر کسی جگہ (گزرگاہ وغیرہ) پر پڑجائے، تو اس کی وجہ سے وہ جگہ ناپاک نہیں کہلاتی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومن الرخص التى شرعت بسبب العسر وعموم البلوى ما ذكره السيوطى وابن نجيم من جواز الصلاة مع النجاسة المعفو عنها، كدم القروح والدمامل والبراغيث، وطين الشارع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۱، ص۷، مادة "عموم البلوى")

وعن قليل طين محل مرور متيقن نجاسته ولو بمغلظ، للمشقة، ما لم تبق عينها متميزة.
ويختلف ذلک بالوقت ومحله من الثوب والبدن.
وإذا تعين عين النجاسة فى الطريق، ولو مواطء كلب، فلا يعفى عنها، (وإن عمت الطريق على الاوجه)
(وأفتى شيخنا) فى طريق لا طين بها بل فيها قذر الادمى وروث الكلاب والبهائم وقد أصابها المطر، بالعفو عند مشقة الاحتراز.
(قاعدة مهمة) :وهى أن ما أصله الطهارة وغلب على الظن تنجسه لغلبة النجاسة فى مثله، فيه قولان معروفان بقولى الاصل.
والظاهر أو الغالب أرجحهما أنه طاهر، عملا بالاصل المتيقن، لانه أضبط من الغالب المختلف بالاحوال والازمان(فتح المعين بشرح قرة العين بمهمات الدين مع اعانة الطالبين، ج ۱ ص ۱۲۴، باب الصلاة)

قوله " :ولو مشى فى السوق الخ "قال فى المنح عن أبى نصر الدبوسى طين الشوارع ومواطن الكلاب طاهر وكذا الطين المسرقن إلا إذا رأى عين النجاسة قال رحمه الله تعالى وهو الصحيح اهـ أى من حيث الدراية وقريب من حيث الرواية عن أصحابنا رضى الله عنهم وفى الدر المختار وغيره وعفى طين شارع ومواطن كلاب وبخار نجس وغبار سرقين وانتضاح غسالة لا تظهر مواقع قطرها فى الماء اهـ وظاهر ذلک ان العفو مصحح خلافا لما تفيده عبارته فإنه حكاه بقيل (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ج ۱، ص ۱۵۸، باب الانجاس والطهارة عنها)

[1] لا عبرة للغبار النجس إذا وقع فى الماء إنما العبرة للتراب(ردالمحتار، ج ۱ ص ۳۲۵، كتاب الطهارة، باب الانجاس)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا اگر زمین یا کسی راستہ پر نجاست پڑی، اور وہ انسانوں اور گاڑیوں وغیرہ کے گزرنے یا ہوا یا دھوپ کے ذریعہ خشک ہوگئی، اور نجاست کا اثر ختم ہوگیا، تو وہ زمین یا راستہ پاک ہوجاتا ہے، اوراس پر بارش یا پانی پڑنے سے وہ دوبارہ ناپاک نہیں ہوتا، اوراس حالت میں اس کا کیچڑ بھی پاک کہلاتا ہے، اوراسی طرح راستوں پر جو گردوغبار ہوتا ہے، اگرچہ وہ نجاست وناپاک چیز سے اڑنے والا گردوغبار ہی کیوں نہ ہو، اس کی وجہ سے بھی راستہ وغیرہ ناپاک نہیں کہلاتا۔

پس آج کل جو بعض لوگ راستہ کے کیچڑ، اور ہر طرح کی نالی وغیرہ کے چلتے پانی کو بلادلیل ناپاک سمجھ لیتے ہیں، جس میں پاک مٹی اور پاک پانی کا بڑا حصہ شامل ہوتا ہے، اور جہاں کہیں بدن یا لباس پر چھینٹیں پڑ جائیں، اس پر ناپاک ہونے کا حکم لگادیتے ہیں، اوراس کو دھوئے بغیر نماز پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے، بلکہ اس کی وجہ سے نماز کو قضاء بھی کردیتے ہیں، یہ غلو اور تشدد پر مبنی ہے۔

(تفصیل اور دلائل کے لئے ملاحظہ ہو، ہماری دوسری کتاب ''وساوس اور حقائق'')

رطوبتِ فرج کی پاکی وناپاکی کا حکم

عورت کی فرج یعنی پیشاب گاہ سے منی اور مذی اوراسی طرح ودی کے علاوہ جو رطوبت خارج ہو، وہ امام ابوحنیفہ اور حنابلہ کے نزدیک پاک ہے، کہ اگر وہ کپڑے یا جسم پر لگ جائے، تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومن الرخص التى شرعت بسبب العسر وعموم البلوى ما ذكره السيوطى وابن نجيم من جواز الصلاة مع النجاسة المعفو عنها، كدم القروح والدمامل والبراغيث، وطين الشارع وذرق الطيور إذا عم فى المساجد والمطاف، وما لا نفس له سائلة، وأثر نجاسة عسر زواله، والعفو عن غبار السرقين وقليل الدخان النجس وأمثالها، وهى كثيرة مفصلة فى كتب الفقه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۱، ص۷، مادة ''عموم البلوى'')

مگر حنفیہ کے نزدیک یہ رطوبت اس وقت پاک ہے، جبکہ اس کے ساتھ خون یا منی یا مذی شامل نہ ہو۔

اور مالکیہ اور صاحبین کے نزدیک عورت کی شرم گاہ کی رطوبت ناپاک شمار ہوتی ہے۔ [1]

مذی، ودی اور منی کی پاکی یا ناپاکی کا حکم

مذی، اور ودی تو فقہائے کرام کے نزدیک ناپاک ہے، اور منی کے پاک یا ناپاک ہونے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ [2]

---

[1] ذهب أبو حنيفة إلى طهارة رطوبة فرج المرأة الداخلى كسائر رطوبات البدن، وذهب أبو يوسف ومحمد إلى نجاسته.

أما رطوبة الفرج الخارجى فطاهرة اتفاقا.

وإذا كانت النجاسة فى محلها فلا عبرة بها باتفاق (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰ص۹۳، مادة "نجاسة")

اختلف الفقهاء فى طهارة رطوبة فرج المرأة وهى ماء أبيض متردد بين المذى والعرق .

فذهب أبو حنيفة والحنابلة إلى طهارتها، ومن ثم فإن رطوبة الولد عند الولادة طاهرة.

ومحل الطهارة عند الحنفية إذا لم يكن دم، ولم يخالط رطوبة الفرج مذى أو منى من الرجل، أو المرأة.

وذهب المالكية وأبو يوسف ومحمد من الحنفية إلى نجاسة رطوبة الفرج، ويترتب على نجاسة رطوبة الفرج تنجيس ذكر الواطء أو ما يدخل من خرقة أو أصبع.

وقسم الشافعية رطوبة الفرج إلى ثلاثة أقسام : طاهرة قطعا، وهى ما تكون فى المحل الذى يظهر عند جلوس المرأة، وهو الذى يجب غسله فى الغسل والاستنجاء ، ونجسة قطعا وهى الرطوبة الخارجة من باطن الفرج، وهو ما وراء ذكر المجامع، وطاهرة على الأصح وهى ما يصله ذكر المجامع (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۲ ص۲۶۰، مادة "رطوبة")

[2] پیشاب کے علاوہ، مرد وعورت کے پیشاب کے راستہ سے خارج ہونے والا سیال مادہ (SubstanceLiquid) عام طور پر تین طرح کا ہوسکتا ہے، جس میں سے ایک منی کہلاتا ہے، جس کو انگریزی زبان میں Semen کہا جاتا ہے۔ یہ شہوت کی تکمیل کے موقع پر خارج ہونے والا مادہ ہے، جس میں توالد وتناسل کے اجزاء یعنی جنسی خلیے (Germ Cell) شامل ہوتے ہیں، اور اس کے خارج ہونے پر ابھری ہوئی شہوت کی تسکین ہوجاتی ہے، یعنی وہ شہوت ٹھنڈی ہوجاتی ہے، یہ مادہ شرعی زبان میں منی کہلاتا ہے، جس کے خارج ہونے پر غسل واجب ہوجاتا ہے۔

منی (Semen) کے علاوہ ایک دوسرا مادہ مذی کہلاتا ہے، جس کو انگریزی زبان میں Pre-ejaculate کہا جاتا ہے۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بعض ناپاک اور بعض پاک کہتے ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

یہ شہوت کے موقع پر خارج ہونے والا مادہ ہے، مگر اس کے خارج ہونے پر ابھری ہوئی شہوت کی تسکین نہیں ہوتی، اور اس کی مقدار عموماً منی کی مقدار سے کم ہوتی ہے، یہ مادہ شرعی زبان میں مذی کہلاتا ہے، جس کے خارج ہونے پر غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ یہ مادہ شرعاً ناپاک ہوتا ہے، اور اس کے خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

منی (Semen) اور مذی کے علاوہ ایک تیسرا مادہ ''ودی'' کہلاتا ہے، جو عام طور پر پیشاب کے بعد یا کوئی بوجھ وغیرہ اُٹھانے کے وقت بغیر شہوت کے خارج ہونے والا مادہ ہے، اور اس کی مقدار بھی عموماً منی کی مقدار سے کم ہوتی ہے، اور شرعی اعتبار سے اس کا حکم بھی مذی کی طرح ہے، کہ یہ مادہ شرعاً ناپاک ہے، اور اس کے خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، مگر اس کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا۔

مذی اور ودی کا مادہ عام طور پر منی کے مقابلہ میں رقیق اور پتلا ہوتا ہے، اور منی کا مادہ عام طور پر تیزی اور شدت کے ساتھ خارج ہوتا ہے، جبکہ مذی اور ودی میں یہ کیفیت نہیں پائی جاتی۔

و "المذى "ما يخرج من الذكر عند الملاعبة، والودى :منه بعد البول، والمنى :ما يخرج عند الجماع .يقال :منى، وأمنى، وودى وأودى، ومذى وأمذى، وقد أنكر أودى .وقال الأبهرى :وذى بالذال المعجمة ولا نعلمه من أين قال ذلك.

و "المنى "من منى الله الشيء إذا قدره وهيأه ليكون منه المولود .وسمى المذى مذيا لبياضه شبه بالعسل الماذى وهو الأبيض، ويشبه أن يكون من قولهم :مذيت فرسى وأمذيته :إذا أرسلته ليرعى، وتركته يذهب حيث شاء .

و "الودى "من قولهم :ودى الشيء إذا سال، ومنه :الوادى لسيلانه بالماء (مشكلات موطأ مالك بن أنس،للبطليوسى ، ج ۱ ، ص ۶۴ ،باب وقوت الصلاة)

مذاء) : بالتشديد والمد :أى كثير المذى بالمعجمة من أمذى وهو أرق من المنى يخرج عند الملاعبة أو النظر .قال ابن حجر :وهو ماء رقيق أصفر يخرج عند الشهوة الضعيفة وفى حكمه الودى بالمهملة .وهو ماء أبيض ثخين يخرج عقب البول أو عند حمل شيء ثقيل(مرقاة المفاتيح، ج ۱ ، ص ۳۵۹، كتاب الطهارة، باب ما يوجب الوضوء)

الفروق بين المنى والمذى الودى:-

المنى :هو السائل المنوى الذى تفرزه غدتا البروستاتا والحويصلة المنوية وتختلط به والنطف الذكرية التى تم تكوينها بالخصيتين (ثم خزنت فى نهاية البربخ وبداية الوعاء الناقل) وسحبت أثناء عملية الإنزال بواسطة انقباض العضلات التى تحيط بالأوعية أو القنوات الناقلة تحت تأثير هرمون الأوكسى توسن(Oxytocin) والهرمونات الجنسية فيخرج المنى فى نهاية عملية الجماع أو الإثارة الجنسية للذكر .والسائل المنوى لونه أبيض تتراوح كميته ما بين 6-3مل لتر أو أكثر بقليل ,قلوى التركيز ويحتوى على النطف الذكرية والتى يصل عددها إلى مئات الملايين وهى تعادل 10%من حجم السائل المنوى .وكذلك يحتوى السائل المنوى على مواد غذائية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک منی ناپاک ہے، اور شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک پاک ہے۔ ۱؎

استعمالی کپڑے کے پاک وناپاک ہونے کا حکم

کوئی چیز خواہ بستر ہو یا گدا، لحاف، یا قالین وغیرہ ہو، اور اسی طریقہ پر مدتِ دراز سے جسم پر پہنا ہوا لباس ہو، وہ کثرتِ استعمال اور میلا کچیلا ہونے سے ناپاک نہیں ہوتا، اور استعمال ہوتے رہنے کے باوجود پاک ہی قرار دیا جاتا ہے، تا آنکہ یقینی طور پر اس کا ناپاک ہونا ثابت نہ ہو، کیونکہ پاک چیز کو ناپاکی کے یقین کی وجہ سے ہی ناپاک کہا جا سکتا ہے، اور شک کی وجہ سے یقین ختم نہیں ہوا کرتا۔ ۲؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومنشطة للنطف الذكرية وبعض الهرمونات -وخروجه من الذكر يوجب الغُسل.

المذى :هو سائل لزج صافى غير كدر يفرز بكمية قليلة جداً من قناة الغدة البولية التناسلية أثناء أو قبل العملية الجنسية وأحياناً بعد البول وكما أسلفنا فإن وظيفته هو تنظيف مجرى القناة البولية التناسلية وترطيب الأحليل أو القضيب ,وخروجه لوحده دون المنى يوجب الوضوء .

الودى : هو عبارة عن سائل منوى يخرج من غير شهوة أو رغبة جنسية(بدون تدفق) نتيجة للانقباضات اللاإرادية للعضلات والتى تحيط بالأوعية والقنوات للجهاز التناسلى للذكر ,ويخرج غالباً مع أو بعد التبول .وله عدة أسباب منها عدم الجماع لفترة طويلة فتتجمع هذه السوائل إلى موقع التخزين (نهاية البربخ) فيخرج جزء من هذه السوائل إلى الوعاء الناقل ثم إلى الخارج بشكل غير اعتيادى نتيجة لضغط السوائل داخل هذه الأوعية .والفرق الرئيسى بينه وبين المنى أنه يخرج دون أن تكون هناك أية إثارة جنسية ,ويخرج بشكل لا إرادى من الذكر وبدون تدفق ويكون أقل بكثير من كمية السائل المنوى (المختصر المفيد فى تحديد جنس الوليد، لعبدالرحمن عبدالله اليحى، ج ا، ص ۴۶، و۴۷، ملاحق:الفروق بين المنى والمذى والودى)

۱؎ ک -المنى والمذى والودى :ذهب الفقهاء إلى نجاسة المذى، للأمر بغسل الذكر منه والوضوء فى حديث على رضى الله عنه قال :كنت رجلا مذاء ، وكنت أستحيي أن أسأل النبى صلى الله عليه وسلم لمكان ابنته، فأمرت المقداد بن الأسود فسأله، فقال :يغسل ذكره ويتوضأ ، ولأنه خارج من سبيل الحدث لا يخلق منه طاهر فهو كالبول.

وذهب الفقهاء إلى نجاسة الودى كذلك.

واختلفوا فى نجاسة المنى أو طهارته :فذهب الحنفية والمالكية إلى نجاسته، وذهب الشافعية والحنابلة إلى طهارته(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص ۹۲،۹۳، مادة "نجاسة")

۲؎ وفيه: أن الأصل فى الحصير ونحوه الطهارة، ولكن النضح فيه إنما كان لأجل التليين أو لإزالة الوسخ، كما ذكرنا .وقال القاضى عياض :الأظهر أنه كان للشك فى نجاسته .قلنا :هذا على مذهبه فى أن النجاسة المشكوك فيها تطهر بنضحها من غير غسل، وعندنا الطهارة لا تحصل إلا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دھوبی کے دُھلے ہوئے کپڑوں کی پاکی وناپاکی کا حکم

جوناپاک لباس دھوبی کو دھونے کے لئے دیا گیا ہو، اور اس نے دھوکر واپس کر دیا ہو، مگر یہ معلوم نہیں کہ دھوبی نے اس لباس کو پاک کیا ہے یا نہیں، تو اگرچہ اس سلسلہ میں بعض اہلِ علم حضرات کی رائے یہ ہے کہ جو لباس دھوبی کو پاکی کی حالت میں دیا ہو، تو وہ دھوبی کے دھوکر واپس کرنے کے بعد پاک ہی رہے گا، اور جو ناپاک حالت میں دیا ہو، وہ دھوبی کے دھوکر واپس کرنے کے باوجود بھی ناپاک سمجھا جائے گا۔

مگر ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ دونوں طرح کے کپڑوں کو پاک سمجھا جائے گا، کیونکہ خیر القرون کے دور سے بلانکیر اس پر تعامل اور عمل چلا آ رہا ہے، اور غیر مسلموں کے دھوئے ہوئے اور استعمالی کپڑوں تک میں فقہائے کرام نے گنجائش اور وسعت بیان فرمائی ہے۔[۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالغسل(عمدة القارى للعينى، ج۴ص ۱۱۲، باب الصلاة على الحصير)

وفيه أن الأصل فى الثياب والبسط والحصر ونحوها الطهارة وأن حكم الطهارة مستمر حتى تتحقق نجاسته(شرح النووى على مسلم، ج۵ص ۱۶۳، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جواز الجماعة فى النافلة والصلاة على حصير وخمرة وثوب)

[۱] جہاں تک اس شبہ کا تعلق ہے کہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا، اس لئے پہلے سے پاک لباس کو پاک اور ناپاک کو ناپاک سمجھا جائے گا، تو اس بارے میں عرض ہے کہ یہ اصول اس وقت تو معتبر اور مؤثر ہوتا، جبکہ کسی لباس کو سرے سے دھونے نہ دھونے میں ہی شک ہوتا، لیکن جب کسی کپڑے کا دھونا اور اس کا میل کچیل دُور ہونا یقین اور مشاہدہ کے ساتھ ثابت ہو، اور دُھلنے کے بعد اس میں نجاست کا کوئی اثر بھی موجود نہ ہو، البتہ پاک کرنے کا ثبوت نہ ہو، تو اس صورت میں اصل پاک ہونا ہے، لہٰذا یہاں پاک ہونے کو شک کا درجہ دیتے ہوئے یقینی ناپاک کے مزاحم قرار دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا، ورنہ تو دھوبی کے علاوہ گھروں میں جو کپڑے خواتین یا ملازم دھوتے ہیں، ان میں بھی یہی اُصول جاری ہونا چاہئے، کیونکہ ان کے بھی پاک ہونے کی کوئی معقول دلیل نہیں ہوتی، اور پیشہ ور دھوبی اور دوسرے دھونے والوں میں معقول فرق بھی نہیں ہوتا، علاوہ ازیں دھوبی عموماً ماءِ کثیر یا ماءِ جاری میں کپڑے دھوتے ہیں، جس میں کپڑا داخل ہونے پر بآسانی پاک ہوجاتا ہے، نیز دھوبیوں کو عموماً جو کپڑے دیئے جاتے ہیں، وہ میلے کچیلے ہوتے ہیں، جن کو دھوکر اور میل کچیل کو صاف کرکے ہی وہ واپس کرتے ہیں، اور یہ بات ظاہر ہے کہ میل کچیل کو دھوکر صاف کرنا بہ نسبت پاک کرنے کے زیادہ مشکل ہے۔

اور کسی چیز کے پاک ہونے کے لئے نجاستِ مرئیہ میں عین کا ازالہ کافی ہوجاتا ہے، اور نجاستِ غیر مرئیہ میں راجح یہ ہے کہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اللہ تعالیٰ دین کی صحیح فہم اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

دھونے والے کے غلبۂ ظن کے مطابق پاک ہوجانا معتبر ہے، اور دھوبی اپنے غلبۂ ظن کے مطابق پاک کرتا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ غلبۂ ظن کا تعلق دھونے والے سے ہے نہ کہ استعمال کرنے والے سے، اور امت کا مجموعی تعامل بھی اسی پر ہے کہ وہ دوسرے بلکہ غیر مسلم غلاموں و باندیوں تک کے دُھلے ہوئے لباس کو استعمال کرتے چلے آرہے ہیں، اور اس کے باوجود بھی دھوبی نے کوئی کوتاہی کی ہو، جس کا استعمال کرنے والے کو علم نہ ہو، تو اس کا ذمہ دار خود وہ دھوبی ہے، جیسا کہ طعام وغیرہ اشیاء کا معاملہ ہے۔

وقال الحسن فی ثیاب تنسجها المجوس :لم یر بها بأسا. وقال معمر :رأیت الزهری یلبس من ثیاب الیمن ما صبغ بالبول.وصلی علی -رضی الله عنه -فی ثوب غیر مقصور.المقصود بهذا الباب: جواز الصلاة فی الثیاب التی ینسجها الکفار، وسواء نسجوها فی بلادهم وجلبت منها، أو نسجت فی بلاد المسلمین.روی أبو إسحاق الفزاری، عن زائدة ومخلد، عن هشام، عن الحسن، أنه قال فی الثیاب التی تنسجها المجوس فیؤتی بها قبل أن تغسل :لا بأس بالصلاة فیها .وروی سعید بن منصور :ثنا حماد بن زید، عن مطر الوراق، عن الحسن، أنه کان لا یری بأسا أن یصلی فی السابری والدستوائی ونحو ذلک قبل أن تغسل .وروی وکیع فی (کتابه) عن الربیع بن صبیح، عن الحسن، قال :لا بأس مما یعمل المجوس من الثیاب وعن علی بن صالح، عن عطاء أبی محمد، قال :رایت علی علی قمیصا من هذه الکرابیس، لبیسا غیر غسیل ورواه عبد الله بن الإمام أحمد فی (کتاب العلل) ثنا أبی :ثنا محمد بن ربیعة :ثنا علی بن صالح :حدثنی عطاء أبو محمد قال :رأیت علیا اشتری ثوبا سنبلانیا فلبسه، ولم یغسله، وصلی فیه.وروی أبو بکر الخلال بإسناده، عن ابن سیرین، قال: ذکر عند عمر الثیاب الیمانیة، أنها تصبغ بالبول؟ فقال :نهانا الله عن التعمق والتکلف. وروی الإمام أحمد، عن هشیم، عن یونس، عن الحسن، أن عمر بن الخطاب أراد أن ینهی عن حلل الحبرة؛ لأنها تصبغ بالبول، فقال له أبی :لیس ذاک لک، قد لبسهن النبی -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ولبسناهن فی عهده.وروی ابن أبی عاصم فی (کتاب اللباس) من طریق محمد بن عبید الله العرزمی -وفیه ضعف -عن عبد الملک بن عمیر، عن قبیصة بن جابر، قال :خطب عمر الناس، فقال :أنه بلغنی أن هذه البرود الیمانیة التی تلبسونها تصبغ بالبول؛ بول العجائز العتق، فلو نهینا الناس عنها؟ فقام عبد الرحمان بن عوف، فقال :یا أمیر المؤمنین، أتنطلق إلی شیء لبسه رسول الله -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -وأصحابه فتحرمه؟ !إنها تغسل بالماء، فکف عُمَر عَن ذَلِکَ. وقد روی عَن الْحَسَن أنه کَانَ إذا سئل عَن البرود إذا صبغت بالبول،فهل تری بلبسها بأسا؟ حدث بحدیث عمر مع أبی بن کعب کما تقدم. وقال حنبل :کان أبو عبد الله -یعنی :أحمد -یصبغ له یهودی جبة فیلبسها، ولا یحدث فیها حدثا من غسل ولا غیره .فقلت له، فقال :ولم تسأل عما لا تعلم؟ لم یزل الناس منذ أدرکناهم لا ینکرون ذلک.قال حنبل :وسئل أبو عبد الله عن یهود یصبغون بالبول؟ فقال :المسلم والکافر فی هذا سواء، ولا تسال عن هذا ولا تبحث عنه وقال :إذا علمت أنه لا محالة یصبغ من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

فقط

وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

محمد رضوان

۲۶/ربیع الآخر/۱۴۳۶ھ 16/فروری/2015ء، بروز پیر

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

البول وصح عندک فلا تصل فيه حتى تغسله.وقال يعقوب بن بختان :سئل أحمد عن الثواب يصبغه اليهودى؟ قال :ويستطيع غير هذا؟ - !كأنه لم ير به بأسا.وقال المروذى :سمعت أبا عبد الله يسأل عن الثوب يعمله اليهودى والنصرانى، تصلى فيه؟ قال :نعم، القصار يقصر الثياب، ونحن نصلى فيها.وكل هذا يدل على أن ما صنعه الكفار من الثياب فإنه يجوز الصلاة فيه من غير غسل، ما لم تحقق فيه نجاسة، ولا يكتفى فى ذلک بمجرد القول فيه حتى يصح، وأنه لا ينبغى البحث عن ذلک والسؤال عنه. وحكى ابن المنذر هذا القول عن مالک والشافعى وأحمد وأصحاب الرأى، فلم يحک عن احد فيه خلافا، وهو قول الثورى وإسحاق -نقله عنه حرب . ومن أصحابنا من قال لا نعلم فى هذا خلافا .ومنهم من نفى الخلاف فيه فى المذهب .ومن الأصحاب من حكى فيه خلافا عن أحمد (فتح البارى لابنِ رجب، ج۲ص ۳۷۲ الیٰ ۳۷۵،باب الصلاة فى الجبة الشامية)